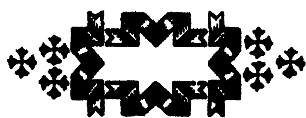
پیغمبرِ صحرا

اُردو ترجمہ
پرافٹ آف دی ڈیزرٹ



مکتبۂ اُردو لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغمبر صحرا

اردو ترجمہ

دی پرافٹ آف دی ڈیزرٹ

مصنفہ

علامہ شیخ خالد لطیف گابا

پبلشر

مکتبہ اردو لاہور

تعداد ایک ہزار

قیمت غیر مجلد عہ مجلد مطلا عہ

دیباچہ

ابتدائے آفرینش ہی سے نوع انسان کو راہ ہدایت پر گامزن ہونے کے لئے امداد کی ضرورت رہی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً پیغمبروں نے ظہور پذیر ہو کر بہم پہنچائی۔ یہ تمام پیغمبر ذرائع یا نتائج کے متعلق متفق الرائے نہیں ہوئے ایک کے سوائے باقی نے اپنے امتیاز کی بنیاد قادر مطلق کے ساتھ قرابت کے مدارج پر رکھی۔ کسی نے خود کو خدا کا "اکلوتا بیٹا" قرار دیا اور کہا کہ وہ گنہگاروں کو نجات دلا سکتا ہے۔ کوئی خدا کا "دوست" تھا اور اپنے معتقدین کے متعلق خدا سے کہ سن سکتا تھا۔ ایک یا دو خدا کے "رفیق" تھے جن کے پاس سفارش کے بہت سے مواقع تھے۔ اور کئی خدا کے "اوتار" تھے۔ جو موقع پر فیصلہ کر سکتے تھے

نوع انسان کی ان برگزیدہ ہستیوں میں صرف ایک ہی ایسا تھا۔ جس کے دعاوی دوسروں سے بالکل مختلف تھے۔ اور ان میں خدائے برتر کے ساتھ دوستی۔ قرابت یا بے تکلفی کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ جداگانہ حیثیت کے نبی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

صحیح معنوں میں اگلے نبیوں کے سوانح حیات لکھنا قریباً ناممکن ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے علاوہ کہ وہ کس درجہ کے انسان تھے۔ مبصرین میں ان ابتدائی تفصیلات کے متعلق بھی اختلاف رہا ہے کہ ان نبیوں کے ظہور پذیر ہوتے اور رحلت کر جانے کا صحیح زمانہ کونسا ہے۔ اور یہ اختلاف بعض صورتوں

میں ایک سو سے ایک ہزار سال تک کا ہے اس لئے اکثر نبیوں کے متعلق تاریخی واقعات کے موجود نہ ہونے کے باعث ان کے سوانح حیات اور فرضی داستانوں میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف چار سال کے حالات مل سکتے ہیں۔

حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ حیات لکھنے والے کے لئے کسی دوسرے نبی کے حالات لکھنے والے کی بہ نسبت زیادہ دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ واضح تر تاریخی حقائق کی کثرت اسے دشواریوں میں مبتلا کر دیتی ہے جن سے انحراف واختلاف گناہ عظیم ہے۔ اس لئے اسے اس روئداد کے بہت تھوڑے خلا پُر کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن سوانح نگار کی مشکلات کی کسر مطالعہ کرنے والے کی آسانیوں سے پُر ہو جاتی ہے۔ جو سلسلۂ داستان کو چھوڑ کر اور اس کے ماخذ کی طرف رجوع کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اُن کے کام کو حقیقی رنگ میں دیکھ سکتا ہے لہٰذا اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ کسی خاص تاویل کو قبول کر لیا جائے۔ کیونکہ انسان اصل کتابوں کے وسیع مجموعہ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی صحیح تصویر کھینچ سکتا ہے اور معلوم کر سکتا ہے کہ وہ کس زمانہ میں مبعوث ہوئے اور انھوں نے کس قدر قیمتی کام کیا۔

بد قسمتی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داستان حیات کئی دوسری بزرگ ہستیوں کے سوانح کی طرح بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا مایۂ زینت ہیں جنھیں اکثر لوگ پڑھنے کی بجائے صرف دیکھ لیتے ہیں۔ اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ اوسط درجہ کے ناظرین کے لئے مناسب اختصار کے ساتھ پیغمبر اسلام کی زندگی اور ان کے کام کے متعلق تمام چیدہ چیدہ حالات و

واقعات پیش کر دیئے جائیں۔ جن کے بیان کرنے میں نہ تو تبلیغی اور مذہبی اغراض مدِنظر ہوں اور نہ جبورانہ غلط بیانیوں سے کام لیا جائے۔ جو حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیحی نامہ نگاروں میں عام ہیں اس لئے مصنّف کی اس تصنیف کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ سادہ لوگوں کے لئے ایک سادہ انسان کی لکھی ہوئی سادہ کتاب ہے۔

اس کتاب میں ناظرین کو اصل زمانہ کی طرف لے جانے اور بیان کردہ واقعات کے ہم عصر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ یاد رہنے والے واقعات زندگی کو اسی رنگ میں دیکھ سکیں جس طرح وہ ظہور پذیر ہوئے اور اس عہد کے لوگوں کے زاویائے نگاہ سے باخبر ہوسکیں ناظرین اس کتاب کے خاتمہ پر پہنچکر بہت سے دلچسپ معاملات کے متعلق خود رائے قائم کرنے کے قابل نہ بنیں گے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام بہت بڑی حد تک غلط بیانیوں اور اتہامات کی آماجگاہ رہے ہیں۔ جو آج تک جاری ہیں اور جن کے اُکسانے کا باعث کوئی تاریخی پس منظر ہوتا ہے۔ مثلاً صلاح الدین کے معرکے۔ صلیبی لڑائیاں جنرل گورڈن کی موت۔ سلطنت مغلیہ معاہدہ سیورے کے سلسلہ میں مصطفےٰ کمال پاشا کا دنداں شکن جواب وغیرہ۔

جب تک اسلام اس مادی دنیا میں ایک زندہ طاقت کی حیثیت رکھے گا۔ عام غیر مسلموں سے یہ توقع بے سود ہے کہ وہ ان خدمات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں جو اسلام اور پیغمبر اسلام نے دنیا کے معاشری اور سیاسی عقدے حل کرنے کے لئے انجام دیں اور یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو محض اس لئے غلط رنگ میں پیش کیا جائے کہ اہل بلجیم نے کانگو میں نوآبادیاں قائم کرلی ہیں۔ یا حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مجلس اقوام کی صیہونی سرگرمیوں کے باعث اور بدھ کو چین و جاپان کی لڑائیوں کے سبب سے مطعون کیا جائے۔ بہرحال فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مسیحیت۔ یہودیت ار بدھ مت مادی طور پر معدوم ہوچکے ہیں۔ اسلام ابھی تک ایک زبردست طاقت ہے۔ اور وہ بلقانیوں کی غداری۔ یہودیوں کی نفرت۔ ہندوؤں کے خوف اور روس کی عداوت کو اکساتی رہتی ہے۔

آج دنیا کے سامنے جو بڑے بڑے عقدے موجود ہیں ان میں اہم ترین وہ ہیں جو قومیت اور بین الاقوامیت۔ اختلاف صنفین۔ اور رابطہ ازدواج کے تنزلزل۔ دفتری حکومت اور جمہوریت کے تصادم۔ سرمایہ اور محنت۔ خدا کی ہستی سے اجتماعات کثیر کے انکار۔ خالی عبادت گاہوں اور مفلوک الحال مبلغوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں کہ انسان خدا سے اکتا گیا ہو۔ یا اسے ان تہدید آمیز عقدوں سے واسطہ پڑا ہو اور یہ صرف اتفاقیہ بات نہیں کہ یورپ اور امریکہ کثرت ازدواج کے نفع و ضرر۔ آسان تر طلاق۔ موزوں تر قواعد وراثت کے ذرائع۔ بڑے خاندانوں کی ثروت کی تقسیم مختلف ممالک کے باشندوں میں رشتۂ اخوت۔ امتیاز رنگ و نسل کا استیصال۔ سود پر روپیہ لینے دینے کے سبب سے اقتصادی نظام کی تباہی وغیرہ مسائل پر بحث و تمحیص کر رہے ہیں۔ تقریباً اسی قسم کے مسائل چھٹی صدی کے آخر اور ساتویں صدی کے شروع میں دنیا کے سامنے تھے اس کتاب کے صفحات آپ کو بتائیں گے کہ کس طرح ایک ساربان اپنا

قافلہ ان مشکلات میں سے نکال کر لے گیا۔

لہٰذا یہ کتاب مسلموں۔ اور غیر مسلموں۔ خدا پر ایمان رکھنے والوں اور ناستکوں مذہبی پیشواؤں۔ اور معصیت کاروں۔ سرمایہ داروں اور اشتراکیوں۔ شاہ پرستوں اور جمہوریت پسندوں۔ عبادت گذاروں اور گناہگاروں۔ غرض سب کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اور مصنف کو توقع ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے والا خواہ موت وحیات کے متعلق اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ وہ بہشت میں مناجاتیں پڑھنے کا متوقع ہو یا آتش دوزخ میں جلنے کا امیدوار ذرات میں منتشر ہو جانے پر ایمان رکھتا ہو یا مسئلہ تناسخ کا قائل۔ موت کے بعد دفن ہونے کا خواہشمند ہو یا جلائے جانے کا خواہاں۔ اس کتاب میں اسے ایک عام انسان کے دلچسپ حالات ملیں گے جس نے اپنے گرد وپیش بے شمار ستریں پاکر انھیں جمع کرلیا اور انہیں اپنی جانشین نسلوں کے لئے چھوڑ گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

ساربان

ریگستان کے پیچھے سمندر میں غروب ہوتے ہوئے قرمزی قرص آفتاب نے آسمان کا سنہری شامیانہ تان دیا ہے۔ اور پہاڑیوں پر ہفت رنگ شعلے رقص کر رہے ہیں۔

ایک پر وقار قافلہ اس درے کی چوٹی پر پہنچا ہے جہاں یثرب سے وادیٔ مکہ کو جانے والی سڑک کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک ہی نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی تجارتی کاروان نہیں۔ قیمتی سازوسامان گھوڑوں کی چال ڈھال۔ لدے ہوئے اونٹوں کے انبوہ اور شاندار محملوں کے سامان آرائش سے ظاہر ہے کہ کوئی عرب شیخ کسی تقریب میں شامل ہونے کے لئے مکہ جا رہا ہے۔

شہر کے ایک وسیع صحن میں آگ جل رہی ہے۔ جس کے بل کھاتے ہوئے

شعلے بلند ہو ہو کر ظلمت شام کا استقبال کر رہے ہیں۔ نغموں اور قہقہوں کی صداؤں میں ایک بزم ضیافت برپا ہے۔ مہمان اکا دُکا اور گروہوں اور کاروانوں کی صورت میں آ رہے ہیں۔ کیونکہ اُن تُند خُو فرزندان صحرا کے خاندان میں ایسی اہم تقریب شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ مہمان عربی مہمان نوازی کے وسیع دستر خوان سے شکم سیر ہونے کے لئے آگ کے گرد جمع ہیں۔ پلاؤ کے بڑے بڑے طشت۔ مختلف قسم کی اشتہا آفرین صورتوں میں پکے ہوئے گوشت کے بے شمار پیالے۔ قہوہ کے فنجان۔ گرم اور تیز چائے کے استکان مہمانوں کے سامنے دھرے جا رہے ہیں۔ مہمانوں کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔ اور ان میں شیوخ قبائل سے خانہ بدوش بدوؤں تک۔ اہلکاران شہر سے زیادہ نرم مزاج تاجروں تک۔ شرفائے قریش۔ ضباط عسکری اور ویز بل کے خوش بیان واعظ شامل ہیں۔ انکے سُرخ زرد اور نارنجی لباس ایک باصرہ نواز شان رنگ آمیزی پیدا کر رہے ہیں کمر بندوں کے مختلف الالوان پھندے سامنے یا ایک طرف لٹک رہے ہیں۔ پُر وقار عمامے ارباب سیف کو اہل شہر سے ممتاز کر رہے ہیں۔
یہ اجتماع ان تمام اشراف و اکابر پر مشتمل ہے۔ جن کا مکہ میں جمع کیا جانا ممکن ہے۔ کیونکہ میزبان کعبہ کے متولی عبد المطلب ہیں اور یہ ایک ایسا عہدہ ہے جو عربستان میں اہم ترین متصور ہوتا ہے آج عبد المطلب انبساط مجسم ہیں۔ لا انتہا خوشی کے عالم میں مہمانوں کی ضرورتوں کو دیکھتے بھالتے۔ ہنستے مذاق کرتے۔ ادھر اُدھر پھر رہے ہیں اور اہل بزم کی لامحدود مسرتوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کی ہیئت جسمانی اور موزوں اور متناسب شکل و شباہت دیکھ کر یہ پہچان لینا دشوار نہیں کہ وہ

شیوخ صحرا میں ممتاز شیخ ہیں۔ ان کی قابلیت ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتی ہے۔ نگاہ کی تیزی۔ ابرؤں کی کشادگی۔ خوبصورت ناک کی طوالت اور لبوں کی ساخت سے فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ممتاز ترین عرب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک مہمان کے سوال کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا "میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے"۔ یہ سوال و جواب اس ننھے بچے کے متعلق ہے جسے ایک حبشی غلام ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے مہمانوں کے حلقہ میں گھوم رہا ہے۔

مہمانوں نے کہا: "محمدؐ کی بجائے آپ نے اپنے خاندان کا کوئی خوبصورت نام کیوں نہیں رکھا؟"

کیونکہ عبدالمطلب کا سلسلۂ نسب ہاشم، عبدالمناف، قصی، کلاب، کعب، غالب، مدرکہ، آدم، نزار، اور عدنان کے واسطے سے اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔

عبدالمطلب نے ننھے بچے کے گالوں پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا "اس لئے کیونکہ مجھے امید ہے کہ یہ نام ایک دن دنیا میں بہت عظمت حاصل کرے گا"۔

عبدالمطلب کے دوستوں نے انھیں آج سے زیادہ خوش کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے اٹھارہ لڑکے لڑکیاں تھے لیکن انھیں سب سے زیادہ محبت عبداللہ سے تھی۔ اور اس محبت بے کراں کے باعث انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی کا عہد کر رکھا تھا۔ لیکن قریش کے سرداروں نے انھیں اس ارادہ سے روکا۔

چنانچہ اس کی بجائے ایک سو اونٹ قربان کئے گئے اور اُسی روز سے قریش میں انسانی قربانی کے عوض ایک سو اونٹ کی قربانی کا رواج ہوگیا۔ ننھے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدوخال میں عبدالمطلب کو عبداللہ کے خط و خال نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بچہ کا نام اسی یقین و اُمید پر رکھا ہے۔ کہ عبداللہ کا تھا بیٹا ایک دن بڑا ہو کر قبائل میں ایک بڑی شخصیت حاصل کرے گا۔ اور کعبہ کا متولّی اور اس کا جانشین ہوگا۔

بہت رات جا چکی ہے۔ اور محفل سے سرود و نشاط کے نغمے بلند ہو رہے ہیں۔ آمنہؓ موسیقی۔ ڈھولوں اور قہقہوں کی آوازیں سُن رہی ہیں وہ صاف و شفاف آسمان کے سینے جو لاتعداد ستاروں کی ضیاء سے چمک رہا ہے۔ پڑی ہوئی ایک اور رات کے تصور میں محو ہیں جو اسی طرح پُر رونق تھی اور جب وہ دُلھن بن کر اپنے شوہر کے گھر آئی تھیں۔

آمنہؓ ایک خوبصورت تحفہ تھیں جو بنو زہرہ کی طرف سے قریش کو دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کو چند مہینے ہی گذرے ہیں اور آج وہ بیوہ ہیں ایک ننھا سا بچّہ ان کی چھاتی کو گرما رہا ہے جسے وُہ سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ تمام بچّے عزیز ہوتے ہیں۔ لیکن محبت کے جذبۂ شوق کا پہلا ثمر عزیز ترین ہوتا ہے۔

---

(۲)

آمنہؓ کا دل اُداس ہے۔ دُنیا کی کوئی مسرّت اس کمی کو پورا نہیں کر

سکتی جو حسین اور نیک سیرت عبداللہ کی موت نے ان کی زندگی میں پیدا کر دی ہے۔ اگر آمنہ مستقبل کے آئینے میں اپنے قابل قدر فرزند کی قسمت دیکھ سکتیں تو شاید ان کا بارِ غم ہلکا ہو جاتا۔ یہ سچ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ابرہہ[1] اور اس کی فوج کی شکست کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہوئی۔ اہل مکہ نے بھی قدرت کے ان کرشموں کے متعلق سنا جو انہیں ایام میں ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً وہ سخت زلزلہ جس نے قصر کسریٰ کے چاروں برج گرا دئے۔ وہ عجیب و غریب ستارہ جس نے تمام صحرا کو روشن کر دیا۔ ایرانیوں کے آتشکدوں کا جو ہزار سال سے روشن تھے سرد ہو جانا۔ جھیل ساوا کا یکایک سوکھ جانا وغیرہ۔

ممکن ہے یہ حادثات معجزات نہ ہوں بلکہ ایسے واقعات ہوں جو اتفاقیہ طور پر عین اسی وقت ظہور پذیر ہوئے۔ ظاہر بین مورخ شاید ہمارے اعتقاد اور توہم پرستی کا مضحکہ اڑائیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذریعے خدا نے ایک ایسے شخص کی غیر فانی مستقبل کی طرف اشارہ نہیں کیا جسے عرب سنان کے منتشر قبائل کو ایک زبردست سلطنت میں متحد کرنے اور آئندہ صدیوں کو چونکا دینے والا پیغام پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔

---

[1] ابرہہ یمن کا عیسائی حاکم تھا جس نے ۵۷۰ء میں کعبہ کو نیست و نابود کرنے کے ارادہ سے مکہ پر حملہ کیا تھا لیکن خدا نے اس کی فوج کو تباہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اس واقعہ سے پورے چالیس روز بعد ہوئی تھی۔ مترجم

اگرچہ اہل مکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل سے بے خبر ہیں تاہم آپ عبدالمطلب کے پوتے اور ثمر قریش ہیں۔ قریش کے سردار آپ کے ساتھ بہت بڑی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ عبدالمطلب کی ضعیف العمری میں اُنکے گھر کی روشنی ہیں اور اکثر اپنے دادا کے آغوش میں ان کے پہرے کے ساتھ کھیلتے اور شرماکر اجنبیوں سے اپنا منہ چھپاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کے سب چچا خصوصاً ابوطالب اور حمزہ انھیں بہت پیار کرتے ہیں۔ ننھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت پدری کبھی نہیں دیکھی۔ ملک کے رواج نے انھیں شفقت مادری سے بھی محروم کردیا۔ چند ماہ تک آپ کی والدہ دودھ پلاتی ہیں۔ چند روز تک عبدالمطلب کے خاندان کی ایک حبشی لونڈی ثوبیہ[1] یہ سعادت حاصل کرتی رہی اور عربوں کے رواج کے مطابق چند ماہ کی عمر میں آپ کو قبیلہ بنوسعد کی ایک بدوی عورت حلیمہ کی حفاظت میں دے دیا جاتا ہے۔ آپ کی پرورش اب اس دودھ سے ہوتی ہے۔ جس سے صحرائے عرب کے بہادر فرزند پلتے ہیں۔

عبدالمطلب کا اقتدار اپنی معراج پر پہنچ چکا ہے۔ کعبہ کے متولی ہونے کے بعد پچاس سال تک وہ مکہ کی ثروت عامہ کے سردار رہے ہیں۔ شہر کی حکومت دس اشراف کی ایک مجلس تنفیذیہ کے ہاتھ میں ہے۔ جنھیں اس اعلیٰ خاندان کے مقتدر ارکان میں سے منتخب کیا گیا ہے

۱؎۔ ثوبیہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا حضور کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں۔ مترجم

جس کے سردار قصیٰ نے شہر کے تمام بڑے بڑے مذہبی اور سیاسی اداروں کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لے رکھا تھا۔ اب یہ ادارے مختلف افسروں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ انکے فرائض میں ایک فرض کعبہ کی چابیوں کی حفاظت ہے جو عبدالدار کے خاندان کے ذمہ ہے۔ اور ایک چاہ زمزم کا انتظام جو ہاشم کے خاندان کے سپرد ہے۔ دیوانی اور فوجداری عدالت کے اختیارات تیم ابن مرّہ کے خاندان کو تفویض کئے گئے ہیں۔ حکومت کے دوسرے فرائض میں فوج کی قیادت اور ہمسایہ قبائل کے تعلقات ہیں۔ یہ بھی قریش کے سر برآوردہ ارکان بجا لاتے ہیں بہر حال قوت و اختیار کی اس تقسیم کے باوجود عبدالمطلب کو اپنی عمر اور اپنے ذاتی اخلاق و رسوخ کے باعث نہ صرف حکومت کے تمام سرداروں پر بلکہ تمام عربستان میں تفوق حاصل ہے۔ کیونکہ مکّہ اُم القریٰ یعنی بلاد عربستان کی ماں ہے۔

مکّہ اگرچہ ایک ویران وادی میں واقع ہے اور شہر مزرعوں اور نخلستانوں سے خالی ہے۔ لیکن چشمے۔ کنوئیں۔ حدائق۔ ثمردار باغ اور سرسبز وادیاں وہاں سے زیادہ دور نہیں۔ مکّہ زمانہ قدیم سے صحرائی قافلوں کی گذرگاہ رہا ہے جو اپنے ساتھ مصالحے۔ خوشبوئیں۔ چمڑے۔ پھل۔ بساطی کا سامان۔ یمن کی خوش رنگ شالیں اور چرمی سامان۔ ابی سینیا کا ہاتھی دانت۔ دمشق کی خوبصورت عورتیں اور مصر کے غلام لاتے رہے ہیں۔ لیکن بجائے خود دوسرے درجہ کا شہر بن چکا ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک تجارتی مرکز ہے بلکہ اس میں وہ مقدس ترین مقام واقع ہے جس کی چاردیواری یعنی حرم میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ اور جو تمام عربستان کی مشترکہ عبادتگاہ ہے۔

شہر مکہ کعبہ سے منور رہے۔ امرائے شہر کے مکان اس کی دیواروں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ فنِ عمارت کے لحاظ سے کعبہ کوئی دلچسپ یادگار نہیں۔ یہ پتھروں کی ایک سادہ عمارت ہے جس میں کوئی کھڑکی نہیں۔ اور روشنی صرف دروازہ کے راستہ سے اندر جا سکتی ہے۔ روایت کے مطابق کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم اور انکے بیٹے حضرت اسمٰعیل نے صرف ایک ابدی و ازلی خدا کے نام پر رکھی۔ تاریخ کے مطابق کعبہ کی بنیاد یوروشلم کی عبادت گاہ سے ایک ہزار سال قبل اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے رکھی گئی تھی۔ کعبہ ہونے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی شکل مکعب ہے اس کے معماروں کو بے شبہ بہت کم تعمیری عقدے حل کرنے پڑے۔ کیونکہ ان کا کمال فن صرف چار سیدھی دیواریں تعمیر کرنے تک محدود تھا۔ جو کسی قسم کے سامان آرائش سے بے نیاز تھیں۔

کعبہ میں ایک سیاہ پتھر کو بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک شہاب ہے جو کئی ہزار سال سے صحرا میں گرا۔ پتھر کے ارد گرد ہزارہا بُت ہیں۔ جن میں سب سے بڑا ہبل ہے۔ یہ ایک بڑے پیٹ والا دیوتا ہے اور تلطف آمیز نظروں سے اپنے ان پرستاروں کی طرف دیکھتا رہتا ہے جو شب و روز جوق درجوق کعبہ میں آتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بہت سے ہیں۔ یہ ان مختلف العقائد تاجروں کے معبود ہیں جو ہر سال حج کے مہینے میں دور دراز ممالک سے آکر سالانہ میلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ دوسرے بتوں میں حضرت مریمؑ کا ایک مجسمہ بھی ہے جو شیر خوار مسیح کو اٹھائے ہوئے ہے۔ غرض مسیحی۔ یہودی اور زرتشتی سب کے لئے کعبہ کے اندر ان کے مذہبی نشانات موجود ہیں۔

کعبہ کا تقدس تمام جزیرہ نما میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس عبادت گاہ کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو تمام قبائل میں مذہبی برتری حاصل ہے نیز تمام سونا۔ چاندی۔ مال وجواہر پر جو وہاں چڑھاوے کے طور پر چڑھتا ہے۔ قریش کو پورا اختیار حاصل ہے۔ کعبہ کی چابیاں پہلے سلاطین یمن کے متعین کردہ حکام کے قبضہ میں رہتی تھیں۔ لیکن جب وہ ایک دفعہ قریش کے قبضہ میں آگئیں تو ہمیشہ انھیں کے پاس رہیں! ورقریش نے ہمیشہ اپنے ملک کے بت پرست ہم چشموں اور ابی سینیا کے حملہ آور عیسائیوں کی مدافعت کامیابی کے ساتھ کی۔ قریش کو اس بات پر کہ کعبہ ان کے قبضہ سے کبھی نہیں نکل سکتا یہاں تک اعتماد ہے کہ جب عیسائیوں نے مکہ پر حملہ کیا اور عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ لئے تو بطریق مکہ (عبدالمطلب) کو کعبہ کے تحفظ سے زیادہ اپنے اونٹوں کی فکر تھی۔ چنانچہ جب وہ ابرہہ عیسائی کے پاس اپنے اونٹوں کے مطالبہ کے لئے گئے۔ تو موخرالذکر نے کہا "تم کعبہ کی بہ نسبت اپنے حیوانوں کے لئے زیادہ فکر مند نظر آتے ہو"۔ عبدالمطلب نے جواب دیا" ہاں مجھے اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ کیونکہ میں ان کا مالک ہوں۔ باقی رہا کعبہ تو اس کا مالک خود اس کی حفاظت کرے گا"۔

لہٰذا کعبہ جسے ابرہہ مسمار کرنا چاہتا تھا۔ قدیم روایات کے مطابق بہت ہی مقدس مقام ہے۔ اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہوداہ نے عرب قوم کو تحفتہً دیا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل وعظ کیا کرتے تھے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ تین سو ساٹھ بتوں کا مندر ہے۔ قوم بھر کا بت نمانہ ہے۔ اور تمام کی روایات کا مرکز ہے۔ یہ زیارتگاہ

عام ہے۔ اگر عرب کسی ایک بات پر متحد ہو سکتے ہیں تو وہ کعبہ کی پرستش اس کی زیبائش اور تمام دنیا کی یادگاروں سے بڑھ کر اس کی آرائش ہے۔ سورج چاند اور آگ کی پرستش کرنے والے یہاں نذریں بھیجتے ہیں۔ یہودی اس کا احترام کرتے ہیں۔ چین اور ہندوستان کے سوداگر اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ صرف عیسائی ہیں جو اس سے بغض رکھتے ہیں۔

---

(۳)

وقت تیزی سے گذرتا جاتا ہے۔

مکہ کی فضا اس کے تقدس کے باوجود خوش آئند نہ تھی۔ حضور آقائے نامدار صلعم جنھیں دایہ حلیمہ کی حفاظت میں دیا گیا تھا۔ بنوسعد کے درمیان بہت آرام میں ہیں۔ یہاں ان کی پرورش بالکل قبیلہ کے دوسرے بچوں کی طرح ہوتی ہے۔ پہلے آپ اپنی مجازی ماں کا دودھ پیتے اور جب دودھ میں کمی ہو جاتی۔ تو روتے ہیں۔ اسکے بعد شوربا اور نرم روٹی پر ان کی پرورش ہونے لگی ہے۔ اب وہ ریت میں کھیلنے کودنے اور ہم عمر بچوں کی طرح گیلی مٹی کے کھلونے بنا بنا کر جی بہلانے لگے ہیں۔ آپ کے گلے میں دھاریدار کرتہ ہے۔ سر اور پاؤں برہنہ۔ اور اس لحاظ سے گویا آپ گاؤں کے عام بچوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ لیکن حلیمہ انھیں بہت پیار کرتی ہے۔ اسکے لئے آپ حقیقی اولاد کی طرح ہیں۔ محبت کا تانا بانا بننے کے لئے چھ سال کا عرصہ کافی ہوتا ہے۔ اور آپ نے اس عرصہ میں حلیمہ کے دل میں رشتۂ الفت کی

مضبوط گرہیں باندھ دی تھیں۔ آخر کار جب آپ کے دادا نے آپ کو بُلا بھیجا تو حلیمہ زار و قطار رونے لگیں۔

اب آمنہؓ اپنے بیٹے کو اس ننھے بچے سے بالکل مختلف پاتی ہے جسے حلیمہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ ماشاءاللہ ننھے سے آدمی ہیں۔ آزاد صاحب رشد و تمیز اور عزم و ارادہ والے انسان۔ آپ دل بھانے والی باتیں کرتے ہیں۔ اور شفقت و محبت کے ساتھ اپنی والدہ کے ہاتھوں پر بوسے دیتے ہیں۔

آپ اپنی والدہ کی عزیز ترین متاع ہیں۔ کبھی کبھی آپ اپنے دادا کے گھٹنوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اور ان کی تلوار کے ساتھ کھیلتے ہوئے ان کی عبا میں چھپ جاتے ہیں۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ ماں اور دادا کا سایہ آپ کے سر پر زیادہ دیر تک رہتا۔

اسی زمانہ میں عبدالمطلب کو صنعا کا سفر پیش آیا۔ تاکہ تبابعہ[1] کے نئے حکمران سیف کو قریش کی طرف سے مبارکباد پیش کریں۔ یہ سفر ضعیف العمری میں خطرناک ثابت ہوا۔ اور عبدالمطلب ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے جس کا افسوس تمام قریش کو ہوا۔

---

[1] تبابعہ یمن کے پرانے حکمرانوں کا نام تھا جنھیں مٹا کر حبشیوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ سیف بن یزن نام ایک شخص نے تبابعہ کی سلطنت کو ایران کی مدد سے زندہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ اور یمن فارسیوں نے قبضہ کر لیا۔

مترجم

عبدالمطلب بہت سے بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں چھوڑ گئے۔ ان میں سب سے بڑا عبدالعزیٰ[1] ہے جو خود غرض اور سازشی شخص ہے۔ وہ متعصّب ہے اور اسی قدر خود پسند بھی ہے۔ اسے یقین ہے کہ باپ کے بعد تولیّتِ کعبہ اُسی کا حق ہے۔ ابو طالبؓ اپنے بھائی سے بالکل مختلف طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ خوش طبع خوش اخلاق اور خندہ رُو ہیں ان کے ہموار ابروؤں اور بشرے سے غور و فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ اور ان باتوں سے وہ مدبّر معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ کم سخن ہیں مگر اُن کے دل میں بہت سے خیالات پنہاں ہیں۔ حمزہؓ نوجوان۔ خوش وضع اور شجاع ہیں۔ ان کی آنکھوں سے دور اندیشی اور باریک بینی جھلکتی ہے اور آواز میں ایقان کی گونج ہے جو شہدا کے لیے مخصوص ہے۔ اور عباسؓ ایک فلسفی اور پاکیزہ سیرت انسان ہیں۔

عبدالمطلب کی وراثت میں سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں ملا۔ چونکہ آپ کی والدہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ اپنے عزیز چچا ابو طالبؓ کی حفاظت میں چلے جاتے ہیں۔

ابو طالبؓ اپنے قبیلہ کے اکثر آدمیوں کی طرح تجارت کرتے ہیں۔ انھیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا شفیق اور موزوں رفیق سفر مل گیا۔ آنحضرت صلعم اب جوان ہو رہے ہیں۔ اور اپنی عمر کی بہ نسبت زیادہ دانشمندانہ گفتگو کرتے ہیں۔

---

[1] عبدالعزیٰ ابولہب کا نام ہے۔ اکثر ارباب سیرت کی رائے ہے کہ عبدالمطلب کے فرزندوں میں سب سے بڑے حارث تھے اور سب سے چھوٹے عباسؓ۔ مترجم۔

(۴)

جوں جوں زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے لڑکپن جوانی میں تبدیل ہوتا جاتا ہے اور آپ رشد و بلوغ حاصل کرتے جا رہے ہیں

حضورؐ میں اپنے خاندان کے اطوار خصوصی واضح طور پر نشوونما پا رہے ہیں۔ صحرا گردی تمازتِ آفتاب اور طوفان خیز راتوں میں طویل سفر نے آپ کو لوہے کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان بیابانوں میں نہ رستے کا پتہ ملتا ہے نہ منزل کا نشان۔ ساری سرزمین میں حیوانات، صید اور وحشی قبائل سے اٹی پڑی ہے اس ملک میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے سوا لوگ کسی قانون سے آگاہ نہیں۔ ہر شخص کا انحصار احتیاط اور بالغ نظری پر ہے۔ صرف ہمت و استقلال اور کمال شہسواری و تیغ زنی اس کی حفاظت جان کی ضامن ہے۔ ہوشمندی اور کفایت شعاری کی فضا میں پرورش پاتے ہوئے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم دُبلا ہے۔ لیکن محنت و مشقت کی سختیاں جھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس سخت جسم کے اندر عزم بالجزم کی روح آباد ہے۔ ملک کی نوعیت اور سادہ طرز زندگی نے حضور کو ان تکلفات اور تحریصات سے بچائے رکھا جو دجلہ و فرات پر بسنے والے ہم عصروں میں موجود ہیں۔

حضورؐ میانہ قد ہیں۔ چہرہ گول اور صحت رخساروں سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے۔ حضورؐ سیدھے چلتے ہیں۔ اور تیز نگاہوں سے دنیا کو سیورانہ انداز سے دیکھتے ہیں۔ نرم اور سیاہ بالوں پر چہرے کا گورا رنگ بہت کھلتا ہے۔ اور آنکھوں میں رموزِ مخفی کی ایک یقینی جھلک

ہے۔
ابوطالبؓ تجارتی کاروبار کے علاوہ اپنے باپ کی جگہ کعبہ کے محافظ بھی ہیں۔ اور اہل مکہ اور قریش پر بڑا اثر رکھتے ہیں اسلئے حضور آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کو شہر کے تمام سربرآوردہ اور معزز اشخاص جانتے ہیں اور ان کی خوبیوں کے معترف ہیں۔ جوں جوں آپ بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ لوگ آپ کی متناسب ہیئت جسمانی۔ بے خوف نگاہوں اور سلیقہ شعاری کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ حضور حاضر جوابی۔ حد سے سے بڑھی ہوئی راستبازی اور زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی مخلص ہونے کے باعث "امین" کے لقب سے پکارے جانے لگے ہیں۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مصنوعی نہیں بلکہ فطرت نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اور تجربہ نے اسے سانچے میں ڈھالا ہے۔ حضورؐ نے بہت سے سفر کئے ہیں۔ اور چودہ سال کی عمر سے قریش کے لئے ہتھیار اٹھائے ہیں۔ اس لئے حضورؐ کی زندگی اکثر جزئیات سے واقف ہے اور نفع و ضرر اور فتح و شکست سے آشنا۔

حضورؐ نے متعدد جنگی اور تجارتی مہموں میں اپنے ملک اور اپنی نسل کے متعلق معلومات حاصل کئے ہیں۔ صحرا کے خطرات بھی دیکھے ہیں۔ اور اسکے حسن سے بھی آگاہ ہیں۔ تاریخی داستانیں اور خانہ بدوش قبائل کی روایات سنی ہیں۔ باہر کی دنیا کے حالات معلوم کئے ہیں۔ آپ کے دل میں یہ خیال جاگزیں رہا ہے کہ ایک انسان اور دوسرے انسان۔ یہودی اور عیسائی۔ مانوی اور زرتشتی میں کیا چیز مابہ الامتیاز ہے حضورؐ

سنتے ہیں کہ مکّہ تمام دنیا کا دل ہے۔ اور کیا ہی کمزور اور مضطرب دل! عربستان میں مرکزی حکومت مفقود ہے۔ ملک جنگجو قبائل میں منقسم ہے اور سرحد کے آر پار بہت دور سے طوفان کی گرج سنائی دے رہی ہے جنگ صرف مکّہ کے مقدس بُت خانہ کے اندر ممنوع ہے۔ ورنہ حرم کے باہر قبائل وقتاً فوقتاً آپس میں پیکار آزمار ہتے ہیں۔ اہل قسطنطنیہ اور سلطنت ایران کی نظروں میں عرب قوم مکمل طور پر ایک وحشی قوم ہے۔ رومی مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے کہ تمام متمدّن دنیا میں عربوں کو ناقابل اعتماد دوست اور غیر معتبر دشمن کا ناقابل رشک درجہ دیا جاتا ہے۔ رومیوں اور ایرانیوں کی عظیم الشان سلطنتوں نے اپنی فتوحات کو عربستان کی سرحد پر روک دیا۔ کیونکہ صحرا کی حکومت سے بہت کم نفع اور بہت تھوڑے شکریہ کی اُمید ہے

عرب میں وقتاً فوقتاً بادشاہ پیدا ہوئے۔ لیکن بہت جلد تباہ ہو گئے اور کسی شہنشاہیت کو طویل عرصہ تک قیام نصیب نہیں ہوا۔ بدوؤں میں آزادی کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ مگر ان تمام پُرامن کوششوں کا مخالف ہے جن کا مقصد ان میں ملکی انتظام اور ضبط و نظم پیدا کرنا ہو۔ خواہ یہ کوششیں انھیں کے فائدے کے لئے ہوں۔ عربوں میں حقیقی انتظامی قابلیت مفقود ہے۔ قبائلی فیصلوں کو کسی قدر اہمیّت حاصل ہے۔ لیکن کوئی ایسی قوت نافذہ موجود نہیں جو ان فیصلوں کو منوا سکے۔ امن ان کے لئے ایک غیر ہر دلعزیز چیز ہے۔ عرب نظم و نثر کے ذریعہ ہجو گوئی کے معاملہ میں بہت زیادہ حساس واقع ہوا ہے۔ لیکن اس کی طبیعت میں مبالغہ اور مدح سرائی کو بھی دخل ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں بہت

بڑے نتائج پیدا کرتی ہیں۔ عام طور پر مواشی کی نقل وحرکت اور چراگاہوں کا استعمال باہمی اختلافات اور جنگ وجدال کا باعث ہوتے ہیں خون مقتول ہی خون کے لیئے باآواز بلند پکارتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ آوازہ کئی نسلوں تک گونجتی رہتی ہے۔

ہمسایہ سلطنتوں میں یمن قدیم تر ہے پہلے اس کا دارالحکومت مآرب تھا۔ جو جزیرہ نمائے عربستان کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ لیکن ایک تباہی خیز سیلاب کے بعد حکومت یمن کا پایۂ تخت صنعا میں منتقل کردیا گیا۔ جہاں ابرہہ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے ایک شاندار کلیسا تعمیر کرنا شروع کیا۔ اور اسی سلسلہ میں مکہ پر حملہ آور ہوا۔ شاہان یمن صدیوں سے تبابعہ کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ افریقہ سے لیا گیا ہے اور اس کے معنی "طاقتور" ہیں۔ اسکے دوسرے درجہ پر حیرہ کی سلطنت ہے۔ جو شمال مشرق میں واقع ہے۔ شاہان حیرہ صنعا کی شاہی نسل کے ہمسر ہیں اور تقریباً چار سو سال سے حکومت کرتے آئے ہیں۔ اس عرصہ میں انھوں نے وقتاً فوقتاً عارضی طور پر اپنے ہمسایہ فرمانرواؤں یعنی یمن کے خودمختار بادشاہوں کی اطاعت بھی کی۔ تیسری بادشاہت غسان کی ہے۔ یہ سلطنت شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ بھی قدیم الاصل ہے اور اس کے خاندان کی تاریخ کا پانچ چھ سو سال تک پتہ چلتا ہے جس کا زیادہ حصہ اپنے قوی تر ہمسایوں کے ساتھ ناز بردارانہ اتحاد پر مشتمل ہے۔

ادھر یمن کے شاہی علم طول وعرض ملک میں لہرا رہے ہیں۔ اُدھر وسطی عربستان ایک ہم جنس بڑھتی پھولی ہوئی نسل کی جائے پناہ

بنا ہوا ہے۔ جنوبی عربستان کے لوگوں کے خلاف عادت۔ فن تعمیر۔ فنون لطیفہ اور زراعت سے بہت کم رغبت رکھتے ہیں۔ انکی خواہشات صحرا کی طرح بے قانون اور وحشیانہ ہیں۔ وہ چرواہوں اور خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی بے شمار شاخیں ہیں۔ لیکن پانچ قبیلے ممتاز ہیں۔ جزیرہ نما کے وسط میں ربیعہ بستے ہیں جو اہل یمن کے ہم نسب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مغرب میں قریش ہیں، جو مکہ پر قبضہ کئے ہوئے ہیں شمال میں قیس، تمیم اور ہوازن ہیں۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ملک پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو انھیں سب سے پہلے اپنا قبیلہ قریش نظر آتا ہے۔ جن کے حلیف مغربی ساحل کے نصف شمالی حصے پر قابض ہو کر مکہ کو دارالحکومت بنائے ہوئے ہیں۔ اس سے دوسرے درجہ پر وسطی علاقہ کے لئے بیشمار قبائل ہیں جو کسی کے مطیع اور باجگزار نہیں۔ اس کے بعد جنوبی۔ مشرقی اور شمالی قبائل صنعا اور غسان کی قدیم یمنی سلطنتوں کی یادگاریں ہیں۔ حیرہ جو بازنطینوں اور ایرانیوں کی زنجیر غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور جو اپنی رعایا پر بہت کم دبدبہ رکھتے ہیں۔

شہروں کی زندگی قبائلی ہے۔ ہر شخص کی دلچسپی اس کے اپنے قبیلہ پر مرکوز ہے۔ ہر آدمی اپنے شہر کی فلاح و ترقی کا خواہاں ہے۔ شہروں کے نواح میں بدّو ہیں جو مٹی اور پتھر کے مکانوں میں رہ کر گلہ بانوں کی سی ابتدائی زندگی بسر کرتے یا آنے جانے والے قافلوں کی حفاظت کا فرض انجام دیتے ہیں۔

بدّوؤں سے پرے پھیلتے ہوئے صحرا کی ناقابلِ عبور حد ہے۔ جس کی

تمازت کا نقشہ کھینچنے سے قلم قاصر ہے۔ وہاں آسمان کی چمک نظروں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ آسمان پیتل کا بنا ہوا اور زمین لوہے کی معلوم ہوتی ہے وہاں نہ دن کو آرام ہے نہ رات کو نیند۔ جہاں حلق خشک ہو جاتے ہیں اور زبان پیاس کے مارے مُنہ سے نکلی پڑتی ہے جہاں دور کے چشمہ ہائے سراب نگاہ کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور جہاں کوسوں تک ریگ کا لاانتہاہی سمندر موجیں مار رہا ہے

(۵)

حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے تعمیر کئے ہوئے کعبہ میں خدا کی بجائے تین سو ساٹھ بُتوں کی پرستش کی جاتی ہے۔ دوسرے بُت لوگوں کے گھروں میں تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں یعنی "بنات اللہ" کی پرستش کرتے ہیں جو اپنے باپ کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ بعض سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر ہر شخص ستاروں کے اقتدار کا قائل ہے۔ قبائلی صحرا کا تاروں بھرے آسمان کی اطاعت کرنا کوئی حیرت انگیز واقع نہیں ہے۔ فرحت بخش شبنم کے ساتھ نہ صرف زہرہ اپنے پورے حسن وجمال اور کہکشاں مقیش کے کمر بند اور شرمیلے ماہتاب کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ فلک نیم شب کا مکمل جلال خیرگئی چشم اور فرحت روح کا سامان مہیا کر دیتا ہے خاموش صحرا، خیموں اور خرّاٹے بھرتے ہوئے گلوں کے اوپر بلندی پر سے نصف شب کے سواروں اور منتظر کمین گاہوں کو تکنے والے انجم جگ مگ جگ مگ کرتے حرکت کر رہے ہیں۔ ان سے بہت سی باتیں معلوم

ہوتی ہیں۔ وہ صحرا میں جہاں راہ و منزل کا پتہ نہیں ملتا لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ آنے والی بارش کا پتہ دیتے ہیں۔ موسم کے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں اور ماہرین علم نجوم کو ان سے رنج و راحت اور غم و شادمانی کی خبریں ملتی ہیں۔

عربوں کی مذہبی زندگی پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بہت سے مقدس مقام اور بے شمار تقاریب و رسوم ہیں لیکن عقلی تصورات بہت کم۔ قبائل رواج و روایت کے قدیم راستہ پر چلتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھنے کی کوشش بالکل نہیں کرتے کہ وہ کیوں ایسا کرتے ہیں بعض گروہ اب تک اپنے خداؤں اور دیویوں کی خوشنودی کے لئے انسانی قربانی کرتے ہیں اور دیویاں عیسائیوں کی قربانی کو ترجیح دیتی ہیں۔

رومیوں سے اتحاد رکھنے والے عرب عیسائیت کی سطحی صورت پیش کرتے ہیں۔ یہودی قبائل ملک کے مختلف حصّوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جہاں یہودیت اصل و نسل اور زبان و اطوار میں مشابہت کا دعوےٰ کر سکتی ہے وہاں عیسائیت بھی زیادہ دور نہیں۔ آخرالذکر مذہب مقتدر ہمسایوں یعنی اہل روم کا ہے۔ جن کی سلطنت شمال میں واقع ہے۔ اور مغربی سمندر کی پہنائیوں سے پار تک پھیلی ہوئی ہے۔ قانون اور معین اصول اخلاق کے نہ ہونے کے باعث عیسائیت کو عرب ذہنیت میں ایک خاص دلچسپی نظر آتی ہے۔ اگرچہ "دس احکام" موجود ہیں لیکن خوش قسمتی سے ان پر ایک گیارھواں اور زیادہ اہم حکم غالب ہے "اگر تو نے گناہ کیا تو اس کو ظاہر نہ ہونے دے تاکہ تو گناہ کے ثمرات کا لطف اٹھانے کے لئے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکے"

ان تحریص آمیز حالات کے باوجود سرزمین عربستان میں نہ یہودیت قدم جما سکتی ہے نہ عیسائیت۔ زندگی کے متعلق عرب کا مطمح نظر آزادانہ ہے۔ لیکن یہودیت ایک بالکل قنوطی عقیدہ ہے۔ یہ اصول اخلاق یا پیغام اُمید کے ایک منابطہ کی بجائے بددعاؤں کی ایک جگر سوز داستان ہے۔ یہودیوں کے نزدیک خدا ان کی خاص ملکیت ہے۔ یہودی اپنے آپ کو منتخب قوم خیال کرتے ہیں جس میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا۔ لیکن یہ بات کسی جگہ واضح نہیں کی گئی کہ خدا نے یہود کو اپنے خاص بندے کیوں منتخب کیا۔ اور ایسا کرنے کے بعد انہیں اتنی صدیوں تک مستقل عذاب میں کیوں رکھا۔ نہ یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے ان سے اس قدر بے پروائی کا سلوک کیوں کیا۔ یہودیوں کی طرف سے بھی کوئی زیادہ قابل یقین دلائل پیش نہیں کئے گئے۔ جب ایلیاہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پیکر میں ظاہر ہوا کیوں اسکے شایان شان اس کا استقبال نہ کیا گیا؟ اور جب سلومی کی اداؤں کے سارے تیر خالی کر کے اس نے اپنے فوق الانسان ہونے کا ثبوت بھی دے دیا تو کیوں ان سے دعوائے نبوت کو تسلیم نہ کیا گیا؟ مزید براں جب قادر مطلق نے نوع انسان کے گناہ دھونے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے" کو مامور کیا۔ اور اسکے ساتھ تمام متعلقہ قوانین تخلیق کو توڑ دیا تو کیوں یہودیوں نے اُس کی تضحیک کی اور اسے چوروں کے ساتھ سولی پر لٹکا دیا؟ سب سے آخر یہ کہ اس کفر و توہین کے بعد خُدا نے کسی اور جگہ زیادہ شکر گذار لوگوں کی تلاش کیوں نہیں کی؟۔

عیسائیت بھی کوئی معقول منظر پیش نہیں کرتی۔ عیسائی مذہب

میں بے انتہا اختلافات ہیں۔ آسمانی بادشاہت میں شیطنت حکمران ہے۔ شیطان خوش آئند حفاظت کے ساتھ زمین پر اکڑ کر چل پھر رہا ہے۔ تثلیث میں توحید اور توحید کی رنگا رنگی کے متعلق جو اختلافات ہیں ان سے دوسرے درجہ پر وہ اختلافات ہیں جو مسیحؑ کے خطبات نے پیدا کر دئے ہیں۔ یسوع مسیحؑ نے صرف "بیٹا" بننے پر قناعت کی تھی۔ لیکن اُس کے پیرو "باپ" اور "مائیں" بن گئے ہیں۔ علاوہ ازیں بہنوں کے وسیع قبائل بھی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی عیسائیت دنیا کی آبادی کو راہبات بہم پہنچانے کے لئے ہے۔

---

(۶)

حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب بیس سال سے اوپر ہے۔ آپ ملائم طبع۔ طاقتور۔ فہمیدہ۔ راستباز اور مردانگی کا اعلےٰ نمونہ ہیں۔ کئی اقوام کے سوداگروں کے ساتھ بہت سا سفر کر چکے ہیں۔ ذکی الفہم ہیں۔ مختلف اقوام اور ان کے حالات و واقعات کے متعلق آپ کا علم اوسط سے زیادہ ہے۔ لیکن حضورؐ کے دوست معدودے چند ہیں اور ابو طالبؓ کے علاوہ حامی بھی بہت کم۔ آپ کے بعض اطوار و اخلاق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ غیر ملکی ہیں۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی یہ نوبت آئی کہ اپنے قصور کے لئے بہانہ تلاش کیا ہو۔ اسی طرح حضورؐ نے مزاح اور بیہودہ گوئی سے کبھی دل بہلانے کی سعی نہیں کی۔ نہ آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں نہ عورتوں کی جانب رغبت کرتے ہیں۔ لہٰذا مختصراً آپ ایک

اچھے دیانتدار اور پسندیدہ شخص ہیں۔ حضورؐ نے ملکی عہدہ کی طرف کوئی رغبت ظاہر نہیں کی۔ اور مکہ کی علمی اور مجلسی زندگی میں آپ کا حصہ خفیف اور نامعلوم ہے۔

یہ سچ ہے کہ آپ "حلف فضول" یعنی شجاعوں کی ایک انجمن کی روحِ رواں ہیں جسے ایک قدیم سوسائٹی کی یادگار کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ اور جسکے مقاصد کی رُو سے ارکان کو اس بات کا حلف اٹھانا پڑتا ہے کہ وہ کسی اہلِ مکہ یا اجنبی کے ساتھ مکہ میں کسی قسم کی بے انصافی یا بُرا سلوک نہ ہونے دینگے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو بے انصافی کرنے والے سے مظلوم کو معاوضہ دلائینگے سوسائٹی کا خاص تعلق بیواؤں۔ یتیموں۔ مفلسوں اور محتاجوں سے ہے لیکن ایسی سوسائٹیاں دنیا کے تمام حصوں میں وقتاً فوقتاً قائم ہوتی رہی ہیں اور اہلِ مکہ حلف الفضول کے بانی کی جواں مردانہ سرگرمیوں کو دلچسپی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ثروت دنیوی میں آپ کا کوئی نمایاں حصہ ہے۔ نسل کے لحاظ سے عرب غریب ہیں اور ان میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غریب تر ہیں۔ اسلئے تونگری اور طاقت کے اس عام معیار کے مطابق جو اردگرد کی دنیا میں قابلِ تسلیم ہے۔ ابوطالبؓ کا بھتیجا محض ایک معمولی ساربان ہے۔

اسی زمانہ میں مکہ کے اندر ایک بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ رہتی ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان کا خاوند کافی جائیداد اور بہت بڑا تجارتی کاروبار چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ تجارتی کاروبار صحرا پار دور افتادہ شہر کے طویل سفر کا محتاج ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو ابوطالبؓ کے نوجوان بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰؐ

صلعم کا حال معلوم ہوتا ہے وہ سنتی ہیں کہ انھوں نے "امین" کا لقب حاصل کر رکھا ہے وہ حضورؐ کو بلا بھیجتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ ۳۵۔۴۰ سال کے درمیان عمر رکھنے والی ایک تندرست و توانا خاتون ہیں جن کا قد چھوٹا۔ چہرہ گول اور پیشانی کشادہ ہے۔ ان کے نرم ہاتھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقۂ اُمراء سے تعلق رکھتی ہیں حضرت خدیجہؓ بھی قریش کے معزز قبیلہ سے متعلق ہیں اور یہ سنکر خوش ہوتی ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم انکے قرابت دار ہیں۔ گو ان کی قرابت دور کی ہے۔ حضرت خدیجہؓ حضور پُر نور صلعم کی وضع کو پسند فرماتی ہیں کیونکہ حضورؐ کا طرزِ گفتگو نہایت شائستہ ہے۔

خاتون موصوفہ خوشی کے ساتھ حضرت کی خدمات بطورِ منتظم حاصل کرتی ہیں۔ کیونکہ حضورؐ کی نگاہوں سے ذہانت اور راستبازی ٹپکتی ہے۔ آپ اس خاتون کی ملازمت بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ جنھوں نے آپکی آؤ بھگت بڑی شان سے کی ہے اور جن کی ملازمت میں قابلیّت دکھانے اور کافی انعام حاصل کرنے کے مواقع ہیں۔

حضورؐ بڑی توقعات کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا کام شروع کر دیتے ہیں اور یہ توقعات بے بنیاد بھی نہیں۔ کیونکہ آپ تجارتی مرکزوں میں ابو طالب کے گماشتہ کی حیثیت سے خوب مشہور ہیں اور تاجر لوگ وقتاً فوقتاً تازہ سامان تجارت کے ساتھ آپکی واپسی کے منتظر رہتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے کاروبار کے سلسلہ میں حضورؐ کو شام کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ مکہ سے باہر نکل کر حضور شام کی شاہراہ کارواں پر پہنچتے ہیں اور راستہ

ہیں یثرب سے گذرتے ہیں۔ جو عربستان کے شہروں میں اہم ترین اور مکہ سے دوسرے درجہ کا شہر ہے آپ دیکھتے ہیں کہ یہ پُر رونق شہر ۲۵ ہزار نفوس کی آبادی پر مشتمل ہے۔ یہاں پانی اور نخلستانوں کی افراط ہے اور باشندے زیادہ تر یمن کے زرخیز علاقہ جنوبی سے آئے ہوئے ہیں۔ یثرب سے پٹرا تک کا راستہ کافی دلچسپ ہے۔ جا بجا ریت کے بند، کنکر اور سنگریزے نمک کے کھلیچے اور آب شور کے جوہڑ ہیں جہاں صرف اونٹ پانی پی سکتے ہیں۔ کہیں کہیں چشموں اور کنوؤں کے ارد گرد زرخیز زمین کے قطعات ہیں جو چھوٹی چھوٹی زراعت پیشہ آبادیوں کی زندگی کا سہارا ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں رہتے ہیں جو چار دیواری سے محصور ہیں۔ کیونکہ خانہ بدوش بدّو غیر محفوظ بستیوں پر حملہ کرکے ان کے مواشی۔ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں چھین لے جاتے ہیں۔

پٹرا میں داخل ہونے سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم غربی نجد کے مرتفع خطہ ہائے زمین سے گزرتے ہیں۔ یہ پہاڑیاں صحرا کے اوپر منتشر اور بے قاعدہ صورت میں واقع ہیں۔ اور ان میں سے بعض بڑی بلندی تک پہنچتی ہیں۔ بہر حال انکے آگے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی کیونکہ انکے ٹیلوں اور پہاڑوں کو وسیع درّے علیحدہ کرتے ہیں جن میں سے کارواں کا راستہ گذر جاتا ہے۔

پٹرا شمالی نجد کے سرے پر واقع ہے۔ یہ مقام موج در موج بلوا پتھر کی وسیع پہنائی پر مشتمل ہے جو جزیرہ نمائے عرب کی جغرافی تفاصیل کا اہم جز ہے ان میدانوں کے پار حیفا۔ یوروشلم اور دمشق کے زرخیز علاقے واقع ہیں۔

راستہ کے تمام مقامات۔ یثرب۔ پیٹرا۔ کف اور اثرا کے دیہات نمک سے لے کر دمشق تک میں حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سامان تجارت فروخت کرتے ہیں۔ آپ بڑے منافع پر سودے کرتے ہیں۔ اور طویل مسافرت کے بعد اپنی مالکہ کے لئے کثیر نفع حاصل کرکے واپس آتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ اس عرصہ میں حضورؐ کی واپسی کے لئے چشم براہ رہی ہیں۔ انکا نوکر میسترہ جو حضورؐ کے ہمراہ ہے اُنکے نئے گماشتہ کی کامیابیوں کے متعلق اطلاع بھیجتا ہے۔ حضورؐ کی ملاقات نے حضرت خدیجہؓ کے دل پر گہرا اثر کیا ہے اور انھیں حضورؐ سے محبت ہوگئی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک عورت کوئی اہم چیز نہ تھی آپ اپنے عہد کی زندگی اور واقعات کے مطالعہ میں بہت محو تھے! اور تجارت نے آپکی توجہ کو ضرورت سے زیادہ اپنی طرف منجذب کر رکھا تھا۔ عالم نسواں سے آپکی بے توجہی اسلئے نہ تھی کہ آپ زنانہ حسن کی تصور آفرین قوت سے بے خبر تھے بلکہ محض اسلئے کہ آپ نے طبقہ نسواں کی طرف اپنے ہم عمروں کی طرح توجہ ہی نہ کی تھی۔ حضورؐ کی عمر اب پچیس سال کی ہے اور آپ کو ذاتی طور پر دنیا کے معاملات کا علم حاصل ہو چکا ہے آپ نے اپنے فہم و ادراک کو مبادلۂ تجارت اور سوپیہ کی جنگ میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ آپ نہ تصنع پسند ہیں! ورنہ مغرور۔ آپ ایک نرم دل ہمدرد انسان ہیں اور غرباء و مساکین سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اور یہ امر غیر متوقع ہے کہ آپ جیسی فطرت کا آدمی شادی کی مشقتوں سے بچ سکے۔

حضرت خدیجہؓ دولتمند ہیں۔ لیکن حضورؐ کے نزدیک صرف دولت خوبی کا کوئی معیار نہیں۔ عبدالمطلبؓ کے پوتے۔ ایک کامیاب تاجر۔ ایک خوبصورت آدمی۔ ایک مسلمہ صداقت کے حامل ہونے کی حیثیت میں حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ امر مشکل نہیں کہ وہ اپنی قوم کی سب سے زیادہ مالدار اور حسین ترین لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کرلیں۔ اسکے برعکس حضرت خدیجہؓ ایک بیوہ خاتون ہیں۔ جن کی جوانی ڈھل چکی ہے بلکہ ملک کے معیار کے مطابق یوں کہئے کہ وہ آپ سے بہت زیادہ عمر کی ہیں۔

لیکن حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت خدیجہؓ کے نیک اطوار۔ انکی گفتگو اور ان کے اس اعتماد کو پسند کرتے ہیں جو آپ کے متعلق انکے دل میں جاگزیں ہے ایک ایسے شخص کے لئے جو زندگی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا ہو جسمانی دلکشی کی نسبت ہمدردی اور خوش اعتقادی زیادہ قابل اعتبار ہوتی ہے ۔ ایک نوجوان بیوی بیحد توجہ کی محتاج ہے لیکن پختہ سال عمر کی عورت زندگی کو خوب سمجھتی ہے اور لباس و آرائش کی غیر پائیدار ضروریات کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتی ۔ وہ اکثر اپنے نوجوان خاوند کی فرمانبردار خادمہ بن کر رہتی ہے ۔ اور ایسی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ جو زندگی کی جدوجہد میں خاوند کی مدد کرے۔

یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ دونو میں پہلے کس نے شادی کے متعلق سلسلہ جنبانی کی۔ بہرحال عام روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ایک شخص کے وسیلہ سے پیغام بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کرلیا۔

شادی کی تقریب بڑی شان سے منائی جاتی ہے قریش کے بڑے بڑے سردار موجود ہیں۔ ابوطالبؓ کعبے کے متولی ہونے کی حیثیت سے نکاح پڑھاتے ہیں خطبہ نکاح یہ تھا "قابل ستائش ہے وہ خدا جس نے ہمیں ابراہیم اور اسماعیل کی نسل سے پیدا کیا۔ تعریف اسی خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں یہ مقدس سرزمین عطا فرمائی۔ حرم کا نگہبان اور انسانوں کا منصف بنایا۔ امّا بعد محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا بھتیجا ہے اور عبداللہ کا بیٹا ہے۔ اگرچہ اسکے پاس مال زیادہ نہیں لیکن اپنی خوبصورتی۔ خوش سیرتی۔ ذکاوت اور بلند حوصلگی کے لحاظ سے ہمارے تمام قبیلہ پر سبقت لے گیا ہے۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا بھتیجا خدیجہؓ کو چاہتا ہے اور خدیجہؓ اُسے۔ اس لئے میں ان کو خاوند اور بیوی کے طور پر متحد کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ تقریب عروسی کے تمام اخراجات اور مہروغیرہ میرے ذمّہ ہونگے"

حضرت خدیجہؓ کے لواحقین کہتے ہیں کہ وہ بیس اونٹ مہر پر مطمئن ہو جائیں گی۔ ابو طالبؓ فوراً بیس اونٹ دے دیتے ہیں۔ صدائے دف اور موسیقی پر یہ رسم ختم ہوتی ہے۔ مہمان پُرتکلف ضیافت کھانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور تقریب بہت رات تک جاری رہتی ہے۔

دوسرا باب

پیغمبر

حضرت خدیجہؓ سے حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئے پندرہ موسم سرما و گرما گذر چکے ہیں۔ پندرہ گرمیاں جبکہ عربستان ایک ارضی جہنم بن جاتا ہے۔ اور ریگ آمیز ہوائیں گرمیٔ شعلہ کی طرح ہر ذی روح کو جھلس دیتی ہیں۔ پندرہ سردیاں جن کی سرد ہوائیں شمال مغرب سے آتی ہیں پندرہ دفعہ نخلستانوں پر بہار آچکی ہے۔ اور جنوبی ہواؤں نے صحرا کے خشک حلق کی پیاس بجھائی ہے۔

حضرت خدیجہؓ اب ۵۵ سال کی ہیں یعنی ان کی زندگی شام ہو چکی ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اب ۲۵ یا ۴۰ سال کے نوجوان نہیں رہے آپ اب بچوں کے باپ ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کے ہاں چار لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا ہو چکے ہیں۔ پہلے فرزند قاسم جس کی رعایت سے حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالقاسم کہا کرتی ہیں۔ اسکے بعد زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم اور فاطمہ تولد ہوئیں۔ ان کے بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا۔ جو زندہ نہ رہا۔

شادی نے حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو غنی کر دیا۔ لیکن اس سے آپ مغرور نہ ہوئے۔ اب فرق صرف اتنا تھا کہ کسب معاش کی مشقتوں سے آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اسی قسم کے اکثر ازدواجی تعلقات کے نتائج کے برعکس آپ ابھی تک اُن حقوق و فرائض کی پابندی کر رہے ہیں جو اُن پر شوہر کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ کی جائیداد میں اندرونی رخنے پیدا نہیں کئے۔ ثروت نے آپ کی فطرت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آپ دل سے ابھی تک ایک غریب آدمی ہیں جن کی اہلیہ امیر ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی دولت نے آپ کے لئے صرف دو عقدے حل کئے ہیں۔ یعنی روزانہ خوراک اور پوشش اور یہ دو نو چیزیں بہت سادہ ہیں۔ لیکن آپ کے دوستوں اور ان اشخاص کو بہت فائدہ پہنچا ہے جو ضرورت کے وقت اعانت طلبی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ خود ان کی امداد نہیں کر سکتے البتہ حضرت خدیجہؓ کے پاس انکی سفارش کر دیتے ہیں۔ حضرت خُدیجہؓ بھی فراخ دل ہیں۔ محتاجوں کی اعانت کرنا پسند کرتی ہیں اور اس طرح حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور حضرت خُدیجہؓ نمائش کے بغیر بہت سے گھروں کو مسرت سے آشنا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن گذشتہ پندرہ سال کے اندر حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے زمانہ کی معاشرتی تجاویز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

حضرت نبی کریم صلعم کے متعلق دیکھا جاتا ہے کہ آپ پہلے سے زیادہ تنہائی پسند ہو گئے ہیں۔ آپ کے دوست بہت کم ہیں اور بہت دیر کے بعد ملتے ہیں آپ زیادہ خاموش اور تنہائی پسند

ہوتے جا رہے ہیں۔ کیا آپ زندگی سے تنگ آ چکے ہیں یا قسمت سے مایوس ہو چکے ہیں؟......... آپ دیر تک کسی مقصد کے بغیر پہاڑیوں میں کیوں گھومتے رہتے ہیں، گھر سے باہر جو وقت گذرتا ہے وہ کن مشاغل میں بسر ہوتا ہے؟

---

(۲)

پندرہ سال کے عرصہ میں دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

رومی سلطنت کے مشرقی اور مغربی حصوں میں زوال کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ بہت سے ناسور سلطنت کی زحمیت جان کنی کو زیادہ کر رہے ہیں لیکن بازنطینی صناعوں کا کمال فن ابھی تک سکتی اور پونٹس کی شمشیروں کو جلا دے رہا ہے اسلحہ خانہ میں بہ افراط اسلحہ جمع ہیں۔ جہازوں اور قلعہ بندیوں کو سکون نصیب نہیں۔ فوجی تربیت گاہوں میں فن صف آرائی۔ ترتیب۔ ارتقا اور حربی حیلہ بازی کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن سلطنت آدمی پیدا نہیں کر سکتی جو اسلحہ جنگ کو استعمال میں لائیں۔ فصیلوں کی حفاظت کریں۔ جہازوں کو چلائیں یا جنگی نظریوں سے عملی طور پر فتوحات حاصل کریں۔ جب سے جسٹینین[1] نے ایک طوائف کو اپنے ساتھ تخت قیصری پر بٹھالیا ہے۔ اس وقت سے ایشیا اور یورپ کے کیمپوں میں مسلسل طور پر پُرجوش بغاوتیں شروع ہیں۔ کیمپ میں قیصر کا حکم فیصلہ کن اور

---

[1] مشہور قیصر روم جس کا زمانہ اہم واقعات کیلئے شہرت رکھتا ہے۔ مترجم

قطعی ہونا چاہیئے۔ لیکن کیمپ ہی وہ مقام ہے جہاں اسکے حکم سے سرتابی اور بے پروائی کی جاتی ہے سپاہیوں نے اپنے لرزتے ہوئے جرنیلوں کو ملامت کی ہے۔ قیصر کے مجسموں کو الٹ دیا گیا ہے۔ اور مسیح مصلوب کے بتوں پر پتھر پھینکے گئے ہیں۔ یہ المناک نظارہ شہنشاہ ماریس اور اسکے بیٹے کے قتل پر ختم ہوا۔ ان کی نعشیں سمندر میں پھینک دی گئی اور عوام کی خوشنودی کیلئے انکے سروں کی نمائش کی گئی۔ چند سال تک خوکس نے مشرقی سلطنت کی حکمرانی کی۔ یہ ایک پست قد آدمی تھا جس کے ابرو ناہموار۔ بال سُرخ اور ٹھوڑی بے ریش تھی۔ قانون۔ نوشت وخواند بلکہ اسلحہ جنگ تک سے نابلد تھا۔ مزاج وحشیانہ رکھتا تھا۔ تکلیف سے بہ آسانی مشتعل۔ خوف سے فوراً بیدل اور ملامت ومقابلہ سے جلد نرم ہوجاتا تھا اس نے اپنے عہد حکومت شہوت پرستی اور میخواری میں گذارا۔ حتےٰ کہ اسے اپنی بداعتدالیوں کی سزا بھگتنی پڑی۔ تاج وخلعت شاہی سے محروم اور ادنےٰ لباس میں ملبوس کرکے اور بیڑیاں پہنا کے اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ مردوں اور عورتوں کے مجمع کے سامنے جو اس پر لعنتیں برسا رہا تھا اور اس کا مضحکہ اُڑا رہا تھا خوکس کا سر تن سے جُدا کر دیا گیا۔ اور جسم کو آگ کے ایک الاؤ کی نذر کر دیا گیا۔ اسکے بعد تخت قیصر پر ہرقلیوسؔ[1] بیٹھا۔ مغربی سلطنت میں بھی آفتاب روم غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ البتہ اس کی عظمت رفتہ کی ضیائے شام ابھی تک دنیا پر چمک رہی ہے۔ وسیع سلطنت جسے جسٹینین نے متحد کیا تھا

---

[1] عرب مؤرخ اسے ہرقل لکھتے ہیں۔ اسی کے عہد میں سلطنت روم کے ایشیائی مقبوضات عربوں کے قبضے میں آئے۔ مترجم۔

اور جو اسکے دم سے بڑھتی اور پھیلتی گئی تھی تباہ و برباد ہو گئی ہے لمبارڈی[1] والوں نے اکثر اطالوی مقبوضات واپس لے لئے ہیں۔ ادار اور سلا جو ڈینیوب سے بحیرۂ ایڈریاٹک تک قبضہ کر چکے ہیں۔ درمیانی علاقہ کو طوفان کی طرح بہالے گئے ہیں۔

ایران میں خسرو دوم اپنے دادا خسرو اوّل کی شاندار مہم کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسکی فوجیں کلدان پر پہنچ گئی ہیں۔ اور دمشق و یورو شلم کو تباہ کرنے کی دھمکی دے رہی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ یثرب مکہ اور صنعا تک نہیں پہنچ جائیگا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کو اندرونی لڑائیوں۔ برادری کے جھگڑوں اور قبائلی عناد کا شکار پاتے ہیں۔ جس قوم سے آپ محبت کرتے ہیں وہ جہالت بیہودگی اور توہم پرستی کے گڑھے میں گری ہوئی ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام صفات۔ شجاعت۔ دلیری کے باوجود بے آئین بیرحم اور وحشی ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں نہ کوئی مرکزی اقتدار ہے نہ قومیت اور نہ قانون وانصاف۔ البتہ قبائلی حُبُّ الوطنی موجود ہے۔ یہ ایک اچھی چیز ہے لیکن اس کا استعمال بھی حد سے زیادہ غلط طریقہ پر کیا جارہا ہے۔ مختصر یہ کہ معمولی اختلافات نے دلوں پر گہرے زخم ڈال دئے ہیں اور ملک کے جسم کو ان لڑائیوں نے جو انتقام خون کی خاطر لڑی جاتی ہیں دل نگار کر رکھا ہے۔ کعبہ کی تعمیر نصرت حق کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن کائنات کے خالق اکبر کا خیال دلوں سے محو ہو رہا ہے۔ کائنات کو ہزاروں

---

[1] جس علاقے کو آج اطالیہ کہتے ہیں وہ کسی زمانے میں لمبارڈی کہلاتا تھا۔ مترجم

بتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے لوگوں کی مجلسی زندگی ابتدائی مدارج پر ہے اور اکثر حیثیتوں سے قابل نفرت ہے۔ طفل کشی حد سے زیادہ ہے عورتیں حیوانوں سے بہتر نہیں انکا بڑا کام شہوانی جذبات کو مطمئن کرنا ہے وفاداری یا حق خصوصی کے خیالات مفقود ہیں۔

کیا عربستان اور اسکے باشندے متحد ہو سکتے ہیں اور وحشیانہ افعال سے باز رکھے جا سکتے ہیں؟ حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے افق مذہبی کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہودیوں کے عقائد میں اکثر ایسی چیزیں ہیں جو آپکو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ آپ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے مقاصد پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن یہودیت عملی طور پر یہودیوں کی خود ستائی کی مظہر ہے۔ بعض باتوں میں دو دوسرے مذہب یعنی مانوی اور زرتشتی جو کم اہمیت رکھتے ہیں بہت کچھ قابل ستائش ہیں۔ زرتشتی، بت پرستی نہیں کرتے۔ انکے خدا صرف دو ہیں ایک ارمزد جو سچا اور فیاض ہے اور دوسرا اہرمن جو خفیہ منصوبے باندھنے والا، حیلہ باز اور چالاک ہے۔ مذہب کا مرکزی جزو مقدس آگ ہے لیکن اس مذہب کے عملی پہلو پر دینی مقتدا چھائے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں زرتشت کے عہد حیات کو بہت طویل عرصہ گذر چکا ہے اور اسلئے لوگ واضح طور پر نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ مانی کا مذہب اس سے ایک ہزار برس بعد کا ہے۔ مانی نے اپنے کو زرتشتی خداؤں کا پابند نہیں رکھا۔ لیکن انھوں نے اس کے نقاشی میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ اور انکے گرد مانی نے ایک قابل تسلیم خدائی حکومت کا خاکہ کھینچ دیا۔ اس نے بالکل مقبولیت کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ کسی نئی چیز کا مدعی نہیں۔ بلکہ صرف گذشتہ نبیوں

کے استقام اور اُنکے مذاہب کی پیچیدگیوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مانی کی پیروی کرنے کے لئے معمولی سے زیادہ ذہانت کی ضرورت ہے اس لئے مذہب زرتشت کی طرح مذہب مانوی کو بھی ان مذاہب کی فہرست سے قلم زن کر دینا چاہیئے جو عربی قبائل کے لئے موزوں ہو سکیں۔

وہ مذہب جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سکھایا اور جس کی تشریح انکے قریبی حواریوں نے شرافت انسانی کو بہت قابل تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ عیسائیت کا پیغام پامال اقوام کے لئے ضرور قابلِ اعتماد ہے یہ نوع انسان میں اخوت اور مساوات پیدا کرنے کی مدعی ہے۔ بعض سابقہ تصورات سے مقابلہ کیا جائے تو اس کی آسمانی بادشاہت کچھ پردہ راز میں پنہاں نہیں۔ اور اس مذہب میں داخل ہو کر انسان قبل از وقت اپنی جگہ مخصوص کر لیتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو زمانہ قدیم کے پُراسرار عقائد سے روگرداں ہو رہے تھے یا بُت پرستی کی قباحتوں سے گریز کرتے تھے ابتدائی عہد کی عیسائیت نے تسکین کی صورت پیدا کر دی لیکن یسوع مسیح کے مذہبی اقتدار کے قبل از وقت تعطل اور کسی نشو پذیر آئین کے نہ ہونے کے باعث نہ صرف مسیح کی تعلیم بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق نئے نئے مباحث کے موضوع پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عیسائیوں کے مختلف گروہوں نے اصولی طور پر مختلف عقائد اختیار کر لئے۔ اس طرح صحیح وجدان کے نزدیک باپ اور بیٹے کا تصور اُس انسان کے تصور سے بالکل علیحدہ ہے جو مسیح کے نام سے موسوم ہے۔ یا یہ یسوع جوہر اعلےٰ کا جز و تھا۔ جو شیطان کو تباہ کرنے کے لئے آیا۔ یا یہ کہ باپ بیٹا اور روح القدس میں کوئی حقیقی فرق موجود نہیں۔ یا یہ کہ یسوع محض

ایک انسان تھا اور صرف ایک خاص طاقت نے جو باپ سے نکل کر اس انسان یعنی مسیح میں آگئی تھی. اسے خدا کا بیٹا بنا دیا. یا یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خود روح القدس ہیں یا یہ کہ آپ وہ روح نہیں ہیں وغیرہ۔

یہ امر چنداں حیرت انگیز نہیں کہ ان بے شمار نظریات نے سخت اختلافات پیدا کر دئے۔ حضور آقائے نامدار صلعم خدا کے دین کو ہزارہا اختلافات میں منقسم ہوتا دیکھتے ہیں۔ ہر طرف ایک سچے دین کو حاصل کرنے کے لئے شورش برپا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی محبت. فیاضی. امن پسندی اور خوش اعتمادی۔ فساد. قتل و خون اور غیظ و غضب کی صورت میں پیش کی جا رہی ہے. تھیوڈورا[1] کی "پاک" سرگرمیوں کے ماتحت انھیں گلیوں میں جہاں وہ کبھی عصمت فروشی کرتی تھی. عیسائی خون کی ندیاں بہ رہی ہیں. اسکندریہ میں پاکدامن ہائی پیٹیا[2] کو عیسائیت کے سرگرم معتقدین نے اغوا کر کے ذبح کر دیا ہے اور اس شیطان سیرت کو جس نے اس وحشیانہ فعل کی ترغیب دی۔ مذہب کا ایک مقدس پیشوا تسلیم کر لیا گیا ہے۔

---

(۲۲)

اس واقعہ کو پندرہ سال گذر گئے ہیں جبکہ قریش سرداروں نے

---

[1] روم کی ایک سفاک ملکہ جو ایک زمانہ میں ادنیٰ طوائف تھی۔ مترجم [2] ہائی پیٹیا سکندریہ کی ایک حسین یہودیہ خاتون تھی جو اپنی نیکی پرہیزگاری اور زہد و تقاء کے باعث نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی سارٹل نے جو اسکندریہ کا حاکم تھا اسے نہایت وحشیانہ طریق پر قتل کر دیا تھا۔ مترجم

عبدالمطلبؓ کے پوتے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ذی ثروت بیوہ حضرت خدیجہؓ سے رچائی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر اب چالیس سالیس سے زیادہ ہو گئی ہے۔ خاوند اور باپ کی حیثیتوں کے سوا آپ کی باقی حیثیتوں اور اس زمانے کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اس عہد کے متعلق آپ کا ذکر کسی روایت کسی کہانی میں شامل ہو لیکن صرف ایک مصدقہ واقعہ ہم تک پہنچا ہے جو شہری اہمیت رکھتا ہے۔

جب اسلو کی جھنکار کے بعد امن قائم ہوا تو قریش نے اپنے قبیلہ کی تازہ فتح کی یادگار قائم کرنی چاہی۔ انھیں رزم وپیکار کی اس سے موزوں یادگار کوئی نظر نہ آئی کہ مقدس کعبہ کی عمارت کو زیادہ وسیع اور شاندار صورت میں تعمیر کریں۔ چنانچہ معبد کو گرا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ جب عمارت بن چکی اور سنگ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو اس بات پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ کہ اس مقدس چیز کو کونسا قبیلہ اٹھائے۔ طویل بحث کے بعد اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جو شخص کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو اس کا فیصلہ تسلیم کیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ سب سے پہلے اندر جانے والے حضور نبی کریم صلی اللہ وسلم تھے۔ آپ سے جب ثالث بننے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فیصلہ کیا کہ پتھر کو ایک بڑے قالین کے وسط میں رکھا جائے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی قالین کے اٹھانے میں شریک ہو۔ چنانچہ اسی طریق پر عمل کیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنگ اسود کو اپنے ہاتھوں سے اصلی جگہ پر ٹکا دیا۔

اس واحد واقعہ اور نواحی پہاڑیوں میں آپ کے گھومنے پھرنے کے سوا ان سالوں کے متعلق آپ کی داستان زندگی ایک ایسے معمے کی طرح ہے جس کا نصف حصہ گم ہوگیا ہو۔ آپ اکثر گہرے خیالات میں کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور روز بروز زیادہ خلوت پسند ہوتے جاتے ہیں ان دھندلی پہاڑیوں اور چٹانوں میں جہاں نہ درختوں کا سایہ موجود ہے کہ اس میں پھول نہ کھل سکیں اور نہ آب رواں کی آواز سے دل مسرور ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلعم گہری سوچ میں پھرتے رہتے ہیں یہاں انھیں القا ہوتا ہے کہ مذاہب جو آج تک ظاہر ہوئے ہیں۔ مجلسی آئین جو آج تک مرتب کئے گئے ہیں اور اس عہد میں جو تہذیب رائج ہے سب فرسودہ ہو چکے ہیں۔ آپ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ آپکی قوم کو ایسے خالص تر دین کی ضرورت ہے جو باسانی قبول کیا جاسکے۔ جو قوم کی اعلےٰ صلاحیتوں کو زندہ کردے۔ اپنی خوبئ آئین سے اسے قابو میں لاسکے اور اپنے شاندار نظریات سے متحیر کردے۔ آپ کے مقصد حیات کی ابتدار بتدریج خود بخود ہونے لگتی ہے اور آپ کے شبہات کی تصدیق غیر متوقع طور پر ہوجاتی ہے۔

---

(۴)

موسم بہار کی صبح کاذب کا وقت ہے۔ شمال مشرق سے سرد ہوا آرہی ہے ستارے خواب آگین انداز میں جھلملا رہے ہیں اور پھیکی نیلگوں صبح مشرق سے نمودار ہو رہی ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر سے دوڑ کر اتر رہے ہیں۔ حلقۂ افق میں مکہ واقع ہے۔ اس کی

مربع اور مسطح چھتیں اب نظر آنے لگ گئی ہیں۔ کبھی کبھی بانگِ خروش سنائی دیتی ہے۔ جو دنیا کو نئے دن کا مژدہ سناتی ہے۔ کعبہ کے نزدیک ایک سادہ مکان میں حضرت خدیجہؓ اپنے بچوں کے درمیان سو رہی ہیں ایک کونے میں مدھم روشنی جل رہی ہے۔ سونے والوں اور روشنی کے درمیان ایک چادر تن رہی ہے تاکہ آنکھوں کی حفاظت ہو سکے۔

یکایک دروازہ سے پائے گریزاں کی صدا آتی ہے اور کوئی شخص دستک دیتا ہے

"مَنْ ھٰذا" حضرت خدیجہؓ ذرا گھبراہٹ کے ساتھ پوچھتی ہیں۔

"میں ابوالقاسم ہوں۔ جلدی دروازہ کھولو"

حضرت خدیجہؓ سرعت کے ساتھ بستر سے اُٹھ کر دروازہ کھولتی ہیں۔ شور سے بچے جاگ کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور حیران نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھاگ کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ آپ کے بال پریشان ہیں نگاہوں سے گھبراہٹ ٹپکتی ہے۔ اور مُنہ خشک ہو رہا ہے۔

"ابوالقاسم کیا معاملہ ہے؟"

حضرت ایک لمحہ کے لئے خاموش رہتے ہیں اور پھر بے دم ہو کر فرماتے ہیں۔ "میں بتا نہیں سکتا"

"لیکن کیوں ابوالقاسم۔ آج رات کیا ہو گیا ہے؟"

حضرت خدیجہؓ کے وعدہ کر لینے پر کہ وہ غور سے سنیں گی۔ حضورؐ اپنی داستان سنانے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ آپ کو دوسرے کمرے میں لے جاتی ہیں تاکہ بچے نہ سن سکیں اور وہاں جا کر پھر آپ کی نگاہوں سے گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوتے

ہیں اور سانس پھول جاتا ہے۔

" آج شب دوسری رات ہے کہ جبلِ حرا پر ہر چیز پُرسکوں معلوم ہوتی تھی لیکن انجم معمول سے ذرا زیادہ روشن نظر آتے تھے۔ میں نماز پڑھنے کے بعد کمبل اوڑھ کر سو گیا۔ آدھی رات سے زیادہ نہ ہوئی ہو گی کہ ایک گرج کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ایک بڑا سیاہ بادل میرے سر پر تھا جو مکہ تک چھا رہا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک زبردست طاقت نے مجھے اوپر اٹھا لیا ہے۔ دفعتاً ملک جبرئیل چند فرشتوں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک نے آسمان تاریک کو چیر دیا۔ میں نے دو دفعہ سنا کہ ایک آواز مجھے پکار رہی ہے۔ میں نے جواب دینا چاہا لیکن منہ نہ کھول سکا۔ تیسری دفعہ آواز آئی "اقراء" (پڑھو) میں نے کہا "کیا"۔ جواب ملا "اپنے رب کے نام کو" میں نے پھر جو کہا کہ میں پکار نہیں سکتا۔ حضرت جبرئیل نے مسکرا کر چوتھی دفعہ مجھے پکارنے کی ہدایت کی۔ اور کہا اقراء باسم ربک الذی خلق ۵ خلق الانسان من علق۔ اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان ما لم یعلم۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا مخلوق کو۔ انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ اپنے خدا کے نام پر پڑھ۔ جو کریم ہے جس نے آدمی کو قلم کے ذریعے سکھایا انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔

"اچھا اور اس کے بعد"؟

" پھر جلال ایزدی کی نمائش۔ بجلی۔ گرج اور اسکے بعد تاریکی۔ خدیجہؓ میں خواب نہیں دیکھ رہا تھا ورنہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں"؟

" ابوالقاسم اللہ آپ کو اس قدر محبت کرتا ہے۔ کہ آپ سے مذاق نہیں

کر سکتا۔ اسے آپ کو تکلیف پہنچانے کی کیا ضرورت ہے ؟ آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے۔ اپنے وعدے پورے کرتے ہیں۔ مہربان اور فیاض ہیں۔ معاملات میں دیانت دار ہیں۔ باحیا اور پاکباز ہیں۔ اے میرے خاوند مجھے یقین ہے کہ ہمیں خوشی حاصل ہوگی۔ ہمیں مسرور ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آپ کو کسی بڑے کام کے لئے منتخب کر لیا ہے۔"

اسی روز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کئے بغیر حضرت خدیجہؓ اپنے بوڑھے نابینا چچازاد بھائی ورقہ کے پاس جاتی ہیں۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں کا علم رکھتا ہے۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کی بات سن کر حد سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اُس کے جھریوں بھرے چہرے پر تبسم نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ پکار اٹھتا ہے۔ "قدوسٌ! قدوسٌ! ھٰذا ناموس الاکبر۔ یہ وہ کشف ہے جو حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ پر ہوا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہدو کہ وہ حوصلہ رکھے اور خوش ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی قوم میں نبی ہوگا۔

حضرت خدیجہؓ مسرت بیکراں کے عالم میں گھر آتی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبر سناتی ہیں۔ آپ کہتی ہیں "ابوالقاسم مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ جبل حرا پر آپ کا مکاشفہ کسی دماغی فتور کے باعث نہ تھا۔ اب میں قائل ہوگئی ہوں کہ خدا نے آپ کو ہماری قوم کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ"

(۵)

اگرچہ حضرت خدیجہؓ اور ورقہ نے مکاشفہ پر فوراً یقین کر لیا ہے لیکن خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک مکاشفہ کے علاوہ بھی اپنی بعثت کا اور ثبوت چاہتے ہیں۔ بہرحال اور مکاشفات میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی۔ جبرئیلؑ امین کو آپ کی تعلیم پر مامور کیا جاتا ہے۔ اور وہ حضورؐ کو اکثر جبل حرا پر ملتے ہیں۔ حضور عام طور پر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ یا دشوار ساعات عبادت کے بعد آرام فرماتے ہیں۔

دوسری شب حضرت جبرئیلؑ یوں مخاطب ہوتے ہیں: "اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ۔ اپنے رب کی بڑائیاں بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو صاف کر اور نجاست سے الگ رہ۔ دنیوی منافعوں کی خواہش نہ کر اور خدا کے احکام کا انتظار کر۔ وہ منبع قہر اور منبع رحم ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر جبرئیلؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ راتوں کو عرصہ تک بیدار رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اُن سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔ نیز جبرئیلؑ آپ کو تمام دوسرے خداؤں کو چھوڑنے اور صرف ایک خدا کو یاد رکھنے اور اس کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ "ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ" جو نیکی بھی اپنے لئے پہلے سے بھیجی جائے۔ اسے چل کر اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ علاوہ ازیں اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ وہ عفو چاہیں کیونکہ خدا آمرزگار اور رحیم ہے۔"

دوسرے مواقع پر دیگر پاک ہدایات آپ پر واضح کی جاتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ ان آدمیوں سے ——— نفرت کرتا ہے جو کم وزن اور کم پیمانوں سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ جو وعدوں اور معاہدوں کو توڑ دیتے ہیں۔ جو یتیموں اور بیواؤں کی جائیداد میں خیانت کرتے ہیں۔ اور جو مذہب کی توہین کرتے ہیں۔ خدا اُن آدمیوں سے خوش ہوتا ہے جو غلاموں کو آزادی بخشتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور یتیموں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں۔ نیز آپ پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کو جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہے انعام ملے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر نیکی اور بدی کے موازنہ میں نیکی کا پلڑا بھاری رہے تو اس شخص کے لئے اگلے جہان میں اس کی زندگی با مسرت ہوگی۔ ورنہ اُسکے نصیب میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہوگی۔

آپ کے پیروؤں کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ آپ پر شیطان کا سایہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے علیحدہ نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بھی یقین دلایا گیا ہے کہ قادر مطلق آپ کی خواہشات پوری کرے گا اور آپ کے اعمال کا معاوضہ دے گا کیونکہ کیا اُس نے آپ کی اس وقت حفاظت نہیں کی جبکہ آپ یتیم تھے اور اس وقت صحیح راستہ نہیں بتایا جبکہ آپ اپنے ہم قوموں کی طرح گمراہ تھے اور اس وقت غنی نہ کر دیا جبکہ آپ غریب تھے؟ مکاشفہ کی پہلی رات آپ پر جو انکشافات کیئے گئے۔ وہ ہزار رات سے بہتر تھے سلامتی یعنی اسلام تھا۔ جو اُس رات منکشف کیا گیا۔ اور جو رہتی دنیا

تک قائم رہے گا۔ اور اُن لوگوں کے متعلق جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو فرزندوں کے رحلت کر جانے پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور آپ کی اولاد پر جو لڑکیوں کے ایک کنبہ پر مشتمل ہے مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اے پیغمبر ہم نے تمھیں بڑی خیر و برکت دی اور تمہارے دشمن جو تمھارا بُرا چاہتے ہیں اُن کا نام لیوا نہ رہے گا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ فاتحہ بھی سکھائی گئی یہ ایک سادہ دُعا ہے جس میں قادر مطلق کے سامنے التجا کی جاتی ہے

الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

مختصر یہ ہے وہ سادہ دین جو حضرت خدیجہؓ قبول کرتی ہیں۔ اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری میں حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانشینی کے قابل بنا دیتا ہے۔ صریحاً یہ ایک ایسا دین ہے جسے کم از کم عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے اور یہ ایسی صاف و عیاں بنیاد ہے جس پر کثیر التعداد نظریات اگر جمع ہو سکتے ہیں اس کی اصل آسان اور شاندار ہے۔ توحید اور ایک خدائے مطلق کا اقرار جو علیم و حکیم۔ عادل و برحق سچا رہنما فیاض اور بخشندہ ہے حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی صفائی اور سادگی ان مذاہب کے لئے پیام مرگ ثابت ہوتی ہے جو عربستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے فہم۔ تصوّر اور اعتبار کو تکلیف دینا ضروری نہیں رہا۔

نہ یہ لازمی ہے کہ وہ ایک بڑی طاقت کے عقیدہ کو تبدیل کریں اور نہ مختلف مظاہر قدرت کو درجہ معبودیت دینا ضروری ہے۔ درختوں ستاروں اور قدرتی مناظر سے پیشگوئیاں حاصل کرنا غیر ضروری ہوگیا۔ اور بتوں۔ دیویوں۔ پادریوں۔ لکڑی اور پتھر کے مجسموں اور معبودوں سے نجات مل گئی۔ دنیائے عرب میں ایک مذہبی نظریہ پھیل رہا ہے۔ یعنی ایک معبود برتر خداؤں کے خدا۔ کائنات کے خالق کا قابل تسلیم اعتراف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اسی خدائے مطلق کی توحید اور اسکی بخششوں پر زور دیتا ہے۔ آپ کا خدا نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ کبھی مریگا

اس کی عظمت اس کا رحم قوت بیان کی حدود سے باہر ہے
اور اس کی مخلوق انسانی ادراک سے بالاتر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ملکوتی صفات یا نیم ملکوتی صفات رکھنے کا دعوےٰ نہیں کرتے۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ انھیں ایک پیغام پہنچانے کیلئے کہا گیا ہے۔ اور آپ صرف ایک پیغمبر ہیں۔ آپکے نزدیک اسلام کا پیغام ایک علاج ہے جو قادر مطلق نے آپ کی قوم کی سربلندی کے لئے مہیّا کیا ہے۔ آپ اپنے معیّنہ کام کے لئے خلوص و عزم کے ساتھ بڑھے چلے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی جذبۂ انکساری سے سرشار بھی ہیں۔

لہذا اسلام کا اصل الاصول جسکے متعلق آپ وعظ کرتے ہیں اپنے خالق کی توحید اس کی غیر فانی ہستی۔ اُسکی طاقت۔ اُسکے رحم اور اس کی محبت پر ایمان رکھتا ہے۔ آپ اخوت اور خیرات کی تلقین کرتے ہیں۔ ضروریات و خواہشات کو انسانی حدود کے اندر محدود رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ انسان کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ خداوند کریم کے احسانات کا

شکریہ ادا کریں۔ آپ سننے والوں کو اس یوم الحساب کی یاد دلاتے ہیں، جبکہ انسانی افعال کا محاسبہ ہوگا۔ لیکن آپ کوئی ہنگامہ آرائی نہیں کرتے نام و نمود کی خواہش آپ کی فطرت کے لئے اجنبی چیز ہے۔ آپ سولہ سال تک خلوت نشین رہے ہیں۔ آپ شہرت سے گھبراتے ہیں اور منکسر المزاج ہیں۔ لیکن دنیا آپ کی باتوں کا یقین کرے گی یا سر بازار آپ کا مضحکہ اڑایا جائے گا؟ کیا آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر آپ کو چوروں کے ساتھ سولی پر لٹکا دیا جائے گا؟ یا دیوانہ سمجھ کر آپ سے اجتناب کیا جائے گا؟ اسلئے آپ آہستہ آہستہ اور احتیاط کیساتھ اپنی منزل مقصود کی جانب بڑھے چلے جاتے ہیں

(۶)

اگرچہ حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اب اس امر کا یقین ہو چکا ہے کہ اللہ نے انھیں نبوت کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ لیکن آپ ادائے فرض کے لئے بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ اپنے اہل خاندان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ وہ آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ حضرت خدیجہؓ پہلے ہی آپ کی معتقد ہیں۔ حضرت خدیجہؓ اور اپنے بچوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کو اپنا معتقد بناتے ہیں۔ علیؓ ابو طالبؓ کے یازدہ سالہ فرزند ہیں۔ انھیں حضورؐ سے بہت محبت ہے۔ خاندان کے دوسرے افراد کی طرح وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صدائے دعوت سنتے ہیں۔ ان کا طفلانہ جذبۂ اشتیاق متحرک ہو جاتا ہے۔ اور جب بازار کے لڑکے ان کے چچیرے بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانہ ہو جانے کا طعنہ دے کر اُنھیں تنگ کرتے ہیں تو وہ بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان سے بحث کرتے ہیں۔ حضورؐ بھی علیؓ کو محبت

کرتے ہیں۔ آپ علیؓ کو بے نظیر خوبیوں کا حامل اور ایک قومی ہیرو بننے کا اہل پاتے ہیں۔ علیؓ خوبصورت۔ شجاع۔ فہیم اور غیر معمولی طور پر ذکی ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر لشکر یر یقین رکھتے ہیں۔ اور جوانمردانہ جوش کے ساتھ عہد کرتے ہیں۔ کہ وہ اسلام کے خدا اور اس کے رسول کے مقاصد کے لئے جان تک لڑا دینگے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مکان میں ایک شخص زید بن حارثہ ہے یہ ایک غلام ہے جسے یثرب میں سب سے زیادہ قیمت دینے والے کے ہاتھ بیچا گیا تھا۔ اسے خدیجہؓ خاتون نے حاصل کرکے اپنے خاوند کی خدمت پر مامور کر دیا تھا۔ نبی کریم صلعم کو زید سے بہت اُنس ہے اسلئے آپ نے اسے آزاد کرنے کے لئے اپنی بیوی سے اجازت چاہی جب زید کا باپ اپنے آزاد لڑکے کو لینے کے لئے آیا۔ تو زید اپنے آقا اور اپنی مالکہ کا وفادار ثابت ہوا۔ جنھوں نے کہ اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اور پہلے کی طرح اُن کی خدمت کرنے کے لئے وہیں رہ گیا

زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں اس نے آنحضرتؐ کو کبھی جھوٹ بولتے اور کسی چیز سے ناجائز فائدہ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اس کی نظر میں آپ پاک ضمیر اور دیانت دار ہیں۔ وہ کبھی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضورؐ نے اپنے مکاشفات کی داستان خود وضع کر لی ہو۔ لہذا وہ اسلام کا تمیز الحلقہ بگوش ہو گیا۔

نوجوان حضرت علی کے اخلاق کی ساعت امتحان آجاتی ہے ابوطالبؓ کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نہ صرف اپنا تمام وقت آنحضرت صلعم کی خدمت میں گذارتے ہیں بلکہ شمشیر و سپر سے اس نئے مذہب کی

حفاظت کے لئے قسم کھا چکے ہیں۔ ابو طالب اپنے بیٹے کو گھر لانے کے لئے نکلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ چند اشخاص کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مصروف نماز ہیں۔ اس جماعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ بھی ہیں۔

ابو طالب کرخت لہجہ میں کہتے ہیں "محمدؐ یہ کیا مذہب ہے"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نرمی سے جواب دیتے ہیں "یہ خدائے بزرگ کا مذہب ہے۔ ہمارے جد امجد ابراہیمؑ کا مذہب ہے"

ابو طالب دریافت کرتے ہیں۔ "اور تم کون ہو"

نبی کریم صلعم ایک نئے اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں۔ "میرے پیارے چچا۔ میں اس کا پیغمبر ہوں اور آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں"۔

ابو طالب آنحضرت صلعم کو آننا چاہتے ہیں کہ وہ ان کی باتوں سے ناراض نہیں ہوتے اور کہتے ہیں "محمدؐ" میں جانتا ہوں کہ تم نیک نیت ہو۔ لیکن میں اپنے آبا واجداد کا مذہب کیونکر ترک کر دوں؟ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ تمھیں تمہارے اقربا کے ظلم سے بچاؤں اور جب تک میں زندہ ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں کوئی اذیت نہ پہنچنے دوں گا" اس کے بعد اپنے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا "علی میرے ساتھ آؤ"

حضرت علی کا دل دھڑکنے لگا۔ جب آپ اپنے باپ کے چہرے کی طرف شجاعانہ نظروں سے دیکھتے ہیں تو اُن کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں "پدر بزرگوار۔ یہ ناممکن ہے۔ میں خدا اور اس کے پیغمبر کی خدمت کے لئے قسم کھا چکا ہوں"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت

علی کے کندھے پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: "اگر جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔" حضرت علی کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں اور وہ کہتے ہیں: "ہرگز نہیں یارسول اللہ۔" ابو طالب تاسف آمیز لہجہ میں کہتے ہیں "محمد اگر وہ نہیں جانا چاہتا تو نہیں جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارے ساتھ رہ کر وہ محفوظ ہے۔ اور تم اُسے کسی بُری چیز کی طرف نہیں لے جاؤ گے۔"

جب حضرت علیؓ۔ زیدؓ اور حضرت خدیجہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلک متابعت میں منسلک ہو گئے۔ تو آپ نے اپنے بے تکلف دوستوں کی طرف رُخ کیا۔ عبداللہ ابن ابو قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) آپ کے بچپن کے دوست ہیں۔ ایام طفولیت میں دونو اکٹھے کھیلے ہیں اور جوانی کے دنوں میں ایک دوسرے پر اعتماد کرتے رہے ہیں۔ دونو اب بھی پکے دوست ہیں۔ لڑکپن کے عبداللہ اب عبدالکعبہ ہیں اور مقدس معبد کے ایک سرکردہ افسر ان کا پیشہ تجارت ہے۔ اور وہ صاحب ثروت آدمی ہیں۔ غیر معمولی دور اندیش۔ دیانتداری اور منصف مزاجی کے لئے مشہور۔ اور صاحب دولت۔ صاحب اخلاق اور صاحب عزت۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ عبدالکعبہ نئی تحریک کے لئے بہت قیمتی اضافہ ثابت ہونگے۔ لیکن کیا آپ انھیں قائل کرا سکتے ہیں؟ بھلا عبدالکعبہ اپنی عزت اور اعلیٰ عہدہ کو ایک دوست کے نظریہ کی خاطر کیوں چھوڑ دینگے؟ لیکن چند ماہ گذرنے سے پہلے عبدالکعبہ نے حضور آقائے نامدار صلعم کے پیغام کو تسلیم کر لیا اور مسلمان ہو گئے۔

بہت کم مبلغ ایک نئے مذہب میں آئے ہوئے انسان کے خلوص و یقین میں اضافہ کرسکتے ہیں لیکن اسلام غیر معمولی نشوونما کے آثار ظاہر کررہا تھا۔ ہر نیا معتقد شاندار نتائج کا پیغامبر ثابت ہوتا ہے حضرت علیؓ۔ زیدؓ۔ اور حضرت خدیجہؓ سرگرمی کے ساتھ پیغام پھیلانے میں مصروف ہیں۔ عبدالکعبہ متعدد حلقوں میں اسلام کے معتقدین پیدا کررہے ہیں۔ اور قریش کے اکثر ذی اثر ارکان کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلاتے ہیں۔ کئی دوسرے اشخاص کے علاوہ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ زبیر ابن العوام۔ عبداللہ ابن سعود۔ اور عمار بن یاسر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ یہ ہیں اسلام کی ابتدائی فتوح۔ نومسلموں کی تعداد زیادہ نہ سہی۔ لیکن نسب قابلیت۔ اور اسباب دنیوی کے لحاظ سے وہ شاندار ہیں۔

اسی طرح تین سال گذر جاتے ہیں۔ آہستہ۔ بہت آہستہ۔ غیر محسوس طور پر آنحضرت صلعم کے معتقدین جن کا حلقہ اپنے ابتدا میں محض اپنے اقربا تک محدود تھا۔ چالیس تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی تعلیم اور نئے عقیدہ کی تفصیلات سمجھانے پر بہت وقت خرچ کیا ہے۔ اور آپ نے ان تین سالوں میں افق مستقبل پر اُمید کی خفیف جھلک دیکھ لی ہے۔

---

(۷)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ایک محدود دائرہ میں تبلیغ کررہے تھے۔ یعنی اپنے خاندان کے افراد۔ خاص دوستوں اور

ان اشخاص کو جو حلقہ ارادت میں شامل ہو چکے تھے۔ اگر یہ وحی نہ ہوتی کہ اب علی الاعلان تبلیغ کی ضرورت ہے۔ تو معلوم نہیں کب تک دائرہ محدود رہتا۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے۔

"ہم نے تعیش کے لئے جو کچھ دوسروں کو دیا ہے اسے حیرت سے نہ دیکھو۔ اور نہ ان کے لئے رنجیدہ ہو۔ ان سے کہہ دو کہ میں صرف آگاہ کرنے والا ہوں۔ اس سے پہلے بھی ہم نے پیغمبر بھیجے تھے۔ لیکن لوگوں نے کلام الٰہی کو جھٹلایا۔ اسلئے صرف اعلان کر دو۔ کہ تم ہمارے فرستادہ ہو۔ اور ہمارے احکام پہنچانے کے لئے آئے ہو۔ زمین آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسکے خالق ہم ہیں۔ ہم نے تمہیں نماز کے لئے سات آیات دی ہیں۔ اور گراں بہا قرآن۔ ہماری اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ ہم تمہارے دنوں کو ختم کر دیں۔"

نبی کریم صلعم اپنے مولا کے حکم کو بعجلت بجالانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور کوہ صفا پر قریش کا ایک جلسہ منعقد کرتے ہیں۔ اور یہاں پہلی بار علی الاعلان پیغام حق سنایا جاتا ہے۔ آپ قریش سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے۔؟

حاضرین بیک آواز کہتے ہیں۔ "کبھی نہیں"۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔ "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار چھپا ہوا ہے اور وہ حملہ کر کے تمہیں تباہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس پر یقین کرو گے؟" قریش نے جواب دیا۔ "بیشک"۔

قریش کی زبان سے یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "سنو"۔ اسکے بعد آپ نے قرآن مجید کی آیات پڑھیں۔

آواز کے ترنم نے حاضرین کو مبہوت کر دیا۔ عربوں کا علم انشا و ادب ایک صدی سے بام ترقی پر پہنچا ہوا تھا۔ ان کے ادب کی شہرت جزیرہ نمائے عرب کی سرحد عبور کر کے ہندوستان اور روما کے شاہی درباروں میں پہنچ چکی تھی۔ عرب شاعروں اور مصنفوں کی کثرت تھی۔ عربوں کا علم بیان مدارج تکمیل طے کر چکا تھا۔ لیکن نبی کریم صلعم نے جو کچھ پڑھا وہ عربوں کے شعر و سخن سے مختلف تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ دل میں اُتر جانے والا تھا۔ اس کے الفاظ کی ہم آہنگی پر شوکت تھی۔ اور اسکے معنی کا تصور با عظمت انسان کے وہم و گمان میں جو کچھ آسکتا ہے وہ ان سب سے بالاتر ہے وہ شیریں بھی ہے اور تلخ و ترش بھی۔ وہ خوف بھی دلاتا ہے۔ اور تسکین بھی بخشتا ہے۔ اسکے ساز سے یاس کے نغمے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے دامن کی ہوا سے امیدیں بھی انگڑائیاں لے کر اٹھ بیٹھتی ہیں۔ وہ ایک جاذب نگاہ منظر ہے۔ اس کے پردوں میں بجلی کی کڑک بھی ہے۔ اور بادل کی گرج بھی۔ وہ کلام کی روح اور اس کا عطر بھی ہے۔ اور اسکے اوراق میں دنیا کا دفتر دانش پوشیدہ ہے۔

"اپنے پروردگار اعلےٰ کے نام کی تسبیح کیا کرو۔ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اور درست بنایا۔ جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا اور اسے راہ ہدایت دکھائی۔ اُس نے میدانوں میں سے سبزہ اُگایا اور پھر اُسے بدنما کوڑا بنا دیا۔"

آگے چلکر کہا۔ "تم لوگ دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ یہی بات اگلے صحیفوں یعنی ابراہیم اور موسےٰ کے صحیفوں میں ہے۔"

پھر کہا: "اس رب کے نام پر جو رحیم و رحمان ہے۔ صبح کی قسم۔ دس راتوں کی قسم۔ جفت اور طاق کی قسم۔ تاریکی شب کی قسم جبکہ وہ رخصت ہو رہی ہو کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ نے عاد، ثمود اور صاحب لشکر فرعون کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسکے طاعت گذاروں میں شامل ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ!"

پھر فرمایا: "آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی قسم۔ چاند کی قسم جبکہ سورج کے پیچھے نکلتا ہے اور دن کی قسم جبکہ وہ آفتاب کو نمایاں کرے اور رات کی قسم جب وہ آفتاب کو چھپائے اور آسمان کی اور اس کی قسم جس نے اسے بنایا ہے۔ زمین کی اور اسکی قسم جس نے اسے بچھایا ہے۔ روح کی اور اس کی قسم جس نے اُسے مکمل کیا"

پھر کہا: "رات کی قسم جبکہ وہ چیزوں کو ڈھانک لیتی ہے۔ اور دن کی قسم جبکہ وہ خوب روشن ہے۔ اناث و ذکور کی قسم۔ جو شخص خدا کی راہ میں سخاوت کرتا اور اللہ سے ڈرتا اور مذہب حق کو سچ سمجھا تو اس کے لئے آسانی کی طرف جانے کا راستہ آسان ہو گیا۔ اور جس نے انکار کیا اسکے لئے مخالف سمت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔ وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اے لوگو ہم نے تمہیں جہنم کی آگ سے آگاہ کر دیا۔"

ان آیات کے سننے کے بعد سامعین میں سے بعض کے قلوب میں خفیف سا خوف پیدا ہوا۔ بعض نے ان الفاظ پر تمسخر کیا۔ بہرحال خورشید صداقت ہنوز ضیا بار تھا۔ چند اشخاص حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو حکم دیا کہ

اکابر قریش کو ایک دعوت میں مدعو کرو۔ قریش کے چالیس افراد نے دعوت قبول کر لی۔ دعوت کے اختتام پر حضرت نبی کریم صلعم نے مہمانوں سے نئے مذہب کے متعلق گفتگو شروع کی۔ اور ان کے شبہات معلوم کرنا چاہے لیکن عبدالعزیٰ نے دخل دے کر آپ کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

عبدالعزیٰ نے آپ کو اس طرح مخاطب کیا" محمدؐ تم نے ہم لوگوں کو ضیافت میں مدعو کیا تھا۔ وعظ سنانے کے لئے نہیں بلایا تھا۔ اب دیر ہو گئی ہے رخصت دو"

عبدالعزیٰ کے یہ جملے گویا مجلس کے برخواست ہونے کا اعلان تھا مہمان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بے دل نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ یہ واقعات عموماً متوقع ہوتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا "علیؓ تم نے دیکھا۔ عبدالعزیٰ نے کس طرح عمداً میری تقریر کا سلسلہ منقطع کر دیا؟ اچھا کل صبح ایک اور کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر مجلس ضیافت کا انتظام کرو۔ اور انہی اشخاص کو دوبارہ مدعو کرو۔"

اکابر قریش نے اس دعوت پر بھی لبیک کہا۔ اسلئے کہ وہ ان فرزانہ آدمیوں میں سے نہیں ہیں جو دعوتوں کو رد نہیں کیا کرتے۔

اختتام دعوت پر دسترخوان اُٹھ چکنے کے بعد مہمان ہاتھ کر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اور حقے کے کش شروع ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو پھر معاشرتی خرابیوں۔ موت۔ اس کے بعد آنے والی زندگی۔ خدائے بزرگ و برتر کی لامحدود ولاانتہا بخششوں جزا اور سزا دودھ اور شہد اور فردوس کی دوسری نعمتوں کی یاد دلائی۔

آپ نے فرمایا "کسی انسان نے اس سے پہلے ابنائے نوع کو ایسی بیش بہا چیزیں پیش نہیں کیں۔ میں تمہیں اس دنیا کی کامیابی وکامرانی اور آخرت کی فوز وفلاح پیش کرتا ہوں۔ خدائے بزرگ وبرتر کی ہدایت کے مطابق میں تمہیں اس کی طرف بلاتا ہوں۔ جو کائنات کا مالک ہے اس خدمت میں کون میرا شریک بننا چاہتا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ہے جو میرا بھائی۔ مددگار۔ اور معاون بننے کے لیئے تیار ہے؟"

مجلس پر تھوڑی دیر کے لیئے سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ مہمان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں۔

عبدالعزیٰ نے دل ہی دل میں کہا "کیا کوئی شخص اس دعوت کو قبول کرے گا۔ کیا کوئی شخص محمدؐ کا بھائی۔ معاون اور خلیفہ بننا چاہتا ہے؟"

حضرت علی عبدالعزیٰ کی طرف بغور دیکھ رہے ہیں۔ آخر یکایک اٹھتے ہیں۔ اور عبدالعزیٰ کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں "یا رسول اللہ۔ وہ شخص میں ہوں۔ میں آپ کی محنت وتکلیف میں شریک ہوں گا۔ میں آپکے دشمنوں سے لڑوں گا۔ آپ کی مخالفت کا سدِ باب اور اس قابل اعتماد تلوار سے آپ کی حفاظت کرونگا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے پاس جاتے ہیں انہیں جوش مسرت میں گلے لگاتے ہیں۔ اور اکابر قریش سے فرماتے ہیں "دوستو یہ میرا بھائی ہے میرا معاون اور نائب ہے۔ اس کی بات سنو اور اسکے کہنے پر چلو۔"

عبدالعزیٰ بے ساختہ قہقہہ مار کر کہتا ہے۔ ابو طالب آج کے

بعد سے تم اپنے فرزند کے احکام کی تعمیل کیا کرو گے"۔

کامیابی کی رفتار سست تھی۔ لیکن اس نے نبی کریم صلعم کے جوش کو مدھم نہیں کیا۔ انھیں اپنے منصب کے منجانب اللہ ہونے کا یقین تھا۔ نتائج سے بے پروا ہو کر آپ جدوجہد میں مصروف رہے۔ اور آپ نے عوام میں تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھا۔ قریش اپنے معبودانِ باطل کے انجام کا تصوّر کرنے لگے لرزہ بر اندام ہو رہے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ نبی کریم صلعم کے گرد سامعین پیغام حق کا ہجوم روز بروز زیادہ ہوتا جارہا تھا۔ قبیلہ قریش میں آپ کی تبلیغ نے مخالفت اور بدخواہی کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ صرف ابو طالب ہی کی ایک شخصیت ہے جو نبی کریم صلعم کی سرگرمیوں کو برداشت کر سکتی ہے۔ ابو طالب کو نبی کریم صلعم کیسا تھ جو انس تھا۔ وہ ان تین سو اصنام کی محبّت سے زیادہ تھا۔ جو انکی تولیت میں کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے۔

اکابر قریش کا ایک وفد عبدالعزّیٰ۔ عقبہ۔ ابوسفیان اور جلال الدین کی زیر قیادت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے ان الفاظ میں درخواست کی:۔ "ابو طالب لوگ کہتے ہیں کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کا استخفاف کرتا ہے۔ انھیں جہل کا الزام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسلاف نے جہل و غفلت میں زندگیاں بسر کیں۔ ہم اسلئے آئے ہیں کہ آپ سے مداخلت کی درخواست کریں۔ آپ محمدؐ سے کہیں کہ وہ اپنی روش بدل دے۔ بصورت دیگر اندیشہ ہے کہ قبیلہ قریش کی بساط امن الٹ جائے گی"۔

ارکان وفد یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے نئے مذہب کے ناموس کی

حفاظت کا فرض ہماری طرح سب پر عائد ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل واعی الفاظ ان کے عزائم پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

"یا تو آپ اسے سمجھا دیں ورنہ ہم خود اس سے نپٹ لینگے"

ابو طالب کو اپنی کوشش میں کامیابی نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلعم اپنے عزم پر قائم ہیں۔ آپ نے چچا کی نصیحت سُن کر فرمایا " میں خدائے واحد کے کلام سنتا ہوں۔ اس تبلیغ کا مدعا قریش کو معصیت کی اس دلدل سے نکالنا ہے جس میں کہ وہ پھنسے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا یہ الزام بے بنیاد ہے کہ میں نے کعبہ کی حرمت پر حملہ کیا ہے۔ اس کے برعکس میں نے حج کی تمام رسوم میں باضابطہ شرکت کی ہے ان کا یہ قول بھی صداقت سے خالی ہے کہ میں نے کسی کے معبود کو گالی دی ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے صاف طور پر اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔" ما سویٰ اللہ وہ جن کی پرستش کرتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو۔" میں نے صرف یہ تبلیغ کی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش سے باز رہو۔ معبودانِ باطل نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان"۔ نبی کریم صلعم تبلیغ دین کا کام بدستور جاری رکھتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ اور کفار کے معبودان باطل کی بیچارگی ظاہر فرماتے ہیں۔ لیکن اہل عرب کے قلوب میں شرک جاگزیں ہو چکا ہے اور مشرکانہ عقائد میں وہ دلچسپیاں موجود ہیں۔ جن سے نئے مذہب کا دامن یکسر خالی ہے۔ اس عہد کے مذہب اور ان کی رسوم ایک خوش پوش نازک بازاری کی طرح دل کو لبھانے والی اور آنکھوں کو فریب دینے والی ہیں نئے مذہب میں دلکشی کا کوئی سامان نہیں پایا جاتا۔ محض سیدھی سادھی

اور عام فہم باتیں ہیں۔ کعبہ کے متولیوں کی حیثیت سے قریش ہبل اور اسکے ساتھ دوسرے اصنام سے وابستہ تھے۔ اس مفاد کے علاوہ قدیم عقائد اور توہم پرستی کی طاقتیں بھی مذہب میں تبدیلی نہ کیے جانے کی خواہش کو مدد دے رہی تھیں۔ نبی کریم صلعم کی تبلیغ کے خلاف ان تمام طاقتوں نے ایک متحدہ محاذ قائم کر رکھا تھا۔

اس کے علاوہ ایک عام خوف بھی طاری تھا۔ جو ان حالات میں عموماً پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر قریش اس شخص کا قلع قمع کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ جس نے اس کی قربان گاہوں کی بنیادوں میں زلزلہ ڈال رکھا تھا۔

زعمائے قریش نے ابو طالب سے مل کر اس قضیہ کے فیصلہ کرنے کی کوشش کی۔ اور اب کے خاص طور پر زور دیا۔ اور پہلی گفتگو میں جن امور کا ذکر ہوا تھا۔ ان کی یاد دہانی کی۔ انھوں نے کہا "حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ محمدؐ کے گرد سامعین کے ہجوم کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اور اب اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لوگوں نے انھیں تعجب اور حیرت کی نگاہوں سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور ان کی تقریریں سننے کے لئے اس شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ ان کے فائدے کے لئے کوئی خاص پیغام سنانے والے ہیں۔"

قریش دوران گفتگو میں یہ بھی کہتے ہیں کہ "محمدؐ مذہب کے پردہ میں مکہ کا مختار مطلق بننا چاہتے ہیں۔ اگر اس خود ساختہ رسول کی سرگرمیاں جلد نہ روک دی گئیں تو ہمارا پیارا دین اور آئین حرف غلط کی طرح

مٹ جائے گا۔" آخر میں وہ اعلان کرتے ہیں کہ "اگر آپ نے اپنے بھتیجے کو ناروا گستاخیوں اور جوش بیجا کے مظاہروں سے نہ روکا۔ تو ہم قرابت داری کے تعلقات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے دین کی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔" اس فقرہ سے ابوطالب کو ان کی تشویش کا حال معلوم ہو گیا۔ لیکن وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک طرف بھتیجے کی محبت تھی اور دوسری طرف قبیلہ کی وفاداری کا پاس۔

ابوطالب نے ایک روز نبی کریم صلعم سے کہا۔ "مجھ پر اور میرے بڑھاپے پر رحم کرو۔ میرے کندھے پر ذمہ داریوں کا وہ بار نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں۔ ہم قریش کی متحدہ مخالفت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" لیکن ابوطالب کی تمام حجتوں اور تقریروں نے نبی کریم صلعم پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ اور وہ بدستور اپنا فرض ادا کرنے کے لیے مستعد رہے۔ آپ نے فرمایا "اگر قریش میرے خلاف چاند اور سورج کو بھی صف آرا کر دیں جب بھی میں اپنی سرگرمیوں سے باز نہ رہوں گا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے جس کام پر مامور کیا ہے۔ اس کو کسی وجہ سے بھی ترک نہیں کر سکتا۔ میں عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر اس راستہ پر چل رہا ہوں۔"

یہ جواب سنکر ابوطالب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور انھوں نے نبی کریم صلعم کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا "میں یہاں آنے سے پہلے جانتا تھا کہ تم کیا جواب دو گے۔ محمدؐ جب تک میرے جسم میں جان ہے، میں تمھیں اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔"

ابو طالب نے قریش کو اپنی ناکامی کا حال سُنا دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کی "کہ اس معاملہ میں کوئی عاجلانہ اقدام نہ کریں اور نئے دین سے رواداری برتیں۔" نبی کریم صلعم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کہ وہ ایک باعزت آدمی ہے۔ تم خود اسے امین کے نام سے مخاطب کرتے رہے ہو۔ اگر اب اس نے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے تو اسے تنگ کرنے کی وجہ؟"

بہر حال قریش مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ تازہ جوش کے ساتھ سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ نبی کریم صلعم نے مخالفت کو کمال حلم سے برداشت کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت یاسمہ کا واقع قابل ذکر ہے۔ ان کے پاؤں رسّی سے جکڑ کر اس کے سر سے دو اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ دیے گئے اور اونٹوں کو مختلف سمتوں میں بھگا دیا گیا۔ سمیتہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے پہلے اس کی عصمت دری کی گئی۔ بلالؓ حبشی پر مظالم توڑے گئے۔ اور انھیں دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹایا گیا۔ اور پاؤں پر پتھر کی ایک بھاری سل رکھ دی گئی۔ نبی کریم صلعم اور ان کے متبعین کو ہدف تحقیر و تضحیک بنایا گیا۔ کعبہ کے اندر انکی نمازوں میں خلل ڈالا گیا۔ ان تمام مظالم میں عبدالعزیٰ اور جلال الدین (ابوجہل) دیگر کفّار قریش کے پیش پیش تھے۔

تمام اوصاف انسانی میں شجاعت ہی وہ جوہر ہے۔ جو دنیا کی توجہ کو اپنی طرف ——— حیرت انگیز طریق سے جذب کر سکتا ہے اور یہ جوہر اسی وقت زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ جب مخالفت انتہا کو پہنچ جائے کسی خوف سے متزلزل نہ ہونے والا عزم راسخ۔ کسی ظلم اور تشدد سے

کم زور نہ ہونے والا ارادہ مخالفت کے زبردست طوفان سے قوی تر ہو جاتا ہے۔ اور ظلم کی ہوا اس آگ کے شعلوں کو بھڑکا دیتی ہے۔ جو شخص کسی عزیز مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لیتا ہے دنیا اسے عزّت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس کی شجاعت سے دوسرے بھی اثر قبول کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں بھی یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے ہر شئے اس سے اثر پذیر اور ہر جگہ اس کی کشش کار فرما ہوتی ہے بانگ جرس کی مانند اس کے غافلوں کے دل بیدار ہو جاتے ہیں چنانچہ قریش کے بے پناہ مظالم نے ایک طرف نبی کریم صلعم اور ان کے متبعین کے دلوں میں عزم کو راسخ اور استقلال کو قوی کیا۔ اور دوسری طرف پیغام حق سننے والوں کو اس ضبط و تحمل کی تعریف کرنے پر مجبور کر دیا۔

ان لوگوں میں سے نبی کریم صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ شجاع۔ دلاور۔ معززا اور نتائج کی پروا نہ کرنے والے آدمی تھے۔ مخالفت کے طوفان سے انھیں کچھ اندیشہ نہ تھا۔ لوگ انکی شجاعت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ قبیلہ میں شیر کے نام سے مشہور تھے۔ خطرہ انکے نزدیک ایک وہمی چیز تھی۔ ان کی نگاہ کو دشمنوں کی تلواروں کی چمک خیرہ نہ کر سکتی تھی۔ اور طبل جنگ کی دوں دوں سے اُن کا سامعہ لطف اندوز ہوتا تھا۔

عبدالعزیٰ اور اسکے دوستوں نے مظالم کا جو تار باندھ رکھا تھا۔ اسکے سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کو اطلاع ہوئی کہ کفار نے نبی کریم صلعم کی توہین کی ہے یہ سُن کر انکی رگوں میں خون شجاعت جوش مارنے لگا۔ اپنی طاقتور کمان دوش پر رکھ کر سیدھے قریش کے جلسے میں پہنچے۔ قریب تھا کہ عبدالعزیٰ

کو تیر اجل کا نشانہ بنا دیں۔ لیکن اسکے دوستوں نے بچا لیا۔ غضبناک حمزہؓ نے اسی جلسہ میں اعلان کیا کہ "میں نے تمہارے معبودان باطل کی قربانگاہوں کو خیر باد کہدیا ہے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا ہوں"۔ حضرت حمزہؓ کا پرچم توحید کے سایہ میں آنا نبی کریم صلعم کی فتح مبین تھی۔ اشاعت اسلام کی تحریک قوی ہوگئی اور قریش کے غرور کا سر جھک گیا۔ چند روز تک یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ علی الاعلان اسلام یا مسلمانوں کا استخفاف کریں۔ وہ ایک دلیر آدمی کی تلاش میں تھے۔ جو انکی تجاویز کو جامۂ عمل پہنا سکے آخر سب ملکر عمرؓ کے پاس گئے۔

حضرت عمرؓ اس وقت چھبیس سال کے قوی ہیکل اور بلند و بالا نوجوان ہیں۔ مکہ میں انکی آتش خوئی اور شعلہ مزاجی کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ انکے بازوئے قوی کے توانا اعصاب تلواروں سے زیادہ لرزا دینے والے ہیں۔ اسلئے وہ اس کام کے لئے موزوں ہیں۔ جس کا سرانجام قریش کے پیش نظر ہے۔ سازش کرنے والے فن ترغیب کے اصول پر عمل پیرا ہوکر حضرت عمرؓ کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں شجاعت اور ہمت کی تعریف و توصیف کے بعد ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کام کو سرانجام دیجئے۔ وفد حصول مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے

حضرت عمرؓ کی آتش غضب مشتعل ہوجاتی ہے اور وہ جھنجھلا کر کہتے ہیں "یہ اس شخص نے ہمارے قبیلہ کا شیرازۂ اتحاد پراگندہ کر دیا ہے ہمارے مذہب کو شرمناک بتایا ہے اور ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ میں اس کو تہ تیغ کر دوں گا"۔ اس حالت غضب میں وہ مسلح ہوکر روانہ ہوجاتے ہیں۔ اور جلد جلد اس فاصلہ کو طے کرتے ہیں ۔ جو

منزل مقصود کے درمیان حائل تھا۔ چھوٹے بچے ان کو جاتے دیکھ کر گھروں میں گھس جاتے ہیں۔ مائیں شریر بچوں کو "عمر آیا" کہکر ڈراتی ہیں مکّہ کے باشندے بھی مشوش معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو چیں بہ چیں اور تیغ بکف جاتے دیکھا۔ ایک دوست راستے میں دریافت کرتا ہے "فرمایئے کہاں کا مقصد ہے"۔ حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں: "معبودوں کا استخفاف کرنے والے محمدؐ کو قتل کرنے جاتا ہوں" دوست کہتا ہے "سنو۔ محمدؐ کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرو۔ اس کی موت زندگی سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ محمدؐ کے قتل کے بعد بنو ہاشم تمھیں چین سے نہ بیٹھنے دینگے۔ کیا بہتر نہیں کہ تمہارے خاندان میں سے جو لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔ انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرو"۔ حضرت عمرؓ دریافت کرتے ہیں "کون لوگ مسلمان ہوگئے ہیں"۔

دوست بتاتا ہے "تمہاری بہن فاطمہ اور اس کا خاوند سعید بن زید"۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام جوئی کے ارادہ کو فسخ کر دیتے ہیں اور بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مکان کے بیرونی احاطہ میں داخل ہوتے ہی جناب ابن ارث کو بلند آواز سے کچھ پڑھتے سنتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے دروازہ پر ٹھہر کر سنتے ہیں۔ میرا خدا ہر چیز کا قسیم؟......... ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاؤں کی آہٹ سن کر جناب جلدی سے متصلہ حجرہ میں چلے جاتے ہیں۔ فاطمہؓ فوراً اس ورق کو اپنے زانو کے نیچے چھپا دیتی ہے جس پر سورہ لکھی ہوئی ہے۔ عمرؓ مکان کے اندر غضبناک حالت میں داخل ہوتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں "یہاں کیا پڑھا

جارہا تھا...... قرآن؟ فاطمہؓ جواب دیتی ہیں " کچھ نہیں " حضرت عمرؓ گرجتی ہوئی آواز میں کہتے ہیں " کیا میں بہرہ ہوں۔ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟" سعیدؓ کی طرف شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ کر کہتے ہیں " تمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا" حضرت عمرؓ سعیدؓ کی طرف بڑھتے ہیں اور تلوار بلند ہوتی ہے لیکن فاطمہؓ درمیان میں آکر بھائی کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔ اور تلوار فرش زمین پر گر جاتی ہے۔ سعیدؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان جھڑپ ہوتی ہے۔ فاطمہؓ اس میں دخل دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ سعید کو اس وقت چھوڑتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ زمین فاطمہؓ کے خون سے گلرنگ ہو رہی ہے۔

فاطمہؓ اب صاف الفاظ میں اعلان کرتی ہیں۔ عمر یہ صحیح ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم خدا اور اُسکے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو تمہارا جی چاہے کرو"

حضرت عمرؓ کو مردوں سے لڑنے کا اتفاق تو بارہا ہوا تھا لیکن عورتوں سے کبھی لڑائی نہ کی تھی۔ انکے غصہ کی آگ جس قدر جلد برافروختہ ہوئی تھی۔ اسی قدر سرعت سے فرو ہو گئی۔ آپ نے بہن سے کہا " جو کچھ تم پڑھ رہی تھیں۔ میں بھی سننا چاہتا ہوں " فاطمہؓ نے جواب دیا " آپ اسے تلف کر دینگے " حضرت عمرؓ نے یقین دلایا کہ " ایسا نہ ہو گا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسے واپس کر دوں گا " حضرت عمرؓ کا قول بھی ان کے فعل کی طرح پسندیدہ اور شائستہ ہے۔ جناب خیال کرتے ہیں کہ اب باہر آنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ فاطمہؓ کے بستر پر بیٹھ جاتے ہیں اور سورہ طٰہٰ بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

"اے محمد۔ ہم نے یہ قرآن تمہاری طرف اس لئے وحی نہیں کیا کہ تم مغموم ہو۔ بلکہ اس سے ان لوگوں کو یاد دہانی منظور ہے جو اس اللہ سے ڈرتے ہیں جس نے زمین پیدا کی اور آسمان کو بلند کیا۔ بس میں اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میری اطاعت کرو۔ اور میری یاد پر قائم رہو۔ کسی چیز سے خوف نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہوں" الی آخرہ۔

حضرت عمرؓ کے قلب میں تشدد کی جگہ جوش پیدا ہو گیا۔ اور انھوں نے جناب سے کہا۔ یہ نفیس اور شاندار چیز ہے "محمدؐ کہاں ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلو۔ تاکہ میں ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دوں" جناب خوش ہو جاتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر کوہ صفا پر جاتے ہیں جہاں حضور نبی کریم صلعم قریش کے مظالم سے بچنے کے لئے مقیم ہیں یہاں بھی آپ ایک اجتماع میں تقریر کر رہے ہیں۔ اور سامعین ایک ایک لفظ کو گوش جان سے سُن رہے ہیں۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی۔ حضرت عمرؓ کو دروازہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ حاضرین کی گردنیں یہ دیکھنے کے لئے مُڑتی ہیں کہ آنے والا کون ہے۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تیغ بکف اندر آ رہے ہیں۔ لوگ فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ نبی کریم صلعم کی حفاظت کے لئے بے قرار ہیں لیکن نبی کریم صلعم کے دل میں خوف و ہراس کا گذر تک نہیں۔ حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی وہ اپنی تقریر کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور دوستانہ طریقہ سے اُن کے خیر مقدم کے لئے بڑھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "الحمد للہ۔ میں کل ہی جناب باری میں دعا کر رہا تھا۔ کہ اے اللہ

اسلام کو ابوالحکم ابن ہشام یا عمر بن خطاب سے تقویت دے۔ سو شکر ہے آج عمرؓ کو یہاں دیکھتا ہوں۔ عمر ابن الخطاب جب تک آپ کا جی چاہے یہاں ٹھیر سکتے ہیں۔" حضرت عمرؓ جواب میں عرض کرتے ہیں "میں خدا اور اسکے رسول پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں۔" اس پر حاضرین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلعم فرماتے ہیں "آپ میرے بھائی ہیں۔" اور یہ کہکر حضرت عمر کو گلے لگاتے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر شخص حضرت عمر کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر مبارکباد کہتا ہے اور اس واقعہ سے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔

یہ اسلام کی اوّلین فتح تھی۔ یہ دین فطرت کا پہلا معجزہ تھا۔ خاک کو اکسیر بنانا کسی منکرِ حق کو پُرجوش مسلمان بنانے کے مقابلہ میں ایک کھیل معلوم ہوگا۔ یہ ہے اسلام کی کیمیا گری۔ حضرت عمر کا مسلمان ہونا اسلام کے حق میں چند وجوہ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ حضرت عمر نئے مذہب کے شدید مخالف مشہور تھے۔ کہ انھیں نبی کریم صلعم سے نفرت ہے اور ان کے قتل کے درپے ہیں لیکن یکایک دربارِ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر یہ گمان ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے صرف زبان سے قبول اسلام کا اعلان کیا ہے ورنہ در پردہ ان کا مقصد کچھ اور ہے۔ لیکن کیا نبی کریم صلعم نے ان کے خلوص کو تیقن کرنے کے لئے کوئی ضمانت چاہی؟ ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ قافلۂ اسلام میں اس لئے شامل ہوئے ہوں کہ موقع پاکر اس کے رہنما کو قتل کر دیں۔ ابھی کل تک عمرؓ معبودانِ باطل کے آگے سرِ نیاز خم کر رہے تھے اور

تمام مشرکانہ رسوم بجالاتے تھے ۔ یہ بہت دنوں کی بات نہیں کہ انھوں نے اسلام کو ہدف تضحیک اور نشانۂ استہزا بنا رکھا تھا۔ نبی کریم صلعم ان سے کوئی استفسار نہیں کرتے۔ کوئی شرط پیش نہیں جاتی۔ کسی تحفظ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ حضرت عمرؓ نے خدائے وحدہٗ لاشریک پر اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہی کافی ہے۔ نبی کریم صلعم حضرت عمرؓ کے ضمیر کا حال معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ اس لئے کہ یہ معاملہ خدا اور عمرؓ کے درمیان ہے۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے نومسلموں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے بھی ایک دستور قائم ہو گیا۔ ایک شخص اپنے قبیلے خاندان اور قوم کو چھوڑ کر مسلمان ہوتا ہے اور ایمان کا اعلان کرتے ہی ایک بڑے خاندان اور ایک بڑی قوم کا فرد بن جاتا ہے۔ یہاں اسود و احمر میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ رنگ، نسل اور قوم پر کچھ توجہ نہیں کی جاتی۔ غریب سے غریب شخص نبی کریم صلعم کے پہلو بہ پہلو بیٹھ سکتا ہے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایک پیالہ میں کھا سکتا ہے اور بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے۔

ابوالحکم ابن ہشام اور عمر ابن الخطاب کے متعلق نبی کریم صلعم نے جو دعا کی۔ اس سے اسلام کے ایک اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ کہ دین فطرت کے لئے صرف ان اشخاص کو منتخب کیا جاتا ہے۔ جو قوم کے اندر شجاعت۔ ذہانت اور اخلاص میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے کوئی شخص اسلام پر آوازے کستا ہو۔ یا اس کی مخالفت کرتا ہو۔ نبی کریم صلعم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن ذہین۔ شجاع۔ اور بلند اخلاق

رکھنے والوں کو اسلام کے لیے چن لیتے ہیں۔ دائرہ اسلام میں بہترین آدمیوں کو داخل کیا جاتا ہے۔ اور ایسی روایات قائم ہو جاتی ہیں۔ کہ مخالفت ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اور نہ مرورِ ایام ان کی اہمیت کو کم کر سکتا ہے۔

(۸)

بعثت کا چھٹا سال شروع ہو گیا ہے مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے ابو طالبؓ اپنے وعدہ کے مطابق اب تک معاندین کو روکے ہوئے ہیں لیکن مسلموں کی تعذیب کا سلسلہ روز بروز ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ فرزندان توحید پر مغلظات کی بارش۔ حملے اور تشدد۔ یہ روزمرہ کی باتیں ہو چکی ہیں۔ نبی کریم صلعم کی ذات گرامی بھی ان حملوں سے محفوظ نہیں۔ عبدالعزیٰ اور اس کی زوجہ ام جمیل (جو قریش سردار ابوسفیان کی بہن ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نگاہ قہر آمیز سے دیکھ رہے ہیں۔ عبدالعزیٰ ہر جگہ نبی کریم صلعم کے ساتھ رہتا ہے اور کہتا پھرتا ہے۔ "کہ یہ کذاب ہے اور ہمارے معبودوں کو بدنام کرتا ہے"۔ ام جمیل نبی کریم صلعم کے راستہ میں کانٹے بچھا کر اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین دیتی ہے۔ آپ سب کچھ دیکھ اور سن کر مسکرا دیتے ہیں۔ عبدالعزیٰ اور ام جمیل دونوں ایک ساتھ آتش دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ جیسا کہ وحی سے ثابت ہوتا ہے۔ عبدالعزیٰ کو ابولہب کا خطاب دیا گیا ہے جس پر کسی کو رشک نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلعم کو ان مشکل حالات میں ہر شخص کی خدمات درکار ہیں

لیکن اپنے خدا کی طرح ان کا دل بھی رحم وکرم کے جذبات سے معمور ہے
انھیں یہ دیکھ کر روحانی تکلیف ہوتی ہے کہ مسلمان میری وجہ سے ہدف
آلام ومصائب بن رہے ہیں۔ بہرحال آپ کو دین حق کے مستقبل کے
متعلق تردد نہ تھا۔ یقین تھا کہ خداوند تعالےٰ خود اسلام کی حفاظت کریگا۔
اپنے متعلق بھی کوئی تشویش نہ تھی۔ جانتے تھے کہ وہی میرا محافظ بھی
ہے۔ آپ کو فکر تھا۔ تو اپنے پیرووں اور اُن کے مصائب کو دور کرنیکا۔
ہرچند صورت حالات ہمت آزما اور تاب گسل تھی۔ لیکن فیصلہ کیا گیا
اور نبی کریم صلعم نے تجویز کیا کہ جس قدر اشخاص کو پناہ مل سکے یہاں سے
چلے جائیں۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک سو سے زائد نہ تھی بہرحال
انھیں انفرادی طور پر بلا کر نصیحت کی گئی کہ حبش میں جا کر پناہ لیں جہاں
ایک عادل بادشاہ حکمران تھا۔

نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "حبش میں نجاشی
حکمران ہے اور وہ اپنی سلطنت کی حدود میں کسی پر ظلم روا نہیں رکھتا
مجھے یقین ہے کہ وہاں تمہارے ساتھ رواداری سے سلوک کیا
جائے گا۔ پناہ ملے گی اور لوگ تواضع سے پیش آئیں گے حبش میں
اس وقت تک مقیم رہنا جب تک کہ اللہ تعالےٰ پھر اپنے فضل وکرم
سے تمھیں اپنے وطن میں لائے۔"

اس کے چند روز بعد پناہ گزینوں کی دو مختصر جماعتیں خفیہ طور پر
بحری راستہ سے حبش کو روانہ ہوگئیں۔ نبی کریم صلعم کی دُختر رقیہؓ اور
اُنکے شوہر عثمانؓ بھی پناہ گزینوں میں شامل تھے۔ شاہ حبش کے دربار
میں پناہ گزینوں کو بار دیا گیا۔ اور پناہ کا یقین دلایا گیا۔ لیکن عثمان اور

ان کی جماعت ابھی مکہ سے روانہ ہوکر زیادہ دور نہ پہنچی ہوگی کہ قریش کو بھی اس واقعہ کا علم ہوگیا۔ فوراً ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اہل جلسہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی جماعت شاہ حبش سے مدد حاصل کرنے گئی ہے متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ اس کے جواب میں فوراً کارروائی کی جائے شاہ حبش کے دربار میں جانے کے لئے سفیر مقرر ہو گئے۔ مسلمانوں کی پہلی جماعت کے متعاقب عبداللہ ابن ربیعہ اور عمرو بن العاص کی سفارت بھی عازم حبش ہوئی۔ شاہ حبش نجاشی کو ایک عجیب قضیہ کا فیصلہ کرنا پڑا۔ سفیران قریش کا مطالبہ تھا کہ "مسلمانوں کی جماعت کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ ان لوگوں نے ہمارے آبائی مذہب کے خلاف جرائم کئے ہیں اور ایک خطرناک تحریک شروع کی ہے"۔ شاہ حبش کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے انھوں نے یہ بھی کہا کہ "اگر یہ لوگ دین عیسوی قبول کر لیتے تو ان جرائم کی تلافی ہو سکتی تھی"۔ سفارت مکہ کے ارکان نے مقامی پادریوں کی مدد پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔ اور یہ لوگ ہمیشہ افواہوں پر یقین کرنے اور خدمات کا خفیہ انعام لینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ پادریوں نے مسلمانوں کی حوالگی کے مطالبہ کی تائید کی۔ اور کہا۔ "ہمیں کیا پڑی ہے کہ بیٹھے بٹھائے اہل مکہ کی عداوت مول لیں۔ محمدؐ کے پیروؤں کو پناہ دینے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔"

شاہ حبش نے سفیران مکہ اور مشیران سلطنت کی مرضی کے خلاف پناہ گزینوں کو طلب کیا۔ اور انکے حاضر ہونے کے بعد بھرے دربار میں حسب ذیل سوالات کئے۔

"وہ نیا مذہب کیا ہے۔ جس کی خاطر تم لوگوں نے اپنے بتوں کو

چھوڑا۔ اور ایک ایسا طریق اختیار کیا جو نہ میرے مسلک سے ملتا ہے اور نہ دوسروں کے مذہب سے؟"

حضرت علی کے خوش وضع بھائی حضرت جعفر نے پناہ گزینوں کے ترجمان اور نمائیندہ کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"عالی جاہ۔ ہم لوگ جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے بتوں کو پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ اخلاق سے بیگانہ تھے۔ خویشی اور قرابت داری کے رشتوں کو منقطع کر دیا تھا۔ انسانیت کے مقتضیات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جو ہم سے قوی تھے انھوں نے کمزوروں کو تختۂ مشق ستم بنا رکھا تھا۔ ہم بُرے ہمسایہ اور بُرے شہری تھے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے درمیان اپنا رسول بھیجا۔ جس کے اعلےٰ ترین اخلاق اور تقوےٰ سے ہم سب اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس رسول کا نام محمدؐ ہے اور یہ عبداللہ کے بیٹے اور مشہور سردار عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے ہمیں اللہ کی طرف بُلایا۔ پتھروں اور بے جان چیزوں کی پرستش سے روکا۔ اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا۔ جو کائنات کا خالق اور بے ہمتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ہمیں سچ بولنے اور ایفائے عہد کرنے صلہ رحم کو ملحوظ رکھنے۔ متدین اور راست باز رہنے کی ہدایت کی فسق وفجور میں مبتلا ہونے۔ یتیموں کا مال کھانے اور نیک عورتوں پر اتہام لگانے کی ممانعت کی۔ نماز۔ روزہ اور زکوٰۃ فرض کیا۔ ہمیں اس پر اعتماد ہے اور اسکے پیغام کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم نے احکام الٰہی کی بجا آوری شروع کر دی ہے اور اسکے رسول کے فرمان کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے اطوار اور طریقے قوم کے رسم و رواج کے خلاف

تھے۔ وہ لوگ دشمن ہو گئے۔ ہمیں ایذائیں دینے لگے اور اس امر کے درپے ہوئے کہ ہم کسی طرح اپنے مذہب سے منحرف ہو جائیں اور پھر اصنام کعبہ کی پرستش کرنے لگیں جب ان لوگوں نے بلا وجہ معقول ہمیں آزار پہنچانا شروع کیا۔ اور ان کے مظالم حدّ برداشت سے بڑھ گئے اور یہ ممکن نہ رہا کہ ہم پُرامن طور پر اپنے مذہب کے احکام پر عمل پیرا ہو سکیں۔ تو رسول اللہ صلعم نے ہمیں آپ کی حکومت میں پناہ ڈھونڈنے کی ہدایت کی۔"

بادشاہ اور دیگر اشخاص جنھیں اس قضیّہ سے کچھ سروکار نہ تھا حضرت جعفر کی تقریر سے متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ تم اس وحی کا کوئی حصہ یہاں لائے ہو جو خدا کی طرف سے تمہارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہے؟"

حضرت جعفر نے جواب دیا۔ "ہاں عالیجاہ۔"

بادشاہ نے کہا۔ "مجھے پڑھ کر سناؤ"

حضرت جعفر نے کہا۔ "میں آپ کو سورہ مریم سناتا ہوں" یہ کہکر آپ نے پڑھنا شروع کیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ بادشاہ نے دریافت کیا۔ اسکے کیا معنی ہیں حضرت جعفر نے بتایا۔ "اسکے یہ معنی ہیں کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔" اس کے بعد حضرت جعفر نے "کہیعص" پڑھنا شروع کیا اور ایک ایک آیت کے معنی ساتھ ساتھ بیان کرتے گئے۔ بادشاہ نے قرآن کی فصاحت سے مبہوت ہو کر کہا۔ "یہ تو بالکل حضرت مسیح کی تعلیم سے مشابہ ہے۔" پھر عمرو بن العاص کی طرف مخاطب ہو کر بادشاہ نے کہا "سفیران مکہ افسوس ہے۔ میں ان پناہ گزینوں کو تمہارے حوالے نہیں

نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ میرے ملک میں سکونت رکھنے اور اپنے طور پر عبادت کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

حضرت جعفر نے بادشاہ کا یہ فیصلہ سننے کے بعد اعلان کیا۔ ”عالیجاہ۔ ہم آپ کی وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔“

(۹)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ دشمن رسول خدا صلعم کے خون کے پیاسے ہوتے جاتے ہیں۔ حبش کی طرف پناہ گزینوں کی مزید جماعتیں روانہ ہوتی ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ صلعم کیساتھ چند مسلمانوں کی مختصر جماعت رہ جاتی ہے۔ ابو طالبؓ کو اپنے بھتیجے کی جان کا اندیشہ ہے۔ اور انھیں ترغیب دیتے ہیں کہ ”شہر کے باہر قلعہ کی چار دیواری کے اندر پناہ لو۔“

قریش ابو طالبؓ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کردو۔ حوالگی تک بنو ہاشم کے تمام قبیلہ کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا جاتا ہے۔ ابو طالب کے لئے اسکے سوا چارہ کار نہیں رہتا کہ قبیلۂ بنو ہاشم کے افراد کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو جائیں۔ مقاطعہ کا حکم کیونکہ قبیلۂ قریش کے نام سے صادر کیا گیا تھا۔ اسلئے تمام اہل عرب کو بنو ہاشم سے معاملہ کرنے اور انکا حلیف بننے کی مخالفت تھی۔ اعلان کر دیا گیا کہ ”مقاطعہ کا یہ فیصلہ صرف اسی صورت میں منسوخ کیا جائے گا کہ اس شورش کے خطرناک بانی اور سرغنہ کو قریش کے حوالہ کر دیا جائے۔“ یہ اعلان تحریر کر کے کعبے کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔ تاکہ سب لوگ اس سے مطلع ہو جائیں۔

بعثت کا ساتواں سال ہے۔ نبی کریم صلعم کی جوانی کا آفتاب نصف النہار

سے ڈھل چکا ہے۔ سن شریف پچاس کے قریب ہے۔ حضرت خدیجہؓ ضیابارِ ہستی کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکی ہیں۔ لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی انکی جلالت قدر سے کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ اپنے محترم شوہر کی اسی خلوص کے ساتھ خدمت و اطاعت کرتی ہیں جیساکہ بیس سال پہلے کرتی تھیں۔ اس وقت جبکہ نبی کریم صلعم ایک باا ثر، ہر دلعزیز اور ہونہار نوجوان تھے شباب کا خون آپکی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ لیکن اب موئے مبارک کی سیاہی میں برفانی رنگ کی جھلک نمودار ہوگئی ہے۔ مرور ایام اور واقعات نے پیشانیِ موزون پر جھریاں پیدا کر دی ہیں۔ انھیں برادری سے نکال دیا گیا ہے۔ باغی ٹھہرا دیا گیا ہے۔ ہدف نفرت بن گئے ہیں۔ آپ اپنے قبیلہ ہی کے مظالم سے پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہیں۔ تبلیغ کو شروع ہوئے سات سال گذر چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک کامیابی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے۔ اگر ایک طرف چند متبعین پیدا ہو گئے ہیں۔ تو دوسری طرف مخالفوں کی بھی کمی نہیں۔ کامیابی اور ناکامی کے دنیاوی معیار پر پرکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تحریک ناکام رہی ہے۔ لیکن کیا آپ کی ناکامیوں سے حضرت خدیجہؓ کے یقین و ایمان میں کچھ فرق آیا؟ کیا آپکے دل میں اسلام کے شاندار مستقبل کے متعلق کچھ شک پیدا ہوا؟ نہیں۔ اسکے برعکس ہر آنے والے سال نے انھیں کامیابی کا یقین دلایا ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ خواہ یہ ساعت سعید میری زندگی میں نہ آئے۔ لیکن اسلام آخرکار فتحمند اور کامیاب ہو گا۔ حضرت خدیجہؓ اپنے شوہر محترم کو تسلی دیتی ہیں۔ یاس میں امید بندھاتی ہیں اور اس وقت حوصلہ بڑھاتی ہیں جبکہ دنیا اُن کے لئے یاس و قنوط کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ اپنے محترم شوہر سے محبت کرتی

ہیں۔ اور اس وقت جبکہ دنیا نے انہیں ہدف استہزا بنا رکھا ہے۔ نبی کریم صلعم کو ان سے ایک خاص اُنس ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے انکے قلب میں وہ جگہ حاصل کر لی ہے جسے دنیا کی کوئی عورت حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ ایک اخلاص مند رفیقۂ حیات سے بھی بڑھ کر اپنے قابل احترام خاوند سے محبت کرتی ہیں ان کی ذات اسلام اور اس کے مراد و مقصد کے لئے ایک معاون ہے۔

(۱۰)

تین سال کی طویل مدت انہی صبر آزما حالات میں اور گذر جاتی ہے اور یہ مدت عزائم راسخ کے سوا معمولی ارادوں کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہے مسلمانوں پر مزید تین سال تک عرصہ حیات تنگ رہتا ہے۔ انھیں جلاوطنی کی حالت میں تکلیف دہ مقامات کے اندر عسرت اور مصیبت کی حالت میں زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اسلام کا پرچم بدستور بلندیوں پر لہرا رہا ہے۔ دینِ فطرت اپنی جگہ اسی شان و عظمت کے ساتھ قائم ہے۔ قریش دائرہ اسلام کو شعب ابی طالب کے غاروں تک محدود کرنے اور مسلمانوں کو محصور رکھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ صرف ایّام حج میں جبکہ قتل و خونریزی ممنوع ہے۔ نبی کریم صلعم کو اس محاصرہ سے نکل کر تبلیغ دین حق کا موقع مل سکتا ہے ایام حج میں بھی مخالفین ہر مقام پر آپ کا پیچھا کرتے ہیں۔ خصوصاً ابولہب جو ہر جگہ آپ کو "کاذب" کہتا پھرتا ہے۔ اہل مکہ خدا اور اس کے رسول کا پیغام نہیں سننا چاہتے۔ لیکن یثرب سے آنے والے زائرین اور حجاج بگوش ہوش آپکی تبلیغ سنتے ہیں۔

بنو ہاشم کے مقاطعۂ معاشری کا حکم ابھی نافذ ہے۔ مخالفت کا بازار

گرم ہے لیکن قریش بعض وجوہ سے سر میدان مقابلہ کرنا نہیں چاہتے مقاطعہ کے فیصلہ نے تمام ہاشمیوں کو برادری سے نکال دیا ہے۔ ممکن تھا کہ تنہا نبی کریم صلعم کی جلاوطنی کو اچھا سمجھ لیا جاتا۔ لیکن پورے خاندان کی جلاوطنی کے فیصلہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے کہ قریش کے دوسرے قبائل سے ہاشمیوں کی قرابت داری تھی۔ اور ان کے خلاف نئے مذہب کے قبول کرنے یا اس کی حمایت کرنے کا کوئی الزام نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نبی کریم صلعم اور ابو طالب کی پوری قوم کا مقاطعہ نہ کیا جاتا اس فیصلہ سے کوئی خاص اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ قریش عجیب کشمکش میں مبتلا تھے وہ چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے خانہ جنگی سے احتراز کیا جائے۔ اس مشکل کو حل کرنے کا ایک اور طریقہ سوچا گیا۔ انھوں نے خیال کیا جہاں تعذیب ناکام رہی ہے۔ ممکن ہے ترغیب کامیاب ہو جائے۔

ایک دن نبی کریم صلعم کعبہ کے اندر سرداران قریش کی ایک جماعت سے کسی قدر فاصلہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "محمدؐ! میں آپ کے والد کا دوست ہوں۔ ہمارے درمیان مؤدت اور محبت تھی۔ اور ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے تھے۔ عبداللہ کا بیٹا ہونے کے باعث آپ کو امتیاز نسب حاصل ہے اس کے علاوہ آپ اپنے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بھی قوم میں معروف ہیں۔ لیکن آپ نے قوم میں تفریق و اختلاف کا بیج بو دیا ہے اور صلح و آشتی سے رہنے والے خاندانوں کے درمیان نفاق و شقاق کی طرح ڈال دی ہے آپ ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتے ہیں۔ اسلاف پر کفر کا اتہام لگاتے ہیں ہم ایک پیشکش کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ اسے قبول کر لیں۔"

نبی کریم صلعم نے دریافت کیا۔" وہ پیشکش کیا ہے ؟"

عقبہ نے جواب میں کہا۔" اگر اس ڈھونگ سے آپ کا مطلب جلب زر اور تحصیل دولت ہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اتنی دولت آپ کے لئے فراہم کر دینگے جو قوم میں کسی دوسرے فرد کے پاس موجود نہ ہو۔ اگر آپ کی مراد جاہ طلبی اور عزت ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے اور اطاعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سلطنت کی خواہش ہے تو ہمارے بادشاہ بن جایئے عورتوں کی تمنا ہے تو دختران قریش میں سے حسین ترین منتخب کر لیجئے۔ اس کے عوض ہم آپ سے صرف اسقدر چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے معبودوں اور اسلاف کے مذہب کو بُرا نہ کہیئے۔"

نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمایا۔" کیا یہی وہ پیشکش ہے! کیا تم کچھ اور پیش کرنا چاہتے ہو؟"

قاصد قریش نفی میں جواب دیتا ہوا کہتا ہے۔" کیا یہ کافی نہیں"؟ نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمایا۔" ہے اور نہیں ہے۔ میں اپنے لئے شان و شوکت اقتدار و سلطنت نہیں چاہتا۔ نہ مجھے حسین عورت کی آرزو ہے۔ مجھے خدا نے مخلوق کو آگاہ کرنے پر مامور کیا ہے۔ تم دین حق قبول کر لو گے تو اس دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ انکار کرو گے تو میرے اور تمہارے درمیان خدا فیصلہ کرنے والا ہے۔"

عقبہ مایوس ہو کر اپنے رفقاء کے پاس چلا گیا۔

مشکلات کے اس زمانہ میں نبی کریم صلعم کی اخلاقی فتح کی بڑی وجہ آپکی دیانت اور صداقت تھی۔ آپ اعلان کرتے تھے کہ میں صرف پیغامبر ہوں انسان ہوں میرا خمیر سایہ اسی آب و گل سے ہے۔ آپ نے نہ تو خدا سے

قرابت داری کا دعوےٰ کیا۔ اور نہ کسی دیوتا یا بزرگ ہستی کے اوتار بننے کے مدعی ہوئے۔ آپ نے کبھی خالص انسانی اوصاف کے سوا دیگر اوصاف سے متصف ہونے کی خواہش نہیں کی۔ اور نہ کبھی اقتدار کے حصول کا قصد کیا۔ آپ خدا کا پیغام پہنچانے پر قائم تھے۔ اور اسی فخر کو کافی سمجھتے تھے کہ خدائے ذوالجلال نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

لوگوں کی عادت تصدیق رسالت کے لئے معجزات طلب کرنے اور دیکھنے کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ہر قسم کے معجزات دکھا کر تخلیق کے تمام قوانین کو درہم برہم کر دیا۔ مُردوں کو زندہ کیا۔ سمندر پر چلے۔ روٹی کو گوشت بنا دیا۔ اور شراب کو خون کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ عام طور سے بزرگوں اور تارک الدنیا زاہدوں نے بیمار و ں کو تندرست کیا ہے۔ واقعات آئندہ کے متعلق پیشگوئیاں کی ہیں۔ اور انکی بد دعاؤں نے بادشاہوں کو معزول اور سلطنتوں کے چراغ گل کر دئے ہیں۔ نبی کریم صلعم دنیا کو دعوت دیتے ہیں کہ قرآن کے مقابلہ میں دوسری کتاب نہیں، صرف ایک آیت ہی پیش کردو۔ جو فصاحت میں آیات کی ہمسر ہو سکے۔ آپ کتاب کے مصنف ہونے کا دعوےٰ نہیں کرتے ایسا ہوتا تو قریش آپ کو بے تامل دُنیا کا شاعر اعظم تسلیم کر لیتے۔

معجزات طلب کرنے والوں اور منکران حق کو آپ کا جواب سادہ اور صاف تھا۔ اگر انسان اور کائنات کی تمام ارواح مل کر قرآن کی مثال بنانا چاہیں تو اس میں کامیاب نہ ہوں۔ خواہ اس کام میں ایک دوسرے کو مدد بھی دیں۔ خدا نے اپنے رسول کو خرق عادت کے لئے دنیا میں نہیں بھیجا بلکہ تبلیغ دین فطرت کے لئے مامور کیا ہے۔ نبی کریم صلعم سوال کرتے

ہیں "کیا میں رسول اور بشر کے سوا کچھ اور ہوں"؟ پھر آپ ہی اس کا جواب دیتے ہیں " اگر زمین پر فرشتے رہتے اور بستے ہوتے تو ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجدیتے۔ اے محمدؐ ہم نے تمہیں بشیر اور نذیر جنّت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے" آپ بے محابا یہ آیت ان لوگوں کو پڑھکر سُناتے ہیں۔ جو حدّ مناسب سے بڑھکر آپ کی تعریف کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپ نے کبھی خداوندی کے اختیارات رکھنے کا دعوے انہیں کیا۔ آپ کبھی اسرار فطرت سے خبردار ہونے کے مدعی نہیں بنے۔ آپنے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں فرشتہ ہوں۔ بلکہ بار بار یہی فرماتے تھے۔ کہ " اگر مشیّت الہی نہ ہو تو میں اپنی مدد بھی آپ نہیں کر سکتا۔"

بعض اوقات آپ سے لوگ کہتے کہ جب تک آپ زمین سے چشمہ جاری نہیں کرینگے۔ یا کھجوروں کے درخت اُگا کر اُن میں کھجوریں پیدا نہ کرینگے۔ اور ان باغات میں ہر طرف آب رواں کے چشمے جاری نہ ہو جائیں گے۔ یا آسمان کو پارہ پارہ کر کے زمین پر نہ گرا دینگے۔ یا سونے کا ایک قصر فلک بوس نہ بنا دینگے اور اس پر چڑھ کر کتاب نہ لائیں گے اس وقت تک ہم آپکی بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں۔ آپ انھیں کائنات کی طرف اشارہ کر کے بتلاتے ہیں۔ کہ یہ سب خدا کی نشانی ہے۔ انسان حیوان رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ ستاروں کی رفتار یہ سب خدائے بزرگ و برتر کی نشانیاں ہیں۔ باغوں کے اندر صاف پانی کے چشموں میں۔ سر بفلک پہاڑوں میں۔ غروب ہونے والے آفتاب کی سُنہری کرنوں میں۔ تاروں بھری رات میں۔ اُسی کا نور جاری و ساری ہے۔ یہ تمام موجودات لُبنانِ

حال سے اس واجب الوجود کی ہستی پر گواہی دیتے ہیں

(۱۱)

بعض اوقات انکسار عیوب کا پردہ پوش بن جاتا ہے۔ کیا نبی کریم صلعم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں کہ میں فانی انسانوں کے زمرہ سے تعلق رکھتا ہوں؟ کیا آپ کو رسالت کا منصب اور وحی الٰہی کا مہبط ہونے پر غرور ہوگیا؟ کیا آپ اس تعریف و توصیف سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے جو آپکے متبعین کرتے رہتے تھے۔ کیا نبوّت ملنے کے بعد آپ عالم بشریت سے بالا ہو گئے تھے؟ کیا آپ معصوم بن گئے تھے؟ کیا انسانیت کی سطح سے بلند ہو کر آپ خدا کے جانشین یا قائم مقام بن گئے تھے؟ اس مثال سے ثابت ہو جائے گا کہ نبی کریم صلعم انسانیت سے بالاتر نہیں ہوئے تھے۔ علوئے منصب کے باوجود بشر تھے۔ اور ان کے اندر مقتضیات بشریت موجود تھیں۔

ایک دن آپ اہل مکّہ کی ایک جماعت میں تبلیغ کر رہے تھے اور انہیں رسالت کے اغراض و مقاصد سمجھا رہے تھے۔ حاضرین میں ایک صاحب نابینا بھی تھے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلعم کی تقریر کا کوئی لفظ نہ سنا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بعد میں آئے ہوں۔ بہر حال غالب خیال یہ ہے کہ انکے ذہن میں سلسلۂ کلام محفوظ نہیں رہا۔ اسلئے انھوں نے درمیان میں دخل دے کر نبی کریم صلعم کی تقریر کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ نبی کریم صلعم اس دخل اندازی سے جھنجھلا گئے۔ اور آپ کی پیشانی پر شکن نمودار ہونے لگے۔ دیگر حاضرین نے دخل دینے والے کو خاموش کر دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے تقریر شروع کر دی۔

یہ بات معمولی تھی۔ اور نبی کریم صلعم کی جھنجھلاہٹ کا سبب بآسانی سمجھا جا سکتا ہے لیکن خدا عادل ہے اور وہ اپنے پیغمبر سے خاص مراعات روا نہیں رکھتا۔ چنانچہ "سورۂ عَبَسَ" نازل ہوئی۔ اور اس میں مذکور تھا۔" پیغمبر چیں بجبیں ہو گئے اور منہ پھیر لیا۔ اس وجہ سے کہ ایک اعمیٰ (محروم البصر) نے دوران تقریر میں مداخلت کی۔ پیغمبر ان لوگوں کو مخاطب کر رہے تھے جنھیں آپ کی زیادہ ضرورت نہیں۔ مگر جو شخص ڈر کر آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اس سے آپ نے بے اعتنائی برتی"۔

کیا یہ آواز خود نبی کریم صلعم کے ضمیر کی آواز تھی۔ کیا یہ ندامت تھی۔ یا ندامت سے قوی تر کوئی جذبہ۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ پیغمبر کمزوروں اور غریبوں پر شفقت کرتے تھے۔ یہ ہو سکتا تھا کہ انھیں اپنی بے پروائی پر افسوس ہو۔ ممکن تھا کہ وہ اپنی عجلت پر متاسف ہوں لیکن سورۂ عَبَسَ سے کچھ اور ظاہر ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کو ملامت کی جا رہی ہے ایسی ملامت جس کا نقش کبھی محو ہونے والا نہیں۔ ایسی ملامت جو عدالتِ الٰہی کا زندہ اور کبھی نہ مٹنے والا ثبوت ہے۔ اس وحی کا اعلان کرنے کے بعد نبی کریم صلعم نے اپنی صداقت شعاری کا ایک ثبوت پیش کر دیا۔ اگرچہ یہ وحی خود ان کے خلاف ایک غیر فانی فیصلہ کے مترادف تھی۔ خدا کی مرضی کے آگے بخوشی سر خم کر دینا! یہ ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے اپنی مرضی کو منشائے الٰہی پر قربان کر دیا تھا۔

دوسرا موقع وہ تھا کہ جب قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تھے۔

مسلمانوں کی قلیل جماعت منتشر اور متفرق ہوگئی تھی۔ اور ان کے وطن مالوف مکہ کے تمام باشندے مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
ان حالات میں ایک افواہ مشہور ہوتی ہے کہ پیغمبر نے اپنے دشمنوں سے کچھ رعایت کی ہے اور قریش کو ایک آیت سنائی ہے جس میں ان کے خاص معبود اصنام لات۔ منات اور عزّیٰ کا ذکر عزت کے ساتھ کیا گیا ہے اور اسکے معنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصنام بھی خدا کے پاس بندوں کے شفیع ہوسکتے ہیں۔ قریش اس افواہ کو سُن کر خوش ہوجاتے ہیں۔ وہ محمدؐ کے خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اور بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ مخالفت و معاندت کے گذشتہ ایّام میں ان کی خواہش اس کے سوائے کچھ نہ تھی۔ کہ پیغمبرؐ ہمارے معبودوں کی عزت و حرمت کرے اور کم سے کم یہ کہ ان اصنام کو فروتر درجہ کے معبودوں میں شامل رہنے دیا جائے۔ اہل مکہ پھر متحد و متفق ہوجاتے ہیں اور نبی کریم صلعم کو رہبر و تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ قریش ان کی ذات پر فخر و مباہات کرتے ہیں آداب و احترام بجالاتے ہیں۔
لیکن اہل مکہ کی مسرت کچھ زیادہ عرصے کر نہیں آئی۔ نبی کریم صلعم کو جلد علم ہوجاتا ہے اور حقیقت حال کا علم ہونے کے بعد کیا یہ تمام ترغیبات آپ کو اظہار حق و صداقت سے ایک لمحہ کے لئے باز رکھتی ہیں؟ کیا باطل پرستوں سے کوئی سودا اور سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے؟ کیا حق کو باطل کے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ کیا اہل مکہ کی اطاعت و انقیاد کے نتائج کا تصوّر نظر انداز کرنے کے لائق ہے؟ کیا نبی کریم صلعم اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اعلان حق میری شہرت پر بُرا اثر ڈالے گا؟ کیا اظہار حقیقت سے قریش کی عداوت کا سخت تر ہوجانا یقینی نہ تھا؟ کیا یہ امر نبی کریم صلعم

کے نزدیک بدیہی نہ تھا۔ کہ قریش بنو ہاشم اور خود میری ذات پر اسکے بعد وہ چند ظلم کرینگے؟ نبی کریم صلعم نے تمام امکانی عواقب ونتائج سے بے نیاز ہوکر بلا تامل یہ اعلان کر دیا۔ کہ اصنام کعبہ کو ربّ اکبر کا شریک ٹھیرانا شیطان کا کام ہے۔" آپ نے فرمایا کہ" خالی ناموں سے زیادہ ان اصنام کی کوئی حقیقت نہیں۔ جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے ایجاد و اختراع کئے ہیں۔ اور اس کے لئے انسان کو کوئی اجازت نہیں دی گئی "۔

اس فعل کو لغزش سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بفرض محال اگر یہ لغزش ہی تھی تو جس قدر جلد آپ نے غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں اعلان حق کیا۔ اس کے باعث نہ صرف زائل شدہ اثر ہی بحال ہو گیا بلکہ آپ کی سیرت زیادہ تابناک اور درخشاں ہو گئی۔

اس اعلان کے بعد کہ" دختران ماہ" محض انسانی تخیل کی مخلوق ہیں مسلمانوں کی تعذیب کے سلسلہ کی تجدید ہو گئی۔ اور ان پر پورے جوش کے ساتھ مظالم ڈھائے جانے لگے۔ دونوں جماعتوں کے درمیان خصومت کا سلسلہ مزید ایک سال تک جاری رہا۔ لیکن کسی فریق کو اس کشمکس میں نمایاں فتح حاصل نہ ہو سکی۔ بنی ہاشم اور نبی کریم صلعم شعب ابی طالب میں محصور ہیں۔ دشمن نزدیک ہی راستہ کی نگرانی کر رہے ہیں اس حالت میں اگر بعض ہمدرد خفیہ طور پر مدد نہ دیتے تو محصورین کا فاقہ کشی میں مبتلا ہو جانا یقینی امر تھا۔ صرف ایام حج میں محصورین کو قدرے آزادی حاصل ہو جاتی تھی۔

حبش میں جن مسلمانوں نے پناہ لی تھی۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ مکّہ جلد اصنام کے وجود سے پاک ہو۔ آخر ایک افواہ مشہور ہوئی کہ اہل مکّہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس پر یقین کر کے تیتیس مہاجرین کی ایک جماعت فوراً عرب کو

روانہ ہوگئی۔ ساحل عرب کے قریب پہنچکر انھیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ بدستور بت پرستی میں مبتلا ہیں اور ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی افواہ غلط ہے۔

اس اثناء میں ایک غیر متوقع واقعہ کے باعث کشمکش چند روز کیلئے ملتوی ہو جاتی ہے۔ ایک کیڑے نے اس چمڑے کو چاٹ لیا جس پر مسلمانوں کے شہر بدر کئے جانے کا حکم لکھا ہوا تھا۔ معاندین اس کو نبی کریم صلعم کی خفیہ سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کو یقین ہے کہ یہ واقعہ مشیت الٰہی کے ...... آثار میں سے ہے یہ خبر دور و نزدیک مشہور ہو جاتی ہے اور اہم اثرات پیدا کرتی ہے۔ نبی کریم صلعم ابی طالب سے فرماتے ہیں "چچا صاحب۔ خداوند تعالےٰ نے قریش کے حکم پر ایک چھوٹے سے کیڑے کو فتح دی۔ اس تحریر میں عدل و انصاف کا جو خون کیا گیا تھا اسے کیڑا چاٹ گیا۔ صرف اللہ کا نام رہ گیا ہے جسے قابل احترام سمجھ کر کیڑے نے چھوڑ دیا۔"

ابو طالب اکابر قریش کو مخاطب کر کے کہتے ہیں "اگر محمدؐ کا بیان صحیح ہے تو آپ ہمارے قبیلہ کے خلاف انتقام کی تلوار بلند نہ کریں اور اپنے سینوں میں نفرت کی بھڑکنے والی آگ کو بجھا دیں۔ اگر تحریر کے متعلق یہ بیان صحت سے عاری ہے تو میں محمدؐ کو آپ کے حوالہ کر دوں گا۔ اس حالت میں جو سلوک آپ چاہیں اسکے ساتھ روا رکھیں۔"

اکابر قریش اس امر کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جلد جلد کعبہ میں جمع ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ایک کثیر ہجوم ہو جاتا ہے۔ چمڑے پر لکھے ہوئے حکم کے متعلق نبی کریم صلعم نے جو کچھ فرمایا تھا مشاہدہ سے حرف بحرف صحیح ثابت ہوتا ہے۔ کیڑے نے اللہ کے نام کے سوا تمام تحریر کو چاٹ لیا تھا

ابو طالب یہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ بنو ہاشم کو شہر بدر کئے جانے کا علم منسوخ
ہو جاتا ہے۔ ان کے دوست قلعہ کے دروازہ پر پہنچکر استقبال کرتے ہیں
وہ خوش خوش شہر میں اپنے مکانوں میں واپس آتے ہیں۔ نبی کریم صلعم اور
ان کے متبعین اور متوسلین کے قلوب میں شادمانی کی ایک لہر دوڑ رہی ہے
لیکن یہ مسرت اور شادمانی ناپائیدار نکلتی ہے۔ اس لئے کہ ابو طالب پیرانہ
سالی میں یکایک علیل ہو گئے۔ اور ان کا بستر علالت بستر مرگ نظر آنے لگا۔
ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن نبی کریم صلعم کے ساتھ پدرانہ
شفقت سے پیش آتے تھے۔ آنحضرت صلعم کو ان کے سایۂ دامن میں پناہ ملی
تھی۔ اگر قریش نبی کریم صلعم کی توہین کے کسی فعل سے باز رہے تھے۔ تو
محض ابو طالب کے پاس خاطر سے۔ اگر انھوں نے اپنے دین و آئین کے
تحفظ کے لئے تلواریں بے نیام کرنے میں پس و پیش کیا۔ تو اسکا سبب
ابو طالب کے احترام کے سوا کچھ نہ تھا۔ ابو طالب کو نبی کریم صلعم سے حقیقی
باپ سے بھی زیادہ الفت تھی۔ اگرچہ نبی کریم صلعم انھیں جادہ اصنام پرستی
سے منحرف اور دائرہ اسلام میں داخل نہ کر سکے۔ لیکن اس کے باوجود
وہ اپنے چچا کی نظروں میں محبوب و محترم تھے۔ ابو طالب اور انکے خاندان
کے دوسرے افراد کو نبی کریم صلعم کی سیرت کے مطالعہ اور مشاہدے کے
لئے بہترین مواقع حاصل تھے۔ یہ لوگ اخلاق و اغراض کو اچھی طرح سمجھ اور
جانچ سکتے تھے۔ انھیں نبی کریم صلعم کے متعلق خود آرائی کا شک ہوتا تھا۔
ان کا خیال تھا کہ بعض حضرت رساں شورشوں کے متعلق نبی کریم صلعم کا
نظریہ غلو پر مبنی تھا لیکن اس شک کے باوجود وہ انکی صداقت شعاری
ایثار اور اخلاص مندی کے معترف اور مداح تھے۔ نبی کریم صلعم نے آخر

وقت میں ابو طالب کو اسلام کی تلقین کی۔ تو اس پر انھیں کوئی حیرت یا آزردگی نہیں ہوئی۔ ابو طالب نبی کریم صلعم کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا۔ "ممکن ہے کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہو۔ لیکن ابو طالب کی نظر میں تو وہ عبداللہ کا پیارا بچہ ہے جو اسکے گھٹنوں پر کھیلا کرتا اور کندھوں پر چڑھا کرتا تھا۔ محمدؐ! میں بخوشی تمہارا کہنا قبول کر لیتا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ قریش کہیں کہ ابو طالب موت کے خوف سے مسلمان ہو گیا۔" ابو طالب کے ہونٹ بند اور آثار مرگ طاری ہو گئے۔ بہر حال اس واقعہ سے ان کی اخلاقی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے

چمنستان حیات کی اسی بہاریں دیکھنے کے بعد ابو طالب جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئے۔ مسلم اور غیر مسلم انکے سانحۂ ارتحال پر یکساں سوگوار تھے۔ ان کی فراخدلی شجاعت۔ دیانت اور عزم راسخ کے افسانے زبان زد تھے۔ اہل مکہ دو نسلوں سے ابو طالب کی غیر جانبداری فرزانگی اور قابلیت پر اعتماد کرتے آئے تھے! اور انہیں ہر لحاظ سے عبدالمطلب کا لائق جانشین تصور کرتے تھے۔

نبی کریم صلعم کو ابو طالب کی وفات کا صدمہ اس سے زیادہ تھا جتنا کہ ایک محبت کرنے والے چچا کی دائمی جدائی سے ہوتا ہے ابو طالب قریش کی مخاصمانہ کارروائیوں کے سیلاب کو ایک مستحکم بند کی طرح روکے ہوئے تھے انکے جیتے جی نبی کریم صلعم کو اپنی اور دوستوں کی حفاظت جان کے متعلق کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن ابو طالب کی شمع حیات کے گل ہوتے ہی نبی کریم صلعم کو مستقبل کی تاریکیاں نظر آنے لگیں۔

(۱۲)

نبی کریم صلعم کا دل ابو طالب کی وفات سے ملول ہے گذشتہ ہفتے ابو طالب

خوب تندرست اور خوش وخرم انکے قریب موجود تھے۔ گذشتہ زمانے کے متعلق باتیں کرتے تھے اور روشن مستقبل کے متعلق یقین رکھتے تھے لیکن آج وہ بے حس وحرکت برف کی مانند سرد اور خاموش کنج لحد میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے رحم چیونٹیاں اُن کی ہم نشین ہیں۔ گرم اور خشک ریت ان کا بستر ہے۔ نبی کریم صلعم ان چالیس سالوں کا تصور کرتے ہیں۔ جو ابو طالب کے ظلِ شفقت میں بسر ہوئے۔ ابو طالب ان سے پدرانہ سلوک کرتے تھے اور نبی کریم صلعم بھی انھیں والد کی جگہ سمجھتے تھے۔ ان تمام واقعات کو یاد کرکے نبی کریم صلعم کا دل بھر آیا۔ اور آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے باوجود آپ بشر تھے۔

اسی سال اور مصائب کا بھی سامنا ہوا۔ ابو طالبؓ داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اور اب حضرت خدیجہؓ کی زندگی کا پھول کملاتا ہوا نظر آتا ہے، عجیب طرح کی باتیں ان کی زبان پر جاری ہیں۔ وہ اپنی موت کا تذکرہ کررہی ہیں۔ اور ان باتوں سے نبی کریم صلعم کا قلب غمگین اور مجروح ہورہا ہے۔ مکان کے صحن میں حضرت علی اور حضرت ابو بکر تشویش انگیز لہجہ میں گفتگو کررہے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ جانکنی میں مبتلا ہیں۔ حضرت فاطمہ پریشان ہیں۔ نبی کریم صلعم کو معلوم ہے کہ یہ چند ساعتیں نہایت قیمتی ہیں۔ اب صرف چند ساعتیں ہیں جو جہان فانی میں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ بسر کی جاسکتی ہیں۔ آپ ان ساعتوں کو خواب میں ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ یہ ایک صاف اور معتدل رات ہے جبکہ روح تاروں بھرے آسمان کی وسعت کے نیچے اپنی کمزوری اور بے مائیگی کو محسوس کرتی ہے۔ آسمان پر بادل چمک رہا ہے جسکا نقرئی عکس

گنبد دار چھت پر اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ گویا سطح سمندر پر برگ ہائے گل بکھرے ہوئے ہیں۔ ہوا کی نرم آہیں اُس کی اپنی جانکنی کی آواز معلوم ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظارہ ہے جسے پیغمبر خدا صلعم نے اپنی زندگی اور محبت کی ساعتوں میں کئی بار دیکھا۔ اور اس سے حظ حاصل کیا ہے۔ یہ رات ایام گذشتہ کی دلفریب یاد کو تازہ کرتی ہے۔ یہ اُن دونوں کی یاد کا تصوّر دلاتی ہے جبکہ ابتدائے شباب میں آپ نے اپنی محبوب خدیجہؓ سے شادی کی اور دونو سفرِ حیات پر روانہ ہوئے۔ جبکہ مصائب آمیز مستقبل کا وہم وگمان نہ تھا۔ یہ رات اُن واقعات کی یاد دلاتی ہے جو دونوں کے لئے عزیز ہیں۔ مثلاً ان کے بچوں کی پیدائش۔ اعتماد باہمی کی ساعتیں اور محبت کے راز و نیاز۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُن منازل اور مواقع کو یاد کرتے ہیں۔ جو اُنھیں پیش آئیں۔ مصیبتیں جو انھیں برداشت کرنی پڑیں۔ راہ حیات جس پر دونو گامزن ہوئے۔ اب بھی آپکا ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر جھریاں پڑ رہی ہیں۔ لیکن آپ کے لئے حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ ملائم اور گرم ہے۔ آپ ان کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی آنکھیں اپنی شدت غم کا اظہار کر رہی ہیں۔ وہ اپنے پپوٹوں کو بھاری محسوس کر رہی ہیں۔ اُن کا ذہن منتشر ہو رہا ہے۔ اور وہ عالم خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک زبردست فوج کی قیادت میں مکہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ فتحمندانہ ترانوں اور نقاروں کی آواز سنتی ہیں۔ آنحضرت صلعم کا قدم کیا ہی تیز اور مسرت آگین ہے آپ دروازہ میں کھڑی حضور کی آمد کو دیکھ رہی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا انکے بالوں کو منتشر کر دیتا ہے۔ اور ایک ہزار زبانوں سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔

ابدی آرام کی ساعت آپہنچی

تیسرا باب

مہاجر

زندگی بسرعت گذر رہی ہے۔ اُفق پر فریب اور سراب اس کا تعاقب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مقدس شخصیت کتب الوہیت کی پیشگوئی اور قلب انسانی کی وہ آرزو ہے جو ابھی تک پوری نہیں ہوئی تاریخ کو کتنا ہی احتیاط کے ساتھ رجانچا جائے۔ ہمیں ایسی شخصیت نہیں ملے گی تاریخ میں ہمیں محیر العقول فراست رکھنے والا پولس ملے گا۔ اچھے اور شاندار آدمی ملیں گے۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا جامع اوصاف شخص نظر نہیں آئے گا جس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہوں۔ تاریخ کو اس عظمت رزمیہ نے بگاڑ دیا ہے۔ جو گلیل کے ایک سادہ واعظ کی روایتی داستان مرگ سے وابستہ ہے لیکن اگر عقل حواس پر فتح پانا چاہتی ہے۔ اور ایسے پیکر اخلاق کو تلاش کرتی ہے جس میں شاہ و گدا منصف اور مشیر کی صفات مجتمع ہوں۔ جو حیوانات کی تمام صفات پر حکومت کرے۔ جو چشموں۔ دریاؤں۔ ہواؤں۔ ستاروں اور فطرت کی ابدی قوتوں کی روح سے لگا کھائے اور جو نوع انسان کے لئے ایک قابل تسلیم اور عالمگیر نشان ہو۔ تو ایسی ہستی ابھی منکشف نہیں ہوئی۔ البتہ محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر صحرا اس نمونۂ کمال ہستی کے بہت قریب ہیں۔

انسانی ذہن ترقی پسند ہے۔ اسے اعادہ تکرار اور جدید چیزیں پیدا کرنا پسند ہیں۔ اس لئے فنون لطیفہ میں حقیقی نصب العین تخلیق ہوتا ہے نہ کہ ایجاد۔ ایک قدرتی منظر کی تصویر بنانے میں مصور فطرت کی شان بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ قدرتی منظر نہیں ہوتا۔ جسے اُس نے دیکھا ہے بلکہ ایسا نقشہ ہوتا ہے جیسا اسکے خیال میں ہونا چاہیئے۔ ظلمت حقیقی ظلمت سے ذرا زیادہ گہری ہوتی ہے اور دھوپ ذرا تیز۔ اس کا دل رنگ و روغن میں منہمک ہوتا ہے۔ وہ تصویر میں ایسی چیزیں دکھاتا ہے۔ جو اس کے زمانہ میں موجود اور اس کی قوم میں مروّج ہوتی ہیں۔ کوئی شخص اپنے آپ کو اپنے ماحول سے بالکل آزاد نہیں کر سکتا۔ یا اپنے عہد کی تہذیب سے بالکل جداگانہ طرز کی تہذیب پیش نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کتنا ہی اصلیت پسند مرضی کا مالک یا متعصب کیوں نہ ہو۔ اس کی بنائی ہوئی تصویر میں اسی ہوا کے آثار پائے جائینگے۔ جس میں وہ سانس لیتا ہے۔ وہی خاک ہوگی۔ جس پر وہ بستا ہے۔ اور وہی خیالات ہونگے۔ جن کے اندر اس کی تربیت ہوئی ہے۔

لیکن مصوّر کی خصوصیت روانی ہے نہ کہ انجماد۔ مصوّر رنگ آمیزیوں ہی پر نہیں لگ جاتا۔ بلکہ اسکے سرخ۔ سبز۔ زردی آمیز۔ نیلگوں رنگ اپنے اندر معنی رکھتے ہیں۔ یہ تمام رنگ خیالات کے مظہر ہوتے ہیں۔ مصوّر رنگوں کے اسی پرانے بکس۔ فرسودہ موقلم مانوس طبع رنگوں سے ایسے نمونے تیار کرتا ہے جو اسکے خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ یہ دنیا حقیقت کی پیدائش ہے۔ خیال اور فطرت کے ازدواج کی اولاد ہے۔ قدیم ابدی روح کا بچہ ہے بے اندازہ

کائنات کا ایک ذرہ ہے۔ اسے خیال کیجئے۔ معجزہ سمجھئے یا انکشاف تصور کیجئے۔ اس کی تکرار مسلسل اسے مانوس عام نہیں کر سکتی۔ اس کے متعلق دریافت کرنے والا متحیر رہ جاتا ہے۔ یہ تمام موجودات کی وراثت ہے۔ یہ غیر موجود کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور اسی طرح قرآن کریم سورت بہ سورت نازل ہوا۔ جو فن انشاء کا ایک معجزہ ہے اور انکشاف حقیقت۔ اس کا سلسلۂ انتساب ان پیغمبروں سے ملتا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اور یہ خود پیغمبروں کی آخری کتاب ہے تحمل و مفاہمت خیر و محبت کے نظریۂ مذہب میں ایک نیا چشمہ پھوٹتا ہے۔ یہ قبائلی حب الوطنی اور قبائلی معبودوں کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ یہ سب سے بڑا خدا رب العالمین مالک کون و مکان کو قرار دے دیتا ہے۔ خالق دنیا کا عقیدہ یکبارگی سب کو ایک بلند مقام پر نظر آتا ہے۔ فاصلہ۔ زمان و مکان اور نسل وغیرہ فنا کے گھاٹ اُتر جاتا ہے۔ اسلام کا خُدا سب کا خُدا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قبیلوں کا خدا نہیں۔ وہ دنیوی جانبداری سے پاک ہے۔ اس نے کسی قوم کو اپنا برگزیدہ نہیں بنایا۔ وہ کسی خاص طرز عمارت یا زبان کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ وہ خوشبوؤں کی تحریص میں نہیں آتا۔ نہ حادثات و افلاس سے متعرض ہوتا ہے۔ جدھر رُخ کرو، اس کا چہرہ نظر آئے گا۔ اس کی خاص صفات یہ ہیں کہ وہ رحیم و رحمٰن ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں کتنا جوش پایا جاتا ہے۔ وہی ہے تمہارا خدا تمام چیزوں کی ہستی اسی کی وجہ سے ہے۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے وہ تمام دنیا کا خالق ہے۔ اُسی کی بڑائی بیان کرو۔ وہ تمام چیزوں کو پیدا کرتا ہے اور

پھر خود ہی فنا کرتا ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ جو تم نہیں جان سکتے۔ وہ بہت ہی مہربان ہے۔ اور اس کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے۔ وہی خالقِ کون و مکان ہے۔ اسی نے صبح کو بنایا ہے اور رات کو آرام کے لئے پیدا کیا ہے۔ چاند اور سورج اسی کے حکم سے گردش کرتے ہیں اور ستارے بنائے تاکہ تمہاری رہنمائی کریں۔ وہی بادلوں کو بارش کے لئے بھیجتا ہے اسی نے کھجوروں کے درخت پیدا کئے۔ وہی آسمانوں اور زمینوں کا بہترین خلاق ہے

قرآن کریم میں صرف ایک ہی جگہ یہ ذکر نہیں آیا۔ بلکہ اس میں ایک ہزار ایسے مقامات ہیں جن میں خُدا کی پاکیزگی۔ اس کی بخششوں اس کی رحمتوں کا تذکرہ کیا گیا۔ خدا کو خالق اور قہار۔ حافظ و ناصر کہا گیا ہے۔ وہ مصیبتوں سے پناہ دینے والا یاس میں امید انجشنے والا۔ نیکیوں کا بدلہ دینے والا۔ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

قرآن کریم صرف خدا کی تعریفوں ہی کا خلاصہ نہیں بلکہ یہ ایک ضابطۂ اخلاق ہے جس میں انسانوں کے تعلقات باہمی کو منضبط کیا گیا ہے۔ اور جو زندگی کے پُرخطر راستہ کے لئے شمع ہدایت ہے۔

ہر چیز کو بہتری پر محمول کرو۔ حماقت سے بچو۔ شیطان کو اپنے نفس پر قابو پانے اور بدی کی طرف نہ لے جانے دو۔ خدا کی طرف رجوع کرو۔ یتیم کے مال کو نہ چھوؤ۔ افلاس سے ڈر کر اپنے بچوں کو ہلاک نہ کرو۔ کسی کے مال میں خیانت نہ کرو۔ مال کا احترام ملحوظ رکھو۔ زناکاری اور حرام کاری سے اجتناب کرو۔ کسی کو بُری نظر سے نہ دیکھو۔ عورتوں کو اپنے اقربا کے سوا کسی کے سامنے آرائش نہ کرنے دو۔ خودنمائی سے پرہیز کرو۔ خیرات دو۔ نماز پڑھو۔ ماں باپ کی عزت اور خدمت کرو۔ ظاہرا یا خفیہ فسق سے بچو۔ ناانصافی اور تندمزاجی نہ دکھاؤ۔ خدا

سے عفو چاہو۔ اور اس کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ رحیم اور قابل محبت ہے تنہائی اور خلوت میں اللہ کو یاد کرو۔ یہ ہیں قرآن کریم کی مختصر تعلیم۔

نماز کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا" پاک کلام کا جتنا حصہ تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تلاوت کرو۔ اور نماز کو قائم کرو۔ کیونکہ نماز صحیح طور پر بدی اور آوارہ مزاجی سے بچاتی ہے۔ خدا کی یاد تمہارا مقدس ترین فرض ہے۔"

طویل۔ دقیق اور پیچیدہ دعائیں کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ نئے مذہب کی نماز کی خصوصیت اس کی سادگی ہے۔ اس کا مقصد اسے نماز پڑھنے والے کے خلوص دل اور رفعت اخلاق کا ذریعہ بنانا ہے۔ پیغمبرؐ اپنے کو کوئی خاص رتبہ نہیں دیتا۔ اور نہ علم روحانی کے اجارۂ کلی کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ کوئی خاص مذہبی جماعت قائم کرکے خدا اور بندے کے درمیان واسطہ بننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ خدا کے سامنے ہر شخص اپنا آپ پیشوا ہے اور چونکہ پیغمبرؐ دوسروں کی طرح محض انسان ہے۔ اسلئے خدا اور اس کے بندے کا ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کیا گیا ہے۔ معبود کو مائل بہ کرم کرنے کے لئے کسی قربانی۔ رسم۔ سحر۔ آلہ۔ خوشبو اور مندر کی ضرورت نہیں۔ صحرا کی ریت اور پتھر۔ کنار دریا۔ سایہ درخت اور ہر ایسی جگہ جو خدا کے نیلگوں آسمان کے نیچے واقع ہے۔ ایک عبادت گاہ ہے جسے محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے لئے قیام کیا جس کے متعلق آپ اپنی قوم کے درمیان وعظ کہتے ہیں اور یہ ہے وہ عبادت گاہ جسے قریش ترک کر چکے ہیں۔ اور جس کے لئے وہ اب تکلیفیں دے رہے ہیں۔

---

(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پیغمبری کو دس سال گذر چکے ہیں لیکن آپ کی تبدیلیٔ بخت کے نشانات ابھی تک پیدا نہیں ہوئے آپ کے وفادار رفقا مختلف مقامات پر منتشر ہیں۔ بعض نے شاہ حبش کی دوستانہ حفاظت میں پناہ لے رکھی ہے۔ بعض جان کے خوف سے مکہ چھوڑ کر نامعلوم مقامات کو چلے گئے ہیں۔ ابو طالب اور خدیجہؓ انتقال کر چکے ہیں۔ قریش کا جذبۂ نفرت پہلے کی بہ نسبت زیادہ بھڑک رہا ہے۔ رشتۂ خون مدت سے فراموش ہو چکا ہے۔ کعبہ کے معبود خدا کے ساتھ مصروف پیکار ہیں انسان اور قسمت متحد معلوم ہوتے ہیں۔

کیا اس ظلمت مایوسی میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیدل ہو جاتے ہیں؟ کیا آپ فرطِ الم میں اپنے خدا سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ انھیں کیوں چھوڑ گیا ہے؟ کیا آپ اپنی ماموریت سے بے اعتماد ہو جاتے ہیں۔

آپ صدائے قرنا کی طرح پورے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں "اب یقیناً خدا کے دوستوں کے لئے کوئی خوف کا مقام نہیں۔ اور نہ انھیں کوئی غم ہوگا" آپ کے نزدیک مخالفت خواہ کتنی ہی زبردست ہو۔ جو کسی کتنی ہی ہولناک ہو لیکن فتح بہر حال حاصل ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالے جنگ کر رہا ہے۔ اور وہ مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے عہد کے مسلمان اور خود آپ خواہ معدوم ہو جائیں۔ لیکن اسلام ضرور فتحمند ہوگا۔ آپ کو یقین ہے کہ "منکروں اور مشرکوں کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

آپ فرماتے ہیں "اے منکرو، سنو۔ میں اس کی خدمت نہیں کرتا جسکے

غلام تم ہو۔ نہ تم اس کی خدمت کرتے ہو۔ جس کا میں بندہ ہوں۔ نہ میں اس کے سامنے سر جھکاؤں گا جس کی تم بندگی کرتے ہو۔ نہ تم اسکے سامنے سر تسلیم خم کروگے جس کا میں ایک عاجز بندہ ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا اجر اور میرے لئے میرا۔

اگر حکمت زیادہ تر ظرف استقلال پر مشتمل ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلےٰ ترین حکیم ہیں۔ حوصلہ شکنی۔ دشواریٔ کار اور طویل جدوجہد کے باوجود حضورؐ مایوس اور بے دل نہیں ہوئے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ اسلام کا خدا ناقابل انکار ہے۔ آپ سورج کی ہر شعاع میں۔ لہراتے ہوئے بادل میں۔ ہر خیال آوارہ میں خالق اکبر کی قدرت مطلق کا شان دیکھتے ہیں۔ ہر پہاڑی کی چوٹی حق کی طرف انگلی اٹھا رہی ہے۔ آپ کے لئے وہ چیزیں جنھیں دنیاوی معیار کے مطابق موت یا غم یا ناکامی کہتے ہیں۔ اپنے اندر کوئی خوف دہشت نہیں رکھتیں۔ آپ کو ڈر ہے تو صرف یوم حساب کا۔ آپ کو یقین ہے کہ آپ خدائے وحدہٗ لاشریک کا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ آپ کی تمام کوششیں اس مقصد پر مرکوز ہیں۔ آپ کے نزدیک زندگی موت تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اور تمام چیزوں کی ابتدا خدا سے ہے۔ الغرض قسمت کے انقلابات سے مستغنی ہو کر آپ اپنی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

طائف عربستان کے اہم شہروں میں سے ہے۔ جو مکہ سے قریباً بیس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طائف ایام تجارت ہی سے مرغوب ہے۔ یہاں آپ ابو طالب اور خدیجہؓ کے مال کی تجارت اچھے منافع پر کرتے رہے تھے۔ اور وہاں کے باشندوں نے آپ کی بہت

خاطر و مدارات کی تھی۔ یہ مقام کئی اور وجوہ سے بھی دلچسپ ہے۔ اس کا گرد و نواح زرخیز ہے۔ حملہ کی صورت میں یہاں سے بہ آسانی مدافعت کی جا سکتی ہے۔ یہاں کے باشندے بہادر اور محنتی ہیں۔ اگر مکہ نے اپنے کان بند کر لئے ہیں۔ تو شاید طائف پیغام اسلام کو قبول کرلے۔ اور اسکے پیغمبر کو پناہ دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفادار زید کی معیت میں یہاں پہنچتے ہیں اور دلیری کے ساتھ شہر کی پنچایت کے سامنے اپنا پیغام سناتے ہیں۔ خاص طور پر عمرو کے بیٹوں مسعود اور حبیب سے مخاطب ہوتے ہیں۔ آپ اپنے خدا کی قدرتوں اور اسکی مخلوق کے عجائب کی شاندار تصویر کھینچتے ہیں۔ اور بڑے اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں "میں محمدؐ اس کا پیغمبر ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ میں آپ کے سامنے اسلام کا وعظ کہوں"۔ بہرحال نتیجہ حوصلہ شکن ثابت ہوتا ہے۔

پنچایت میں سے ایک شخص کہتا ہے "اگر خدا ہمارا مذہب تبدیل کرنا چاہتا ہے تو وہ تمہاری اعانت کے بغیر کرسکتا ہے۔

دوسرا شخص کہتا ہے۔ مجھے پوچھو تو میں یہ کہوں گا کہ اگر تم فی الحقیقت رسول خدا ہو تو میں تمہارا ابطال نہیں کروں گا۔ کیونکہ تم ایسی اہم شخصیت ہو کہ ایک فانی انسان بحث کے ذریعہ تمہارا اندازہ نہیں کرسکتا۔ بہرحال اگر تم جعلسازی کر رہے ہو تو تم ہمارے جواب کے قابل نہیں ہو۔

نبی کریم صلعم خاموشی کے ساتھ پنچائیت سے باہر نکل جاتے ہیں۔ لیکن اہل طائف اپنی بےہودگی سے آپ کو مایوس کر دینے پر ہی مطمئن نہیں ہوتے بلکہ آپ کے پیچھے آوازے کسنے شروع کر دیتے ہیں "نکل جاؤ احمق! یہاں سے دور ہو جاؤ"۔ ایک گروہ تعاقب کر کے آپ پر اینٹ پتھر پھینکتا ہے،

آپ ایک غضب ناک ہجوم کے تعاقب سے جان بچاکر بھاگتے ہیں۔ یہ ایک ایسے لوگوں کا ہجوم ہے جسے حضورؐ نبی کریمؐ نے کبھی ناراض ہونے کا موقع نہ دیا تھا۔

بالآخر آپ اور زید ایک باغ میں پناہ گزین ہوتے ہیں۔ جہاں زید اپنے آقائے نامدارؐ کے چہرے سے خون پونچھتا ہے اور ٹانگوں کے زخموں پر پٹیاں باندھتا ہے۔

جس وقت آپ زید کے ساتھ اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ مکہ کو اونٹ پر سوار ہو کر واپس جانا چاہیئے یا پیدل۔ ایک غلام عداس نامی آپ کے لئے انگوروں کا ایک گچھا لے کر حاضر ہوا۔

آپ نے دریافت کیا۔ "یہ کس نے بھیجا ہے"۔

عداس نے جواب دیا۔ "میرے آقا عتبہ بن راحیہ نے جو اس باغ کا مالک ہے اس نے آپ پر رحم کھایا ہے"۔

آپ نے یہ فرما کر کہ "میری طرف سے اپنے آقا کا شکریہ ادا کرنا"۔ انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور "بسم اللہ" کہکر چند دانے مُنہ میں ڈالے۔

تھوڑی دیر کے بعد عداس نے دریافت کیا۔ "آپ نے انگور منہ میں ڈالنے سے پہلے "بسم اللہ" کیوں کہا۔

حضور نے جواب دیا۔ "اسکے معنی ہیں اللہ کے نام سے"۔

اس کے بعد آپ نے عداس کو اس کا مطلب سمجھایا۔ اور کہا کہ کھانا شروع کرنے یا کسی کام کی ابتداء کرنے سے پہلے اللہ کو یاد کرنا ہر اچھے مسلمان کا فرض ہے کیونکہ مسرت و کامیابی عنایت الٰہی کے ثمرات ہیں۔

عداس نے جو ایک نصرانی ہے کہا۔ "پھر تو آپ کا دین بالکل ہمارے

دین کی طرح ہے۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔" عداس قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔ قل ھواللہ احد اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہٗ کفواً احد۔

عداس مسلمان ہو جاتا ہے۔

روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں سے طائف کی گرد جھاڑتے ہیں۔ آپ کا دل بھرا ہوا ہے۔ آپ پکار اٹھتے ہیں"۔ یا اللہ العظیم۔ میری کمزناتوانی اور میری سرگرمیوں کی کمزوری کا اظہار کرتی ہیں۔ اور اس بغض کی مظہر ہیں جس سے لوگ مجھے دیکھتے ہیں۔ میں سوائے اسکے کسی بات کی پروا نہیں کرتا۔ کہ میں تیری پناہ میں ہوں۔ اور کبھی تیرے غضب کا مستوجب نہیں ہوتا۔"

آپ کے الفاظ واضح ہیں۔ آپ شکایت نہیں کرتے۔ اور اپنے کام کو جاری رکھنے پر آمادہ ہیں۔ آپ مایوس نہیں۔ صرف اپنی سرگرمیوں کی کمزوری پر متاسف ہیں۔ آپ کے اصول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور نہ آپ کے عزم راسخ میں ضعف نمودار ہوا ہے۔ آپؐ صرف اس بات کی تسلّی چاہتے ہیں کہ آپ کے آقا کو آپ پر اعتماد ہے۔

(۱۳)

نبی کریم صلعم مکّہ واپس آگئے ہیں۔ القدر کا مہینہ ہے۔ آپ کی سرگرمیاں پہلے کی طرح جاری ہیں۔ سالانہ حج کی رسوم ادا کی جا رہی ہیں۔ مکّہ تیوہار کے لباس میں ملبوس ہے۔ خوشنما رنگ شوارع عام میں بہار دکھا رہے ہیں تمام مقامات کے لوگ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کی یادگار

منانے کے لیئے جمع ہیں۔ یہودی بت پرست و نصرانی ۔حج نے سوداگروں ۔ شاعروں۔ داستان گوؤں کا ایک اضافی مجمع اپنی طرف جذب کرلیا ہے۔
اس مجمع کثیر میں نیم حکیموں فلسفیوں اور خانہ بدوش درویشوں کے لیئے بہت مواقع ہیں۔ یہاں ایک پسماندہ مذہب کو مشہور کرنے کا بھی عمدہ موقع ہے۔ کیونکہ مہینے مقدس ہیں۔ اور نیک کاموں کے انجام پانے کا امکان ہے۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع کا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اِدھر اُدھر ہر جگہ تیزی کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ لوگوں کو جمع کرتے ہیں۔ اور کعبہ کے معبودان باطل کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں آپ متعدد عرب قبائل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں " اس شاندار گھر کے فرزندو میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو۔ اور غیر اللہ کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ میرے منصب کو تسلیم کرو۔ اور اسکی صداقت پر ایمان لاؤ۔"
اہل مکہ آپ کو جانتے ہیں اسلیئے مسکرا دیتے ہیں۔ انھوں نے یہ باتیں پہلے بھی سُنی ہیں۔ ان کے دل ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن اجنبی آپکی مسحور کن آواز سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ وہ آپ کی سیاہ آنکھوں کو دیکھتے ہیں جو کبھی شعلہ فشاں ہیں۔ اور کبھی اشکبار۔ کئی اشخاص یہ یقین کرنے پر رضامند ہیں۔ کہ آپ کا مذہبی نظریہ خواہ کچھ بھی ہو آپ ذاتی طور پر بے شبہ مخلص ہیں وہ آپ کو ایسا انسان پاتے ہیں جسے کوئی شخص دنیاوی خواہشات کا الزام نہیں دے سکتا۔ جو اپنے شکوک کو عقائد کے پردے میں نہیں چھپاتا۔ جو رازِ حیات اور حقیقت اشیاء سے خبردار ہے۔ آپ کے پیغام میں انھیں تقدس

کی جھلک نظر آتی ہے۔

گیارہ سال تک یونہی آپ کی روح کے سازسے پُرجوش موسیقی کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ چند سننے والوں کے سوا باقی کے لئے یہ ناپسندیدہ بے آہنگ اور بے ربط آوازوں کا مجموعہ ہے۔ اب یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کی فصاحت چند ہمدردانہ تاروں کو چھیڑتی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے جبکہ چھوٹے بچے سُننے کے لئے دوڑتے ہیں۔ اہل ثروت اور راسخ الاعتقاد نا اُمیدی اور مایوس لوگ اُمید محسوس کرتے ہیں۔ سُننے والے زیادہ سُننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ راستہ چلتے چلتے کھڑے ہوگئے ہیں۔ وہ اُسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ آپ کے دلائل ان سب کے لئے دلچسپ ہیں۔ آپ لوگوں کا اعتماد حاصل کر رہے ہیں۔ اب دنیا کا رُخ بدل سکتا ہے۔

ان پُرجوش وعظوں کے دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز یثرب کے چھ آدمیوں سے ملتے ہیں۔ شام کے وقت جبکہ آپ دن بھر کے کام سے تھکے ماندے ہیں جبکہ عقبہ کے سنگلاخ دامن میں آپ کو چھ شکلیں روحوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ یہ آپس میں مصروف گفتگو ہیں۔ آپ ان اجنبیوں سے مقابل ہوتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یثرب سے حج کعبہ کے لئے آئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام انھیں متوجہ کر لیتا ہے۔ آپ کی آواز میں قریش کی شائستگی جھلکتی ہے۔ اور انھیں دلچسپی ہو جاتی ہے۔ کہ دیکھیں یہ شخص اس شہر کے متعلق جس کی زیارت کو ہم جا رہے ہیں کیا کہتا ہے آپ مکہ کے لوگوں اور وہاں کے ارباب اقتدار کا حال بیان کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ ان سب کو بخوبی جانتے ہیں۔ یہ اجنبی سمجھ لیتے ہیں۔ کہ آپ بھی کسی خاص پایہ کے آدمی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مذہب کے متعلق اور اپنے متعلق اور ان ایذا رسانیوں کے متعلق جو آپ سے روا رکھی گئی ہیں۔ اور اپنے رفقاء کی حالت کے متعلق بھی کچھ بیان فرماتے ہیں۔ اجنبی آپ کی گفتگو کو پورے غور سے سنتے ہیں۔

نبی کریم صلعم دیکھتے ہیں کہ آپ کے الفاظ اثر کر رہے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ تک ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں تاکہ ان کو قرآن کریم سنانے کا موقع مل سکے۔ قریش ہونے کی حیثیت سے آپکی زبان کا فصیح عربی ہونا متوقع تھا۔ لیکن یہ عربی (قرآن کریم کی زبان) ایسی ہے کہ انھوں نے کبھی سنی نہ تھی بس یہی ہے وہ آدمی جس کے متعلق اہل کاروان کے ذریعے یورو شلم اور دمشق تک خبریں پہنچ چکی ہیں۔ یہی ہے محمدؐ خاتم النبیین جو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسےٰ کی جانشینی کا دعویدار ہے۔!

یثرب اس وقت اوس اور خزرج دو قبیلوں میں منقسم ہے۔ چھ آدمی جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے اسلام کا پیغام سُن رہے ہیں موخر الذکر قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کا اتحاد بعض ہمسایہ یہودی قبائل سے ہے انھوں نے اپنے یہودی دوستوں سے اکثر ایک مسیح کے ظہور پذیر ہونے کی پیشگوئی سنی ہے۔ دراصل یہودی تین پیغمبروں کے منتظر ہیں۔ حضرت عیسےٰ۔ ایلیا یہ ظہور ثانی۔ اور حضرت موسےٰ کی قسم کا ایک پیغمبر۔ یثربیوں نے سوچا کہ یوحنا اور یسوع تو آچکے لیکن ایک تو طائف کے جذبۂ عشق پر قربان کر دیا گیا۔ اور دوسرے کو ایک چور کی طرح سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اسلئے ممکن ہے کہ آنے والے تین پیغمبروں میں سے ایک آگیا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت موسےٰ کی یہ پیشگوئی کہ "میں انکے لئے ایک نبی ان کی برادری ہی سے پیدا کروں گا۔ اور اپنے

الفاظ اسکے مُنہ میں ڈال دوں گا۔" اس مکی دعویدار کی صورت میں پوری ہوئی ہو۔ یا شاید حضرت موسےٰ کی بجائے الیسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی ہو۔ یا ممکن ہے کہ یسوع کی یہ سفارش قبول کی گئی ہو۔ "اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور میرے احکام کو مدنظر رکھتے ہو۔ تو میں اپنے باپ سے التجا کروں گا کہ وہ تم کو ایک اور تسلی دینے والا بخشے"۔ اور اس لئے نہیں کہ کسی خاص شخص نے یسوع کے احکام کی پابندی کی ہے۔ بلکہ یونہی ایک تسلی دینے والا بھیجدیا گیا ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں یا نہ ہوں بہرحال یثربیوں کو دو باتوں کا یقین تھا۔ اول یہ کہ انکے ملک کو ایک آقا کی بے حد ضرورت ہے جو انھیں ایک جھنڈے تلے متحد کرے۔ جو صاحب ہمت اور اولوالعزم ہو۔ جو صداقت مآب ہو۔ اور ان متعدد بدیوں کا قلع قمع کر سکے جنھوں نے انکے معاشری نظام کو رسوا کر رکھا ہے۔ دوم یہ کہ انکے یقین کے مطابق انھیں صحیح آدمی مل گیا ہے۔ اور وہ آدمی مکہ کا رہنے والا "محمدؐ" ہے۔ اسلئے وہ یثرب واپس جانے کے بہت مشتاق ہیں تاکہ وہاں پہنچکر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور پیغام اسلام کا اعلان کریں۔

(۴)

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کا غم ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں موجود ہے۔ آپ نے ۲۵ سال تک حیات ازدواجی کی راحتوں اور رفاقتوں کا لطف اُٹھایا ہے۔ بعض مرد اور عورتوں کے لئے شادی ایک ناکامی ثابت ہوتی ہے۔ حضورؐ کی شادی ایک شاندار کامیابی اور

اور جسم و روح کا ایک مسرت افزا اتحاد تھا۔ لیکن آپ ہمیشہ کچھ تنہا تنہا سے رہے ہیں اور اب آپ کی تنہائی کچھ بڑھ گئی ہے۔ اپنی وعظ و تبلیغ اور مکاشفات کے بعد گھر واپس آتے ہیں۔ تو اسے حضرت خدیجہؓ کے حسن انتظام سے محروم پاتے ہیں۔ آپکے بچے آپکی طرف دوڑتے ہیں۔ وہ کچھ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کی اچھی طرح نگہداشت نہیں ہوتی۔ انکے لئے ایسی تکالیف و مشکلات ہیں جو حضورؐ نے کبھی سنی نہیں۔ وہ ماں کے بغیر ہیں۔ آنحضرت صلعم تکلیف اور افسردگی محسوس کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کے پاس ابوبکرؓ اور بہادر عمرؓ جیسے وفادار دوست موجود ہیں لیکن کسی مرد کی شفقت عورت کی مدارات کا بدل نہیں ہوسکتی۔

معتقدین کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف پیغمبر ہی نہیں بلکہ انکی زندگیوں کے ڈکٹیٹر بھی ہیں وہ نہ صرف حضورؐ کی متابعت تسلیم کر چکے ہیں بلکہ اپنے دل بھی نذر کر چکے ہیں۔ اور حضور کے غم میں شریک ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کے نزدیک حضرت خدیجہؓ کیا تھیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ حضورؐ کی مسرت اور اطمینان قلب پر سب سے بڑھکر تحریک اسلام کا انحصار ہے۔ انکے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جذباتی انسان نہیں بلکہ صحیح معنوں میں عمل۔ استقلال اور ہمت کا مجموعہ ہیں۔ عورتیں بھی حضورؐ کی ان تمام خوبیوں کی معترف ہیں جو انکے مرد تسلیم کرتے ہیں۔ آخر تجویز کیا گیا کہ آپ دوبارہ شادی کریں۔

لیکن کس کے ساتھ؟ لوگ جانتے ہیں کہ بہت سی خوبصورت خواتین سردار اسلام پر فریفتہ ہیں۔ ان میں ایک نوجوان پیرو اسلام کی بیوہ سودہؓ ہیں۔ جن کا خاوند تھوڑا عرصہ ہوا ابی سینیا میں وفات پاکر انھیں پریشانی

میں مبتلا کر گیا ہے ۔ وہ کبھی امیر آدمی تھا لیکن راہ اسلام پر گامزن ہوتے وقت تمام مال و متاع کو چھوڑ بیٹھا تھا ۔حضرت ابو بکرؓ کی لڑکی عائشہ بھی ہیں حضرت ابوبکرؓ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار دوست ہیں ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اگر حضورؐ اسلام کا دماغ ہیں تو ابوبکرؓ اس کا دل ۔ اپنے ہر قول و فعل میں وہ اسلام کا صحیح نمونہ ہیں ۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ اپنی پیاری لڑکی کے واسطہ سے رشتہ مودت کو زیادہ مستحکم کرلیں ۔ انھوں نے آپ اور اپنی دولت کو آنحضرت صلعم پر نثار کر رکھا ہے ۔ حضورؐ کی خاطر انھوں نے اپنے اعلیٰ عہدے اور قبیلہ میں بلند رتبہ کو خیرباد کہ رکھا ہے ۔ انھیں عائشہؓ میں اسکی والدہ کی خوبصورتی اور قریش کی فراست نظر آتی ہے ۔ اُن کی آرزو ہے ۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام محبت اور عقیدت کے صدقے میں انکا بیش بہا نذرانہ قبول کرلیں ۔

حضرت عائشہؓ ابھی بہت کم سن ہیں ۔ انکی عمر دس سال ہے اور شادی کے جھمیلوں میں پڑنے کے لئے ابھی پانچ سال کا وقفہ درکار ہے ۔ لیکن ابوبکرؓ فکرمند ہیں ۔ اسلئے آنحضرت صلعم اور حضرت عائشہؓ کی نسبت قرار پا جاتی ہے اور اس تقریب کو مسلمان مسرت اور شادمانی کے ساتھ مناتے ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس تعلق کے باعث ایک نئی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے مسلمان انھیں محبت کے ساتھ ابوبکرؓ کہتے ہیں :

حضرت عائشہؓ ابھی کئی سال تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برائے نام بیوی ہوں گی ۔ سودہؓ کے عقد کا سوال بھی طے ہو گیا ۔ حضورؐ نے ان کیساتھ شادی کرلی ہے ۔ اور ان کا قبیلہ اس اعزاز پر بہت خوش ہے بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سودہؓ کو جب گھر میں لاتے ہیں ۔ وہ پُر تکلف نہیں

کیونکہ آپ اکثر قریش کے ہاتھوں فرار ہو کر جا بجا بھاگے پھرتے ہیں ۔ اور اپنی فراست سے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں آپکی شخصی ضروریات بہت کفایت شعارانہ ہیں. آپ کی خوراک جو کی روٹی۔ پانی۔ اور کبھی کبھی دودھ اور گاہے گاہے گوشت ہے ۔ آپ اپنا جوتہ خود سیتے اور اپنے ہاتھوں سے کپڑوں کو پیوند لگاتے ہیں. آپ کا ذہن پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہے۔ آپ رات کا زیادہ حصّہ عبادت (قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رات کا ⅔ حصّہ عبادت میں صرف کرتے تھے) اور انسانوں کی ضروریات پر غور و فکر کرنے میں گذارتے ہیں۔

قریباً اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکاشفہ ہوتا ہے ۔ایک رات جبکہ آپؐ جبل صفا اور جبل مروا کے درمیان لیٹے ہوئے ہیں آپ کو نظر آتا ہے ۔کہ جبرئیل نے آپ کو جگایا ہے ۔ اس کے ساتھ ایک سفید گھوڑا ہے اور وہ حضورؐ کو اس پر سوار ہونے کے لئے کہتا ہے ۔ وہ علم الاصنام کے تصوری گھوڑوں کی طرح برق رفتار ہے ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضورؐ کو مکہ سے بیت المقدس میں پہنچا دیتا ہے ۔یہاں آپ حضرت موسےٰ ،حضرت عیسےٰ اور حضرت ابراہیم کو معبد کے اندر مجمع عام کے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں ۔آپ نماز ادا کر کے خلائے آسمان کی طرف اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں ۔یہاں جبرئیل نے دروازہ پر دستک دی ۔اندر سے آواز آئی ۔ اے جبرئیل تمہارا ہمراہی کون ہے ۔

جبرئیل :۔ " محمدؐ "

آواز :۔ "کیا انھیں اختیار حاصل ہو گیا؟"

جبرئیل :۔ " ہاں. حاصل ہو گیا ہے"

آواز :- "پھر وہ اندر آسکتے ہیں"

ان الفاظ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ اور جبریل نے دنیا کے پہلے انسان کے ساتھ حضورؐ کا تعارف کرتے ہوئے کہا " یہ ہیں حضرت آدم آپکے جدا مجد"۔ حضرت آدم علیہ السلام آنحضرت صلعم کے کام پر اہل آسمان کی طرف سے اظہار خوشنودی کی شہادت دیتے ہیں۔ اور آپکے کندھے پر تھپکی دے کر فرماتے ہیں۔ "میرے معزز فرزند! تم سب نبیوں سے افضل ہو۔"

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسےٰ۔ حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے نبیوں کی مبارکبادیں حاصل کرتے ہوئے سات آسمانوں سے اوپر گذر جاتے ہیں حتےٰ کہ اس یاقوت نگار معبد میں پہنچتے ہیں جہاں ستر ہزار فرشتے قادر مطلق کے آگے سجدۂ عبادت بجالاتے ہیں۔ اس معبد سے نکل کر آپ نور کا ایک سمندر عبور کرتے ہیں۔ اور بالآخر خدائے تعالےٰ کے روبرو ہوتے ہیں۔ آپ کا دل اس زور کے ساتھ دھڑکنا شروع ہوجاتا ہے کہ گویا ٹوٹ کر دو بر ہو جائے گا۔ خدائے عزّوجل آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ روزانہ پچاس نمازیں پڑھیں اور نوع انسان کو ایسا کرنے کی تعلیم دیں۔ واپسی پر بہر حال آپ کو حضرت موسےٰ ملتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انسان کے لئے ۵۰ نمازیں ادا کرنا مشکل ہے۔ اسلئے آپ پھر خدا کے حضور جائیے۔ آپ واپس جا کر اللہ کی درگاہ میں یہ عرض کرتے ہیں اور نمازوں کی تعداد کم کرکے تیس کر دی گئی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے آپ کو ان کی مشکلات بتائیں غرض دو تین دفعہ واپس جانے کا نتیجہ یہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے نمازوں کو پانچ تک گھٹا دیا۔ جو ہر مسلمان کے لئے

لازمی ہیں۔

اس مکاشفہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدین میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ زیادہ مخلص لوگ اس کی کئی تعبیریں کرتے ہیں اور خاص طور پر اسے پانچ نمازوں کے قانون کی تائید ایزدی خیال کرتے ہیں۔ بعض اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پیغمبر رات کے وقت دراصل جسمانی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد اسے مکاشفہ کا رتبہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ نبی کریم صلعم کے دشمنوں کو آپکے بدنام کرنیکے لئے یہ ایک مفید ذریعہ مل جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے "دیکھا تم نے؟ "وہ خدا سے ملاقات کر چکا ہے۔ اب وہ ہم سے کب کلام کرے گا؟" دوسرا کہتا ہے "مجھے اس کا گھوڑا پسند ہے۔ ذرا تصور کرو۔ میں صبح کا کھانا یہاں کھاؤں گا، دوپہر کا کھانا عطارد میں اور رات کا کھانا اورین میں تناول کرونگا" تیسرا بول اٹھتا ہے۔ "میں جنت میں جانا پسند نہیں کرتا۔ ذرا خیال تو کرو کہ ستر ہزار فرشتے شب و روز گاتے رہیں تو کیا کیفیت ہو گی۔ جہنم اگرچہ گرم ہے لیکن اس میں اس قدر شور و غوغا تو نہ ہو گا۔"

قرآن کریم میں اس مکاشفہ کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کے دل میں اسکے وقوع پذیر ہونے کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ اسکی اہمیت کیا ہے؟

اس طرح پہلی دفعہ مسلمانوں میں اختلاف نمودار ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کسی خاص چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ آپنے اس کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن آپکے پیروؤں میں بہت اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ عقل جذبات کو ٹھیس پہنچاتی ہے

اور جذبات اس کا ردِ عمل کرتے ہیں۔ اسلام متزلزل ہو جاتا ہے اور مکاشفہ مذکور چند ہفتوں میں وہ کر دکھاتا ہے جو قریش سے تیرہ سال میں نہ ہو سکا آخر حضرت ابوبکرؓ مدد کو پہنچتے ہیں اور جوش مدھم پڑ جاتا ہے

ادھر تو معراج کے متعلق بحث و تمحیص جاری ہے۔ ادھر چھ اشخاص یثرب میں بہت کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں نے حج سے واپس جا کر جو بیج بویا اسے زرخیز زمین مل گئی۔ اس طرح دوسرے حج کے موقع پر بہت سے نومسلم یثرب سے مکہ کو روانہ ہوتے ہیں تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کریں۔ وہ حضورؐ کو عقبہ میں ملتے ہیں۔ اور اس طرح اسی مقام پر جہاں ایک سال قبل یثرب کے چھ نیک آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب اس شہر کے بہت سے آدمی حضورؐ کے حلقہ بگوش نظر آتے ہیں۔ وہ عہد کرتے ہیں۔ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے۔ چوری نہ کرینگے۔ اور فسق و زنا کا ارتکاب نہ کرینگے۔ وہ الزام تراشی حرامکاری اور طفل کشی سے باز رہنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر کاربند اور ہمیشہ اسلام کے وفادار رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصعبؓ[1] ابن عمیر کو مامور کرتے ہیں کہ وہ یثربی نومسلموں کے ساتھ ان کے شہر میں جائیں اور انھیں قرآن اور نئے مذہب کے اصول کی تعلیم دیں۔ مصعب بہت جوشیلے مسلمان ہیں اور ان کی آرزو ہے کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اسلام کے دائرے

---

[1] صحیح روایتوں میں ہے کہ مصعب ابن عمیر کے ساتھ عمرو ابن ام مکتوم بھی مدینہ بھیجے گئے تھے۔ یہ آنکھوں سے معذور تھے۔ مترجم

میں لے آئیں۔ آپکے یثرب میں وارد ہونے کے چند روز بعد شہر کا ایک عہدیدار اسیدؓ[1] آپ سے ملکر پوچھتا ہے "مصعب تمہارے یہاں آنے کی غرض کیا ہے۔ کیا ہماری افواج کا جائزہ لینے آئے ہو؟ میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ اگر تمھیں جان عزیز ہے۔ فوراً یثرب کی فصیل سے باہر ہو جاؤ۔

مصعب فرماتے ہیں۔" ذرا بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو" یہ کہکر آپ اسے اسلام۔ پیغام نبی اور اسکے اصول مذہب کے متعلق بتاتے ہیں۔ نیز قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اسید مصعب کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاتا ہے

اس کے بعد اسید اور مصعب متحد ہو کر قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ[2] کو مسلمان بنانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں جن کے قبول اسلام سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں مصعب انکے نام ایک خط لکھتے ہیں جس کا لفظ لفظ دل میں اُتر جاتا ہے۔ خط کا مضمون یہ ہے۔" جناب من! میری بات سننے کی تکلیف گوارا کیجیئے۔ اگر وہ ماننے کے لائق ہو تو قبول کیجیئے اور اگر وہ سننے کے قابل نہ ہو۔ تو مجھے فوراً روک دیجئے۔" مصعب جانتے ہیں کہ سعد نیک اور منصف مزاج شخص ہے۔ اپنے ملکی معاملات سے مطمئن ہیں۔ اور ان پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں اسلئے آپ سنانے کے لئے قرآن کریم کا وہ حصہ منتخب کرتے ہیں جو بہت شاندار اور موقع کے اعتبار سے بہت موزوں ہے۔ آپ کی یہ کوشش مؤثر ثابت ہوتی ہے اور اس کا سردار اسلام قبول کر لیتا ہے۔

---

[1] ۔ اسید بن حضیر انصاری۔ ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ مترجم

[2] ۔ سعد ابن معاذ۔ ان کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ انکے قبول اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ مترجم۔

اکثر نومسلموں کی طرح سعد صرف مسلمان ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ خود تبلیغ شروع کر دیتے ہیں۔ انھیں اشاعت دین کا بہت اشتیاق ہے اور جس طرح انھیں راہ راست پر لایا گیا ہے! اسی طرح وہ دوسروں کو اسلام قبول کرنیکی دعوت دیتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں وہ اس سوال کو قبیلہ اوس کی عام پنچایت میں پیش کرتے ہیں۔ قبیلہ کے لوگوں اور قرابت داروں کے سامنے اپنے شبہات کا ذکر کرتے ہیں! اور انھیں بتاتے ہیں کہ سب شبہات کس طرح معدوم ہوگئے۔ وہ بڑی گرم جوشی سے قرآن کریم کی حیرت انگیز و بے نظیر خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں مبلغ مکہ کے ساتھ اپنی بحث اور انکی ذہانت کی تعریف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مبلغ اسلام نے مجھے مختلف فیہ مسائل کے متعلق کسی طرح تسلی بخش جواب دئے۔ پھر سعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں! اور اپنی برادری سے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم خود نمائی اور شخصی تعلّی سے پاک ہیں۔ انھیں روحانی فرائض کی بجاآوری کا اس قدر خیال ہے کہ انہیں ملوکانہ اختیارات حاصل کرنے کی قطعاً آرزو نہیں اور بحیثیت مجموعی نہ خوف کے مطیع ہیں نہ جذبات سے مغلوب ہوسکتے ہیں غرض وہ ان پر ایک ایسے جامع صفات رہنما کی اہم ضرورت واضح کرتے ہیں۔ جو انھیں سیاسی اور اخلاقی پستی سے نکال سکے۔

سعد نہایت فصاحت اور ایجاز کے ساتھ کہتے ہیں کہ "تمہاری نجات کا وقت آگیا ہے۔ ہم نے حضرت موسےٰ، حضرت عیسےٰ اور تمام پیغمبروں کے منہ سے ایک ایسے نبی کے ظہور کے متعلق سنا ہے جو گمراہ اور خود رائے انسانوں کو اپنے گرد جمع کرے گا۔ "میرے بھائیو اور دوستو۔ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسی شخصیت کو دیکھتا ہوں۔ آؤ ہم وہی کریں جو اس معاملہ میں صحیح

ہے۔ ہم سب مسلمان ہو جائیں۔ انھیں اپنے ہاں لے آئیں اور اپنا سردار مقرر کر لیں۔

سعدؓ کے جوش و خلوص سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ انکی خوش بیانی اور گرم جوشی سے بے شمار خیالات اور امیدیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا نیا دین یثرب کے اندر نہایت سرعت کے ساتھ پھیل جاتا ہے۔ یہودی عیسائی۔ بُت پرست۔ انجم پرست۔ صابی۔ مجوسی۔ زرتشتی۔ حاکم۔ محصول وصول کرنے والے۔ عالم۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ امیر۔ غریب سب کے سب نئے دین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دین اسلام اس آگ کی طرح شہر کا احاطہ کر لیتا ہے جسے ہوائے تند نے بھڑکا دیا ہو۔

شمع اسلام نے جو چودہ سال قبل ایک نہ بھولنے والی رات کو جبل حرا پر فروزاں ہوئی۔ بالآخر یثرب کے سادہ قلوب کو منور کر دیا۔ شمال کی طرف چمکتی ہوئی روشنی اہل مکہ سے کہہ رہی ہے کہ ان کی کوششیں بے سود ہیں شمع اسلام نے دنیا کو جگمگا دیا ہے۔

(۵)

جولائی کے مہینے کی رات کا مطلع صاف ہے۔ چھوٹا سا زرد چاند اونگھتا ہوا جھلہ مغرب کی طرف آرام کرنے جا رہا ہے۔ گرم ہوا ریت کے ٹیلوں پر سے تیر رہی ہے۔ اور نیلگوں آسمان پر ستارے لاکھوں دیدہ ہائے بوم کی طرح چمک رہے ہیں۔ دارالندوہ میں ایک مجلس منعقد ہے۔ پُر تکلف پوشاکوں اور عمدہ تلواروں سے پتہ چلتا ہے کہ قریش کی پنچایت ہو رہی ہے۔ انکے خشمگیں چہروں سے جلسے کے اغراض و مقاصد کی متفکرانہ نوعیت کا اظہار ہوتا ہے

قبیلہ کی پوری استعداد کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ حاضرین میں کعبہ کا کلید بردار عثمان بن طلحہ ابوسفیان بن حرب قائد اعظم عساکر مکہ۔ حارث بن قیس ناظر صیغۂ مالیات موجود ہیں۔ پنچایت کی محافظت ایوان کا قائمہ خالد بن ولید کر رہا ہے۔ صدر مجلس عبد العزیٰ بن قصی ہے۔ اور اس بحث و بحث میں پیکر خصومت ابولہب بھی شریک ہے۔ یہ ایسا وقت ہے جبکہ اکثر اہل مکہ بستر راحت میں خواب شیریں کے مزے لے رہے ہیں لیکن بڑوں کے لئے آج کوئی نیند نہیں۔ کیونکہ یہ قیمتی وقت ہے۔

مکہ کے جاسوسوں نے آنحضرت صلعم پر پوری نظر رکھی ہے۔ قریش انکی نقل و حرکت اور تجاویز سے بخوبی واقف ہیں۔ انھیں یثرب کے واقعات یعنی مصعب کی تبلیغ۔ سعد کی سرگرمیاں اور عقبہ[1] کی پہلی بیعت کا حال معلوم ہے۔ وہ یثرب کی دوسری مہم کے متعلق بھی جانتے ہیں جس میں جبل عقبہ پر خفیہ ملاقات ہوئی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کو یثرب آنے کی دعوت دی گئی ہے انھیں عباسؓ ابن عبد المطلب کی غداری کا حال بھی معلوم ہے جنھوں نے خون کے رشتے کو اپنے قبیلے اور معبودوں کی وفاداری پر مقدم سمجھا ہے۔ قریش عقبہ کی دوسری بیعت اور مسلمانان مکہ کی روانگی یثرب سے مطلع ہو چکے ہیں۔ جس میں آنحضرت صلعم کے خاندان کے افراد اور ان کے قریبی دوست شامل ہیں۔ جاسوس یہ خبر بھی لائے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تنہا ہیں۔ آپ کے ساتھ صرف حضرت علیؓ اور حضرت

---

[1] عقبہ میں پہلے سال مدینہ کے چھ آدمیوں نے بیعت کی دوسرے سال بارہ آدمیوں نے پہلی بیعت۔ بیعت عقبۂ اول اور دوسری بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے مترجم

ابوبکرؓ ہیں۔ اور آپ زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہرینگے۔

ابوسفیان۔ ابوجہل۔ اور ابولہب اپنے ہمراہیوں کے سامنے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے درمیان ایسی بیکسی کی حالت میں کبھی نہیں رہے۔ کوئی طاقتور قرابت دار آپ کی حفاظت کے لیئے موجود نہیں معتقدین اور افراد خاندان میں سے کوئی ہمراہ نہیں۔ آپ عوام میں اب سے زیادہ ہدف ملامت کبھی نہیں بنے۔ اور آپ کا قتل لوگوں کے لیئے آج سے زیادہ اطمینان بخش کبھی نہ ہوگا۔ اسکے ساتھ ہی بہر حال یہ بھی بالکل درست ہے کہ اگر آپ بچکر یثرب چلے گئے تو آپ وہاں اہم اختیارات کے مالک ہوجاینگے۔ آپ کو فوراً دینی اور دینوی اقتدار حاصل ہوجائے گا۔ اور آپ مکہ کے لیئے ایک مستقل خطرہ بن جائیں گے آپ کا اسوقت ان کے درمیان تنہا رہ جانا بظاہر قدرت کا بخشا ہوا ایک زرّیں موقع ہے۔

قریش متفقہ طور پر آپ کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں لیکن قاتل کون ہوگا؟ عربوں میں خون کا بدلہ خون ہے۔ اسلیئے کوئی شخص اپنے قبیلہ اور بنو ہاشم کے درمیان انتقام خون کی آویزش پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ آج رات ابوجہل کا ذہن تیز ہے۔ اس نے کہا "میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں" سب لوگ متوجہ ہوگئے۔ ابوجہل نے کہا "اس "جعلساز" کی موت ہم سب کے لیئے اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیئے میری تجویز یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنا ایک ایک بہادر مہیا کرے اور جب وہ مل جائے تو سب کے سب ایک دم اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح کوئی خاص قبیلہ اس موت کے لیئے جواب دِہ نہ ہوگا۔ یہ تمام قریش کا فیصلہ ہوگا۔ جس پر قریش کے لوگوں نے عمل کیا۔ اگر کسی وقت

بنو ہاشم نے خون بہا طلب کیا تو ادا کر دیا جائے گا۔"

اس تجویز پر اظہارِ مسرت کیا گیا۔ ابو جہل جیسے شخص سے جو اپنی قابلیت کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ ایسی ہی معقول تجویز کی توقع ہو سکتی تھی۔

تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی چیز مانع نہیں مجمع کا ہر نوجوان مکہ کو اس آفت سے نجات دلانے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہے کیونکہ نوجوان عموماً دماغ کے بجائے دل کو اپنا رہنما بناتے ہیں۔ ہر قبیلہ اپنا ایک آدمی دیتا ہے۔ اور مناسب تیاری کے بعد ابوجہل کے آدمی اس مکان کے گرد متعین کئے جاتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ رات تاریک ہے۔ صرف مدھم ستارے چمک رہے ہیں۔ مکان کے تمام دروازوں پر پہرہ لگ جاتا ہے۔ ایک دستہ چھتوں کی نگہداشت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔

شکار دام میں ہے اور اپنی قسمت سے بے خبر صرف صبح کی پہلی روشنی اسے بتائے گی کہ اس کی زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔

سحر کی مدھم ارغوانی روشنی میں قاتل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر میں پاتے ہیں۔ آپ کی سبز عبا بے پروائی سے پائنتی کی طرف پڑی ہے ابوجہل کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کی تجویز کے کامیاب ہونے کا وقت آگیا اور یہی ہے اسکے معبودوں کے انتقام کی ساعت۔ وہ اپنے رفقا سے کہتا ہے۔ "ہم نے بہت دیر تک صبر کی۔ اب آؤ کہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے مکہ کو اس مصیبت سے نجات دلا دیں"۔ تلواریں چمکتی ہیں۔ لوگ دوڑ پڑتے ہیں۔ دروازہ توڑ ڈالا جاتا ہے۔ خون کے پیاسے قریش غیظ و غضب کے عالم میں بستر کو گھیر لیتے ہیں۔ سبز عبا ہٹا دی جاتی ہے۔

سونے والا کروٹ بدلتا اور اُٹھ بیٹھتا ہے۔ یہ حضرت علیؓ ہیں۔ اُن کی آنکھیں خواب آلود ہیں۔

حضرت علیؓ پوچھتے ہیں۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

وہ بڑے غرور کے ساتھ کہتے ہیں۔ "تم جانتے ہو ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہم محمدؐ کو چاہتے ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟"

حضرت علیؓ اپنے کندھوں کو جنبش دے کر بے پروائی سے جواب دیتے ہیں۔ "خود ہی ڈھونڈ لو۔"

ابوجہل پکار اُٹھا۔ "جلدی کرو اس مکان کا کونہ کونہ چھان مارو۔ اور یثرب کو جانے والی سڑک پر تلاش کرو۔ ہم انھیں ضرور پکڑ کر رہیں گے۔ خواہ ہمیں اس کے لئے سَو سَو میل تک ریت کے ٹیلوں میں جستجو کرنی پڑے۔"

قریش کو جب معلوم ہوتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو ان کا غیظ و غضب حد سے بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ انھیں خیال تھا کہ آنحضرت صلعم کے قتل کے لئے انھوں نے جو تجویز سوچ رکھی ہے کبھی ناکام نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اُنکے غصہ کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ دارالندوہ کی جانب سے اعلان ہوتا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلعم کو زندہ یا مُردہ لے آئیں اُسے ایک سو اونٹ انعام دیئے جائینگے۔ ابوجہل کے آدمی یثرب کی طرف بھاگتے ہیں۔ ابوسفیان شہر کے گردونواح میں جستجو کرنے کے لئے اپنے سواروں کو جمع کرتا ہے تمام مکہ کے لوگ اس فکر میں گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

"محمدؐ۔ محمدؐ۔ کہاں ہیں محمدؐ؟" یہ ہے وہ سوال جو ہر شخص کی زبان پر ہے۔

حضرت علیؓ مسکراتے ہیں۔ آپ اپنا سامان جمع کر کے اونٹ پر لاد دیتے ہیں اور یثرب کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے پیارے آقا کی

خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ بازار میں لوگ آپ پر آوازے کستے ہیں کوئی کہتا ہے" اسے قتل کر دو" لیکن لوگ سردار کی تلاش میں اس گرمجوشی کے ساتھ مصروف ہیں۔ کہ اس کے نائب پر اپنے جوشِ انتقام کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔

محمدؐ۔ محمدؐ۔ کہاں ہیں محمدؐ؟ یہ ہے وہ سوال جس پر ہر شخص بحث کر رہا ہے ننھی اسماء خورجی میں کھانا لئے کھیتوں میں سے گذر رہی ہے۔ وہ بہت چھوٹی ہے۔ اسلئے اس کی طرف کسی کی توجہ منعطف نہیں ہوتی۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا باپ ابوبکرؓ کہاں ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک موجود ہے۔ لیکن وہ چہرے کو متین بنائے ہوئے تھی۔ اسکی عمر اگرچہ آٹھ سال کی ہے لیکن سیاسیات کے بڑے بڑے نکتوں کو سمجھی ہے۔

راستہ میں اسماء کو عامر بن فہیرہ ملتا ہے۔ جو بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ جا رہا ہے۔ اسماء دوڑ کر اس کی طرف جاتی ہے۔ اور اپنی ننھی انگلیوں سے اس کا دہنا ہاتھ پکڑ لیتی ہے وہ جانتا ہے کہ یہ لڑکی کون ہے اور کدھر جا رہی ہے۔ شام چاند کی انتظار میں قدرے طویل ہو رہی ہے۔ عامر بکریوں کے ریوڑ کو باڑہ میں بند کر دیتا ہے۔ اور ایک بکری کو اپنے ہمراہ لے لیتا ہے۔

پہاڑیوں کے درمیان سے ایک طویل راستہ عبور کر کے دونوں ایک غار پر پہنچتے ہیں جو ثور کے نام سے مشہور ہے۔ اسماء پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے کہ کوئی شخص ان کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔

عامر اسے تسلی دیتا ہوا کہتا ہے" کوئی نہیں اسماء" اسماء دوڑ کر ایک چٹان کے پیچھے جاتی ہے اور چشم زدن میں اپنے باپ کی گود میں پہنچ جاتی ہے

بوسہ دیتی ہے۔

عامرؔ حضرت ابوبکرؓ سے پوچھتا ہے "کیا کوئی شخص اس طرف آیا تھا؟"
حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر جواب دیتے ہیں
"انھوں نے دوپہر کے تھوڑا عرصہ بعد ہمیں تقریباً پا ہی لیا تھا۔ ہم ان کی تمام باتیں سن سکتے تھے! در حقیقت یہ ہے کہ وہ اس چٹان کے دوسری طرف تھے! اور میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس طرف کیوں ہماری تلاش میں نہ آئے۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی۔ کہ بس معاملہ ختم ہے۔ ہم صرف دو ہیں اور انکے ساتھ کہاں تک لڑ سکتے ہیں۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا نہیں ہم تین ہیں۔ اللہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ لہجہ میں کہتے ہیں "اور اب یقین معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"
حضرت ابوبکرؓ اس پر شرمندہ ہو کر کہ وہ تھوڑے عرصہ کے لئے خُدائے قدوس کو بھول گئے تھے۔ کہتے ہیں۔" ہاں مولائی"۔
بکری پناہ گزینوں کے لئے دودھ مہیا کرتی ہے۔ اسمآرا اور عامر کچھ دیر ٹھیرتے ہیں اور جب وہ روانہ ہوتے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ آرام کرنے کے لئے ایک پتھر کو تکیہ بناتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مشکلوں اور مایوسیوں کے باوجود آپ اس قادر مطلق پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ قریش سے اچھا برا جو کچھ ہو سکا کر چکے۔ پہلے وہ معتقدین اسلام کی قلیل جماعت کو حبش کی طرف اور پھر مکہ کے باہر دوسرے مقامات کی طرف بھگا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اب انھوں نے خود نبی کریم صلعم کو شہر بدر کر دیا۔ اور اس وقت بھی جبکہ آپ نماز ادا کر رہے ہیں۔ قریش

انھیں قتل کرنے کے لئے ملک کا کونہ کونہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور انھوں نے آپ کے سر کے لئے انعام مقرر کر رکھا ہے۔ وہ اعتماد جس کے ساتھ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ کی تصحیح کی تھی آپ کے عقیدہ کی صداقت کی شاہد ہے۔ اس تمام عرصہ میں جبکہ آپ پر ہولناک ساعتیں انتظار گذر رہی تھیں۔ آپ کے پلئے استقامت کو خفیف ترین جنبش بھی نہیں ہوئی اور نہ آپکے دل میں ذرّہ بھر شک گذرا۔ دشمنوں نے آپ کی ہر چیز چھین لی۔ لیکن آپکے ایمان کو وہ چھو تک نہیں سکے۔

تین سال ہوئے حکم الٰہی نازل ہوا تھا۔

"اے محمدؐ ان کی تقریروں سے غمزدہ نہ ہو۔ خدا تمام چیزوں کے دیکھنے اور سننے والا ہے اور اے محمدؐ اپنے مقصد کو استقلال کے ساتھ جاری رکھو۔ اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچاتا ہے تو اسکے رفع کرنے والا اسکے سوا کوئی نہیں اور اگر وہ تمھاری بہتری کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی اس انعام کو روک نہیں سکتا۔ اور اے محمدؐ اس کی متابعت کرو۔ جو تمھیں کہا جاتا ہے اور منتظر رہو جب تک کہ اللہ فیصلہ صادر کرے۔ کیونکہ وہ احکم الحاکمین ہے۔

انتظار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر کو کم نہیں کیا۔ کیونکہ کیا آپ سے کہا نہیں گیا" ہم بھی منتظر ہیں۔ خدا کی عبادت کرو۔ اور اس پر اعتماد رکھو۔ کیونکہ فانی انسانوں کے اعمال سے وہ بے خبر نہیں ہے" "تحقیق خدا کے پیغمبروں پر پہلے بھی مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ اور ہم نے منکروں کی حرکتوں کو بہت عرصہ تک برداشت کیا۔ آخر کار ہم نے انھیں پکڑا اور ان کو خوفناک سزا دی"۔ ان تمام مصائب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھروسہ ہے کہ "اللہ ان وعدوں کو نہیں بھولے گا جو اس نے اپنے پیغمبر سے کئے ہیں

کیونکہ اللہ تکلیفوں کو رفع کرنے کے قابل اور قدرت والا ہے"۔ "اے محمدؐ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ تمہاری قوت برداشت اللہ کے لئے ہے غم نہ کرو اوران کی حرکتوں سے المناک نہ ہو۔"

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام مکہ کے خاتمہ تک اسی پُر اعتماد لہجہ میں خدا کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنی ماموریت کے ابتدائی ایام میں کیا۔ "تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے زمین و آسمان بنائے۔ جو تمہارے راز اور تمہاری گفتگو کو جانتا ہے۔ جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ دن اور رات کے اندر جو کچھ ہے سب اسی سے تعلق رکھتا ہے تم سے پہلے آنے والے پیغمبر فی الواقعہ جھٹلائے گئے ہیں۔ لیکن وہ انکار و ایذا میں باصبر تھے۔ حتیٰ کہ ہماری مدد پہنچی۔"

باوجود اس امر کے کہ آپ قریش کے ارادۂ قتل سے واقف ہیں اور آپکے معتقدین کی قلیل جماعت منتشر ہے آپ کا اعتماد مکمل ہے۔ ہجرت سے پہلے جو آخری وحی مکہ میں نازل ہوئی اسکے ابتدائی الفاظ یہ تھے۔ "کامیاب فی الواقعہ مسلمان ہیں" آخری الفاظ بھی اسی طرح نمایاں تھے۔ "اب اللہ کی تمجید کرو۔ کہ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ اسکے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی حاکم الحاکمین ہے۔ اسلئے اے خدا عفو و رحم عطا کر۔"

اور اب بھی جبکہ آپ مصروف عبادت ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ۔ عامر گلہ بان اور ننھی اسماء کے سوا جو زبردست دشمنوں کے مقابلہ میں مٹھی بھر ہیں آپکے پاس کوئی دوست موجود نہیں۔ آپ کل کے خوف سے بے نیاز ہیں آپ اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اگر آپ مار ڈالے گئے تو اللہ اور انتظام کرے گا۔ ممکن ہے کہ یہ سخت دلی اور سخت مہری قضا و قدر کے عقیدہ کی پیدا کردہ

ہو۔ لیکن یہ عقیدہ ہمت کا سرچشمہ ہے! اور اس وقت بھی جبکہ آپ سوچ رہے ہیں۔ اطمینان بخش جواب ملتا ہے:" وہی جسنے تمھیں قرآن دیا ہے یقیناً تمہیں دوبارہ گھر پہنچائے گا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول رات کے آخری حصّہ تک عبادت کرتے ہیں۔ یہ رات آپکی زندگی میں اہم رات ہے۔ ابوسفیان کے سوار ابھی تک نواحی پہاڑیوں میں مصروف جستجو ہیں۔ سامنے وادی میں مکہ محوخواب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی متزلزل امیدوں یعنی اپنی پیدائش اور اپنے اقرباء کے شہر کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں۔ جو کئی عزیز چیزوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ آپ جبل عرفات اور جبل حرا کی طرف دیکھتے ہیں۔ جہاں آپ گھومنا اور عبادت کرنا پسند کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے مکان سے پہاڑیوں کے اوپر ضیائے آفتاب کا آخری رقص دیکھ سکتے ہیں۔ سامنے ہے وہ شہر جہاں سے آپ بدر کر دئے گئے ہیں۔ اور جہاں سے آپ مفرور ہیں۔ یثرب دُور شمال کی طرف واقع ہے۔ جو اُمیدوں کا شہر ہے۔ آپ کو یقین ہے۔ کہ اگر آپ وہاں بہ حفاظت پہنچ گئے تو شاندار مستقبل آپ کا منتظر ہے۔ اگر کوئی شخص کامیابی کا مستحق ہے تو وہ آپ ہیں۔ کیونکہ آپکی پانزدہ سالہ تبلیغ کے نتائج بہت حد تک بے سود ثابت ہوئے ہیں۔ آج سے تیس سال پہلے آپ سے بڑے بڑے کاموں کی توقع کی جاتی تھی ان اُمیدوں اور خوابوں کو پورا ہوتے دیکھنے کیلئے عمر کے شیشۂ ساعت میں زیادہ ریت باقی نہیں رہی لیکن اگر یثرب کی بجائے آپکو مکہ میں کامیابی حاصل ہوئی ہوتی۔ تو آپ اسے زیادہ پسند کرتے۔
آپ کے دل کی آنکھوں میں مکہ آپ کو بُلا رہا ہے۔ شاید کسی روز اللہ تعالےٰ آپ کو واپس گھر لے جائے گا۔

چوتھا باب

مصلح

تمام یثرب میں ہل چل مچ گئی ہے۔ یہ خبر صحرا کو عبور کرتی ہوئی یہاں پہنچ چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے یثرب کو روانہ ہو چکے ہیں۔ اسلئے جہاں قریش کے سوار نبی کریم صلعم کی تلاش میں پھر رہے ہیں وہاں وہی یثربی سوار بھی چشم براہ ہیں۔ اسوقت مکہ اور یثرب دونو کو آپ کی ضرورت ہے۔ دونو شہروں میں جوش عام انتہا کو پہنچ چکا ہے لوگ گروہ در گروہ وادی میں گھوم رہے ہیں۔ اور ہر مسافر سے پوچھتے ہیں "تم نے محمدؐ دیکھا ہے؟"

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے سمندر کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اس وقت تقدیر کے دونو پلڑے مساوی نظر آتے ہیں۔ ایک میں موت ہے دوسرے میں بادشاہی۔ راستہ میں ایک دو دفعہ ہجرت کا معاملہ ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ سراقہ ابن مالک کو جو عربستان کے بہترین شاہ سواروں سے ہے۔ ایک دفعہ خبر ملتی ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکرؓ ایک ایسے راستہ سے یثرب کو جارہے ہیں۔ جو سمندر کے قریب ہے۔ اور جس پر آمد و رفت کم ہے۔ سراقہ اپنے ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ کر گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا مفرورین کے تعاقب میں نکلتا ہے۔ دُور سے وہ نبی کریم صلعم اور حضرت ابو بکرؓ کو پہچان لیتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہیں۔ اور سراقہ کو جس کا نیزہ غروب ہوتے ہوئے آفتاب میں چمک رہا ہے۔ اپنی طرف بہ سرعت تمام آتے ہوئے دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں "یا رسول اللہ! دشمن آپہنچا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت بے پروائی سے فرماتے ہیں۔ "مت ڈرو ابو بکر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔" اور دفعتہً اپنے دشمن کی طرف مُڑ کر کہتے ہیں "اچھا تم ہو سراقہ۔"

سراقہ کا گھوڑا پیچھے ہٹتا ہے لیکن اس کا پاؤں گیلی زمین پر سے پھسل جاتا ہے اور سوار و اسپ دونوں لوٹ پوٹ ہو کر ریت پر آرہے ہیں۔

سراقہ حیران ہو جاتا ہے۔ اس نے نبی کریم صلعم کے معجزانہ طور پر بچ نکلنے کے متعلق سنا ہے لیکن اب ایک بالکل معمولی واقعہ نے اُسکی رہنمائی غیر معمولی نتائج کی طرف کی۔ سراقہ مفرورین سے کہتا ہے کہ اس قطعی موت سے تمہیں صرف خدا ہی بچا سکتا تھا۔ اور اب میں قائل ہو گیا ہوں۔ کہ محمدؐ محبوب خدا ہیں۔ میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ اور یا رسول اللہ صلعم خدا کی درگاہ میں میرے لئے بہشت کی سفارش کیجئے۔ سراقہ کے ہمراہی جب پہنچتے ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سردار "باغی" کا مطیع ہو چکا ہے۔

اونٹ سے اُتر کر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراقہ کو ایک بھائی کی طرح گلے سے لگاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "تم میرے بھائی ہو۔ اور ایک وقت آئیگا جبکہ اسلام کے نام پر تمھیں خسرو کے کنگن پہنائے جائینگے۔

آخر کار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبا[1] میں پہنچے۔ جو یثرب سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ایک چھوٹا سا قریہ ہے۔ یہاں متعدد کسان رہتے ہیں۔ جن میں عمرو بن عوف ممتاز ہے۔ یہ چاند کی بارھویں تاریخ اور ہجرت کا آٹھواں روز ہے۔ آپ نے پانچ روز سفر میں اور تین روز غار میں صرف کئے ہیں۔ رنج ومصیبت۔ اور جلا وطنی زمانۂ ماضی کی باتیں ہیں۔ اسلام کا نیا دور شروع ہوا ہے۔ تاریخ پہلی دفعہ ایک ہجرت سے شروع ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عوف کے پاس آرام کرتے ہیں لیکن کیا آرام ممکن ہے؟ کیا روشنی پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اور ایک ہیرو اپنے معتقدین سے چھپ سکتا ہے؟ اہل یثرب کو آپ کے تلاش کر لینے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ عمرو کا مکان عقیدتمندوں کے اجتماعات سے گھر جاتا ہے۔ میلوں تک یہ خبر مشہور ہو جاتی ہے کہ یثرب کا نیا حکمران آپہنچا۔ نواحی قبائل کے سردار آپ کے استقبال کے لئے اور غریب لوگ آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ نوع انسان کی تاریخ میں پہلی دفعہ نبوت اور بادشاہت ایک ہی انسان کے اندر جمع ہو جاتی ہیں۔

ہجرت کے ہیرو حضرت علیؓ بھی یہیں آجاتے ہیں۔ نبی کریم صلعم کو اس

---

[1] قبا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ راتیں گذاریں اور یہیں مسجد قبا تعمیر کی۔ جو اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ یہاں سے چلے اور بنی سالم میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پھر مدینہ میں داخل ہوئے۔ مترجم

عجلت کے ساتھ مکّہ سے رخصت ہونے میں تامّل تھا۔ کیونکہ ان کے پاس بعض لوگوں کی امانتیں تھیں۔ انکے مالکوں کو واپس کرنی تھیں حضرت علیؓ نے یہ خدمت اپنے ذمّے لے لی۔ اور آپ سے باصرار کہا کہ فوراً شہر سے چلے جائیں۔ کیونکہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔ حضرت علیؓ تین روز تک اس مقصد کے لئے مکہ میں رہے۔ اس عرصہ میں قریش نے نہ انھیں ڈرایا۔ اور نہ اپنا کام جلدی ختم کرنے پر مجبور کیا۔ آپ کی ہمت نے دوستوں اور دشمنوں کو مساوی طور پر اپنا معترف بنا لیا۔ اور آپ کو حضورؐ کے معتقدین میں مخلص ترین اور شریف ترین تسلیم کیا گیا۔ اگر آپ پیغمبرِ خدا صلعم کے اپنے بیٹے بھی ہوتے تو ان کی اطاعت اس سے زیادہ نہ کر سکتے۔

اب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں داخل ہونے کا انتظار ہے۔ (یثرب کو لوگ محبت سے "مدینۃ النبی" یا مدینہ کہنے لگے) ایک شاندار صبح ہے جبکہ فطرت میں نئی زندگی جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ تمام شہر خوش وخرم ہے اور ہر شخص اس تقریب کی مسرتوں میں شریک ہونے کا آرزومند ہے۔ آنحضرت صلعم سے کسی قسم کی گستاخی مدینہ کی توہین کے مترادف ہو گی۔ کیونکہ مدینہ کے لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ قریش نے آنحضرت صلعم کے خلاف جو سازش کی تھی اسے خود وہ اپنے حق میں شدید اہانت سمجھتے ہیں۔ ہر مکان کی آرائش کی گئی ہے ہر عورت نے اپنا بہترین لباس پہنا ہے۔ بچے جذبۂ مسرت سے سرشار ادھر ادھر بھاگے پھرتے ہیں۔ بازاروں میں مسرور وشادماں لوگوں کا ہجوم ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جلوس ان کے درمیان میں سے گذر رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فاتح کسی میدان سے شاندار فتح حاصل کر کے واپس آ رہا ہے۔ یہ ایک ایسا استقبال ہے کہ ایک رومن شہنشاہ کو بھی اس پر رشک

آئے۔ کیونکہ یہ استقبال قلبی عقیدت و خلوص کی دولت سے مالامال ہے یہ نہیں کہ حکام کے خوف نے لوگوں کو استقبال پر مجبور کر دیا ہے۔

مہمانی کی بہت سی پُرزور دعوتیں ہیں۔ سعد مقامی سردار ہونے کی حیثیت سے اپنا حق بتاتے ہیں۔ مصعب ہیں کہ اپنے محبوب پیغمبرؐ کے حضور اپنا گھر بار اور بال بچے پیش کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ عمر اور ابوایوب بھی یہی فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عثمان کو قرابت کی بنا پر دعوے ہے کیونکہ وہ حضورؐ کی بیٹی رقیہؓ کے شوہر ہیں۔ بعض اشخاص آپکے اونٹ کی مہار تھام لیتے ہیں تاکہ آپ کو اپنے گھر لے جائیں۔ حضور فرماتے ہیں "اونٹ خود صاحب دانش ہے۔ جس طرف یہ جاتا ہے اسے جانے دو" اونٹ بالآخر عمرؓ کے بیٹوں کے مربلہ کے سامنے ٹھہر جاتا ہے نبی کریم صلعم اُترتے ہیں اور بھیڑ کو چیرتے ہوئے اپنے معتقد ابوایوب کے ہاں مقیم ہونے کے لئے بڑھتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام کو اسلام کے لئے مقدس بنانے کی آرزو ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں اس شہرستان امید میں آپ نے سب سے پہلے قدم رکھا۔ یہ جگہ دو نوجوان سرداروںؓ کی ملکیت ہے آپ اسکیں طلب کرتے ہیں اور زمین کی قیمت بازاری نرخ کے مطابق دینا چاہتے ہیں۔ نوجوان امیر ہیں۔ اسلئے زمین مفت پیش کرنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں لیکن نبی کریم صلعم اس پیشکش کو قبول نہیں فرماتے اور قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ یہاں اسلام کی دوسری عبادت گاہ کی تعمیر شروع ہوتی ہے (پہلی عمارت چند روز قبل قبا میں شروع کی گئی تھی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تعمیر میں خود ایک معمولی مزدور کی طرح کام کرتے ہیں۔ آپ ہر طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ فانی انسانوں سے

بڑھ کر نہیں۔ آپ کی مثال سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہر قسم کے آدمی آپکے دوش بدوش اس عظیم الشان کام میں حصہ لیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ محبت بھرے اور پُر خلوص ہاتھوں سے یہ عمارت کھڑی ہو جاتی ہے

اب مسلمانوں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ تو اس سے ولولۂ محنت کو اور ترقی ہوئی اسلام کا شجر جب ثمر لاتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی سعی کرتے ہیں۔ کیونکہ کامیابی سے آپ مغرور نہیں ہوئے اور قوت اور علو مرتبہ نے آپ پر کوئی خاص اثر نہیں کیا۔ آپ پہلے کی طرح منکسر المزاج ہیں آپ میں تکبر و خود نمائی کا شائبہ تک نہیں۔ ہمیشہ کی طرح آپ کا یہی حال ہے کہ ہر شخص آپ سے مل سکتا ہے اور آپ سب سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگانے مکان میں جھاڑو دینے۔ بازار سے سودا لانے اور اونٹوں کو چارہ ڈالنے میں اب بھی آپ کو عار نہیں۔ آپ یقیناً ایک بے نظیر بادشاہ ہیں جو اپنی رعایا کو بے حد محبوب ہیں۔

کوئی مسرت آپ کو اشاعت اسلام سے منحرف نہیں کر سکتی۔ کیونکہ آپ اسے بدستور اپنی تمام کوششوں کا اولین مقصد سمجھتے ہیں۔ اپنے معتقدین کے درمیان اتحاد مقصد پیدا کرنا۔ زمانۂ جاہلیت کی عداوتوں کو مٹانا مسلمانوں میں اخوت و اتحاد کا قیام مجلسی قباحتوں کا انسداد۔ اور بُت پرستی کے تمام آثار کو مٹانا۔ یہ ہیں وہ مقاصد جنہیں پورا کرنے کے لئے آپ اپنی تمام قوتیں اور سارا اثر و رسوخ صرف کر رہے ہیں۔ آپ اس عہد کے طرز معاشرت کے نقائص پر غور و خوض کرتے رہے ہیں۔ اب آپ کو موقع مل گیا ہے کہ احکام دیں

کو قانون کی صورت دے دیں۔ اور مذہب کے نظریہ پر روزمرہ کی زندگی میں عمل کیا جائے۔

(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لا کر چند ماہ میں جو اصلاحات رائج کیں وہ تفصیل تذکرہ کی مستحق ہیں۔ مسجد کا معاملہ طے کرنے کے بعد آپ نے ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ جو یہ تھا کہ مہاجرین کا درجہ اہل مدینہ میں جو دوستانہ جذبات رکھنے کے باوجود اجنبی ہیں۔ کیا ہونا چاہیئے۔ مہاجرین اس دلیل کے ساتھ اپنا تفوق بتاتے ہیں کہ انھوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور نبی کریم صلعم کی متابعت پر اپنے خاندانی اور قبائلی تعلقات کو قربان کر دیا۔ اہل مدینہ جو انصار یعنی مددگار کہلاتے ہیں۔ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا حق زیادہ ہے۔ کیونکہ انکی مدد کے بغیر آپ کو اقتدار حاصل نہ ہوتا۔ جوشیلے لوگوں کے درمیان اس مسئلہ پر گرما گرم بحث شروع ہو جاتی ہے۔ اور جب معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو آپ اس کے حل میں دقت محسوس نہیں کرتے۔ آپ انھیں فرماتے ہیں کہ اسلام میں اوّل و آخر کا کوئی سوال نہیں۔ تمام مسلمان بھائیوں کی طرح مساوی ہیں۔ چنانچہ اس نظریہ کے مطابق آپ نے ہر مہاجر اور ہر انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کر دیا۔ یہ ایک ایسا حل تھا جو نوع انسان کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ آپ انصار و مہاجرین کو ایک دوسرے سے برادرانہ طور پر محبت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر مہاجر خود کو اپنے انصار بھائی کے گھر بار اور مال و اسباب کے نصف حصہ کا

مالک پاتا ہے۔ یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ انصار کے دل کو اس سے ایذا پہنچے گی۔ لیکن اسکے بالکل برعکس وہ بہت خوش ہیں۔ مال و زر کے معاملہ میں بھی انھیں جلد معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خسارے میں نہیں ہیں۔ کیونکہ مہاجرین تجارت کا خاص مذاق رکھتے ہیں۔ انصار کا سامان تجارت منڈی میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ منافع پر فروخت ہوتا ہے۔ اس طرح مدینہ ایک مطمئن سوسائٹی کی مثال پیش کرتا ہے جس میں مشقت اور نفع مشقت کی مناسب تقسیم موجود ہے۔ اور یہ اصول سب کے پیش نظر ہے کہ خدمت کرانے والے کو خدمت کرنی بھی چاہیئے منظم سوسائٹی کا انحصار اس امر پر ہے کہ خود غرض عناصر کو قابو میں رکھا جائے باہمی جذبۂ قربانی اور انفرادی کوششوں کی حوصلہ افزائی کی جائے دراسلام جو مدینہ میں قائم ہوا۔ ان تمام صفات کا صحیح نمونہ ہے کیونکہ سوسائٹی کے متعلق نبی کریم صلعم کے تصورات بالکل ایسے ہی ہیں۔ جیسے خدا کے متعلق۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کسی خاص قبیلے یا صرف ابراہیم و یعقوب کا خدا ہی نہیں۔ بلکہ رب العالمین ہے۔ وہ تمام جہانوں۔ تمام بنی نوع انسان۔ مومنوں منکروں کا خالق۔ رازق اور رب ہے۔ اس طرح اسلام کی قائم کی ہوئی سوسائٹی میں بلا تفریق رنگ و نسل ہر شخص کے لئے جگہ موجود ہے۔ یہ ایک اعلیٰ ترین اخوت ہے۔ وہ اخوت جس کا وعظ "خدا کے بیٹے" نے کیا۔ لیکن جس کی تکمیل فرزند صحرا کے ہاتھوں مقدر ہو چکی تھی[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتقدین کے معاملات میں ایک قابل

---

[1] اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی بادشاہت جس کا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام نے بار بار کیا ہے۔ وہی سلطنت الٰہیہ تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ مترجم

تعریف ناظم ہونگے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انکے متعلق جو اسلام پر اعتقاد نہیں رکھتے آپ کی کیا روش ہے۔ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک روادارانہ اور فیاضانہ ہے۔؟

اس واقعہ سے کئی سال پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین سے کہا تھا۔ کہ میں ان خداؤں کی عبادت نہیں کرتا جنھیں تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم اس خدا کو پوجتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے لئے۔ اور خدا ہمارے درمیان منصف ہے۔ قسمت کی تبدیلی نے دنیا کے متعلق آپ کے نقطۂ نظر میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا۔ آپ بدستور صرف ایک پیغامبر ہیں۔ حالانکہ عربستان کو بت پرستی سے پاک کرنے کے علاوہ آپ کو اور فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں۔ اقتدار نے آپ کے خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آپ کے وعظ سننے والے پہلے کی طرح اب بھی آپ کا پیغام تسلیم کرنے یا مسترد کر دینے میں مختار ہیں۔ اگر وہ مان لیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانیں تو خدا خود ان سے نبرٹ لے گا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہیں۔

اہل مدینہ کا اہم جزو یہودی ہیں۔ جنھوں نے شہر کے اندر نئے پیغمبرؐ کے استقبال میں حصہ لیا۔ لیکن بہت زیادہ سرگرمی سے نہیں۔ جب سے سمندر ان کے لئے پھٹ گیا۔ وہ ایسے پیغمبر کا انتظار کر رہے ہیں جو انھیں دودھ اور شہد کی سرزمین میں واپس لے جائے۔ وقتاً فوقتاً متعدد نبی پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن انھیں سب کے متعلق شبہ رہا ہے۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو یہ لوگ آپ کو مسیح موعود تسلیم کر لینے کے لئے نیم رضامند تھے۔ لیکن اب انکی رائے بدل چکی ہے اب انھیں نبی کریم صلعم

کے متعلق ایسے شبہات ہیں۔ جیسے حضرت عیسٰے کے متعلق تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کے نزدیک ایک ساربان اور ایک سردار قبیلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ آپکے عقائد انکے جاہ پسندانہ خیالات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ اپنے کو "خدا کی منتخب" نسل خیال کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انکے وساوس سے باخبر ہیں۔ وہ انھیں یقین دلاتے ہیں کہ تمہیں پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ اسکے عوض آپ صرف اس بات پر اصرار کرتے ہیں۔ کہ وہ شہر مدینہ اور اسکے باشندوں کے وفادار رہیں۔ ان معاملات کے متعلق ایک دستاویز مرتب کی جاتی ہے جو آپ کی عظمت کی تصدیق کرتی ہے۔ دستاویز حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ "یہ ایک سند ہے جو محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو دی جاتی ہے۔ خواہ وہ قریش ہوں یا اہل یثرب۔ اور ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تمام لوگ ایک ہی قوم شمار ہونگے"۔ چند قوانین کی تفصیل کے بعد جن پر مسلمانوں کو کاربند ہونا چاہیئے۔ یہ دستاویز یوں شروع ہوتی ہے۔ "صلح و جنگ کی حالت تمام مسلمانوں کے لئے مشترک ہو گی۔ ان میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا۔ کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ معاہدہ صلح یا اعلان جنگ کرے۔ یہودی جو ہماری شروت عامہ سے ملحق ہو جائیں گے انکے مال و جان کی حفاظت کی جائے گی۔ ہماری اعانت اور حسن سلوک پر انھیں وہی حق ہوگا جو مسلمان کو ہے۔ یہودی اور یثرب میں بود و باش رکھنے والے سب تمام لوگ مسلمانوں سے ملکر ایک ہی قوم تصور ہوں گے انھیں اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ مجرمین کی تحقیقات

کر کے انھیں سزا دی جائے گی۔ تمام دشمنوں کے مقابلہ میں یہودی یثربی مسلمانوں کا ساتھ دینگے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے خلفا کی بطور مربی عزت کی جائیگی۔ تمام سچے مسلمان ہر ایسے شخص سے نفرت کا اظہار کرینگے۔ جو جرم۔ ناانصافی اور قانون شکنی کا مرتکب ہو۔ خواہ وہ مجرم ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو آئندہ ان لوگوں کے تنازعات جو اس دستاویز کو قبول کر لیں فیصلہ کیلئے پیغمبرؐ کے سامنے پیش ہوا کرینگے"۔

یہ مذہبی رواداری اور بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دائرہ وسیع کر دیتے ہیں۔ اور عیسائی اور زرتشتی بھی اس دائرے میں آجاتے ہیں۔ اول الذکر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

"نجران اور نواحی علاقہ کے عیسائیوں کے لئے خدا اور اس کے نبی کے وعدے کے مطابق جان و مال اور مذہب کی امان دی جاتی ہے انکی مذہبی رسوم اور ادائے عبادات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائیگی۔ اور نہ انکے حقوق و مفاد میں کوئی تبدیلی کی جائے گی۔ ان کے کسی بت یا صلیب کو توڑا نہیں جائے گا۔ وہ نہ کسی پر سختی کریں اور نہ ان پر کوئی سختی کی جائے گی۔ لیکن انھیں یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ ایام جاہلیت کی طرح خون کا انتقام لے سکیں"۔

آتش پرستوں کے پیشوا کو آپ لکھتے ہیں۔ "یہ مکتوب محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے فرخ ابن شکسان اسکے خاندان اور اس کی اولاد کے نام ہے کہ وہ اس بات سے قطع نظر کر کے کہ ان میں سے کون دین اسلام قبول کرتا ہے اور کون اپنے مذہب پر قائم رہتا ہے۔ یقین رکھیں کہ خواہ وہ میدانوں میں بستے ہیں یا پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ خدا اُن کی جانوں اور انکے مکانوں

کی حفاظت کرے گا۔ ان سے غیر منصفی نہ کی جائے گی۔ اور نہ سختی کا سلوک روا رکھا جائے گا۔ اور جن لوگوں کے سامنے میری یہ چٹھی پڑھی جائے انھیں زرتشتوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔ وہ آتشکدوں اور اس تمام جائیداد کی ملکیت کے متعلق جو آتش کدوں سے ملحق ہے۔ بالکل آزاد ہیں۔ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے استعمال میں مانع نہ ہوگا جو انکے مذہب اور ان کی معاشرت میں مقدس سمجھی جاتی ہیں۔"

دوسرے مذاہب کے ساتھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ رواداری مکمل طور پر قابل فہم ہے۔ کیونکہ خدا نے صدہا آیتوں میں آپ کو بتایا ہے کہ نجات صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں۔ ایک تازہ سورۃ میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ "ہم نے ہر شخص کو ایک آئین اور راستہ دیا ہے۔...... اگر خدا کو منظور ہوتا تو وہ نوع انسان کو ایک ہی قوم بنا دیتا۔ لیکن اسکی رضا اسکے خلاف تھی۔" آگے ارشاد ہوتا ہے۔ "ہر ایک شخص کے لئے جو خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ اور نکوکار اور راستباز ہے۔ ایک انعام ہے۔ خواہ وہ ایماندار (مسلم۔ یہودی۔ عیسائی) ہے یا صابی۔" "کیونکہ مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ راہ راست غلط راستہ سے جداگانہ ہے۔ جو شخص جھوٹے معبودوں کے ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور خدا پر ایمان لاتا ہے سے ایک محکم سہارا مل جاتا ہے کیونکہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حمایت کرتے ہیں تو آپ کی فیاضی اور بے تعصبی عیاں ہو جاتی ہے۔ آپ خود ایک معمولی انسان ہونے کا دعوے کرتے ہیں لیکن گذشتہ نبیوں کی عزت کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں۔ ان کی خوبیاں تسلیم کراتے ہیں اور شاندار و

قابل تسلیم اشاروں سے انھیں سچے اور معصوم ظاہر کرتے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم و حضرت یوسف کو راست گو کہتے ہیں حضرت لوط کے پاک اخلاق کی تصدیق کرتے ہیں حضرت عیسےٰ کو روح اللہ مانتے ہیں۔ مؤخر الذکر کے ہر دعوے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں مانتے کہ انھیں خدا سے کوئی امتیازی رشتہ ہے۔ اسلام سے جداگانہ دین رکھنے والے نبیوں کا احترام محمدؐ رسول اللہ کے دین کا ایک ضروری جزو ہے۔

(۴۳)

دوسرے معاملات میں بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فوری تغیرات کر رہے ہیں۔ معاہدۂ یہود کے آخری الفاظ نے خون کا بدلہ خون سے دینے اور تلوار کے ذریعے تصفیۂ قصاص کی رسم قدیم کی ممانعت کر دی ہے۔ آئندہ تمام ایسے معاملات میں نبی کریم صلعم حق ثالثی ادا کرینگے۔ جن کے لئے آج تک انتقام کا خون مروج تھا۔ تلوار کے استعمال پر خاص طور پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ گو اسے بالکل منسوخ نہیں کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ تلوار برہان وانصاف کی جگہ کام نہیں دے سکتی۔ تاہم ایسے مواقع بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب اسے بے نیاز کرنا اہم ترین فرض ہو گا مثلاً جب آزادی کو پامال کیا جا رہا ہو۔ حریت خطرہ میں ہو۔ انصاف ایک مضحکہ بن بن جائے یا فردِ واحد انسان حکمران بن جائیں نیز ایک مسلم کو مذہبی طور پر ایسے وقت میں تلوار اُٹھانے کا اختیار ہے جبکہ کسی عبادت گاہ کو تباہی سے بچانا مقصود ہو خواہ وہ خانۂ خدا کسی مذہب یا جماعت سے تعلق رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں اپنی حفاظت کے لئے بھی تلوار کا استعمال جائز ہے لیکن اگر حملہ آور امن پسندی

کی طرف میلان ظاہر کرے تو تلوار کو فوراً نیام میں کر لیا جائے نیز ایک مسلمان آزادیٔ ضمیر کے لئے تلوار اٹھا سکتا ہے خواہ اس کا مدمقابل عیسائی یہودی یا مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ تبلیغ کے لئے تلوار استعمال کرنے کی اجازت نہ قرآن دیتا ہے نہ پیغمبرؐ۔ اسلئے ایسی تبلیغ اسلام خلاف قانون ہے۔ اسی طرح جنگ میں پیش دستی کرنا بھی کہیں جائز نہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی اور قمار بازی کے بہت خلاف ہیں۔ اور انھیں شیطانی لغویات سمجھتے ہیں۔ مسلمان کو نہ خنزیر کا گوشت کھانا چاہئے نہ مُردار کا۔ اور نہ ایسے جانوروں کا جو دوسرے معبودوں کے لئے قربان کئے گئے ہوں۔ ایسے حیوانات کا گوشت کھانا بھی ممنوع ہے جو دم گھٹ کر مرے ہوں۔ یا کسی چوٹ کے لگ جانے سے بے جان ہو گئے ہوں۔ یا گر پڑے ہوں یا جن کا کچھ حصہ وحشی درندے کھا چکے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں نفس کشی اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتے۔ نجات بھوکے رہنے۔ نفس کشی کرنے۔ کانٹوں کے بستر پر سونے۔ مجرد رہنے۔ اور دنیا کی مسرتوں مثلاً طعام۔ لباس اور جنسی خواہشات کو ترک کر دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ انسان زندگی اس طرح بسر کرے جس طرح خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ خدا نے اسے دیکھنے۔ چکھنے۔ چھونے۔ سونگھنے کی قوتیں بخشی ہیں۔ اور اسے جذبات اور احساسات عطا کئے ہیں۔ اس میں دلیل۔ عقل اور خواہش موجود ہے۔ اسے عمل تخلیق کے دوران میں بنایا گیا اور اپنی نسل جاری رکھنے کے لئے قابلیتیں دی گئیں۔ اسلئے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ اگر خالق کو انسان کو خلاف فطرت تنہا اور رفاقت جنسی۔ محبت اور اعتراف حسن کے بغیر رکھنا منظور تھا تو اس نے

ایک بے ضرورت چیز کو پیدا ہی کیوں کیا؟ فطرت کی بے پناہ قوتوں کو ہمیشہ کے لئے روکا نہیں جاسکتا۔ اندرونی ندیوں کا دباؤ بڑے بڑے تودے مٹی کے توڑ پھوڑ دیتا ہے ہوا پہاڑیوں کا رُخ بدل دیتی ہے۔ ہر شے میں کائنات کے ذرہ ذرہ میں ایسی قوتیں مصروف عمل ہیں جن پر انسان قابو نہیں پاسکتا جب وہ کوئی ایسی حیثیت اختیار کرنا چاہتا ہے جو اس کے لئے موزوں نہیں اور اس میں ناکام رہتا ہے تو وہ اسے جسمانی کمزوری یا دوسرے الفاظ میں گناہ کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ وہ کئی طریقوں سے ان گناہوں کو دھونے کی کوشش کرتا ہے متبرک دریاؤں میں اشنان کرتا ہے۔ پادری کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے متقدس مقامات کی یاترا کرتا ہے۔ یا نئے سال کے لئے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے اس امر کے لئے وہ موردِ الزام نہیں کیونکہ دوسری مشکلات میں الجھے ہونے کے باعث اُس نے اپنے روحانی معاملات علمائے کتب مقدسہ کے سپرد کر رکھے ہیں۔ ان بھلے آدمیوں کو بھی آخر گذر اوقات کرنا ہے۔ گناہوں کی فہرست جس قدر طویل ہوگی۔ اُسی قدر مذہبی پیشواؤں کی معیشت کامیاب ہو گی۔ کثرت عصیاں اسی سبب سے ہے اس کا یہ سبب نہیں کہ پادری اور راہب کا معیار اخلاق جداگانہ ہے۔ ان میں سے بھی بعض ایسے ہیں۔ جو ایسے وقت جبکہ انھیں جاگنا چاہیئے سوئے پڑے رہتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ شراب نوشی کرتے ہیں۔ اور جہاں بآسانی ممکن ہوتا ہے۔ سچائی کو چھوڑ دیتے ہیں شادی کے بغیر بچے پیدا کرتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں۔ اور خدا کا نام بے فائدہ رٹتے ہیں۔ عیسائیوں اور یہودی پیشواؤں کی مثالیں دیکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہبان واحبار کے وجود کو بے سود تصور کرتے ہیں۔ آپ نوعِ انسان

کی خرابیوں کے ذمہ دار انھی کو گردانتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے نہ صرف خُدا کو اپنے تختِ عظمت سے بر طرف کر کے اسکی جگہ خود ساختہ نقلی خداؤں کو بٹھا رکھا ہے۔ بلکہ انسان کے ضمیر کو حرص و ہوا کا غلام بنا دیا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہ ہے کہ خدا اور انسان ان دونوں کے وقار کو اپنی صحیح حالت پر لے آئیں۔ یعنی خدا کو وحدہٗ لاشریک ٹھہرائیں اور بندہ کو ایسا بنا دیں جیسا خالق نے در اصل اُسے بنایا۔ خدا اور انسان میں بلا واسطہ تعلق پیدا ہو چکا ہے۔ اور اگرچہ نبی کریم صلعم ان کی شفاعت کا ذمہ نہیں لیتے۔ تاہم خدا کو مکان و زمان کی قیود کے بغیر عامتہ الناس کے لئے قابلِ رسائی بنا دیتے ہیں۔ اسلام میں گناہوں کی فہرست بھی کم سے کم کر دی گئی ہے۔ انھوں نے گوشے میں بیٹھ کر راہبوں کی طرح ریاضتیں کرنے اور جسم کو اذیتیں دینے یا انسانی صلاحیتوں کے عدمِ استعمال کا حکم نہیں دیا۔ حضورِ سرورِ کائنات صلعم صرف نذیر ہی نہیں بلکہ بشیر بھی ہیں۔ آپ بشارت دیتے ہیں " زندگی کی نعمتوں کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو"۔ نیز آپ فرماتے ہیں " اے ایمان والو جو اچھی چیزیں تم نے کمائی ہیں۔ اور جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں انھیں صرف کرو"۔ ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے متعلق مسلمان کا زاویہ نگاہ کیا ہے۔ جو ممنوعات کے ایک تنگ دائرے کو چھوڑ کر پوری مسرتیں حاصل کرتا ہے۔ اور ان نعمتوں کو کھاتا ہے جو قادرِ مطلق نے اسکے لئے مہیا کی ہیں۔ یہ آزادیاں ایک مسلم میں آرٹ۔ لٹریچر اور سائنس کے محاسن کو پہچاننے اور انھیں نشو و نما دینے کی صلاحیتیں پیدا کرتی ہیں۔ اور وہ ایک میل جول کے قابل انسان بن جاتا ہے۔ وہ اپنی وضع پر فخر کرتا ہے وہ جو کچھ کماتا ہے اسے صرف کرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اور اس طرح دوسروں

کے لئے کمانا اور خرچ کرنا ممکن بنا دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ مسرت آگیں تبسم کے ساتھ سیر حیات کرتا ہے۔ کیونکہ زندگی کے پھول سے جتنی شیرینی حاصل ہو سکتی ہے وہ کر لیتا ہے۔ لہٰذا اسلام نوع انسان کے لئے حقیقی اور فطری دین ہے۔

(۴)

اصول اسلام میں تجارت کے متعلق بھی ویسی ہی وسیع نظری پائی جاتی ہے۔ عرب عام طور پر خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اونٹوں، گھوڑوں، مویشیوں اور بھیڑوں کے ذریعے روزی حاصل کرتے ہیں لیکن بعض قبائل مستقل طور پر تجارت میں مشغول ہیں۔ اور باقاعدہ طور پر مشرق و مغرب کے کاروانی راستوں کو استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اب تک تجارت کے جواز عام کا ہی ذکر کیا ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اہم معاملات کے متعلق تمام شبہات رفع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ تجارت کی اجازت ہر زمانے کے لئے دیدی گئی ہے۔ اور تو اور اسے زمانۂ حج میں بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن نماز بہرحال تجارت پر مقدم ہے۔

قرآن کریم میں معاہدات پر قائم رہنے کے لئے زور دیا گیا ہے۔ "ایمان والے وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کو پورا کرتے ہیں"۔ اگر کسی معاملہ میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے پر اعتماد کرتی ہیں تو بہتر۔ لیکن اگر کوئی شخص زبانی اقرار پر اعتماد نہ کرے تو گواہوں کے روبرو ایک تحریری معاہدہ لکھا جانا چاہیئے عہد نامہ کی شکل خواہ کچھ بھی ہو۔ بہرحال وہ ایک قابل احترام چیز ہے اور اس کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ معاہدے میں کوئی مجبوری نہیں ہو سکتی بلکہ

ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر کرنے اور کام کرنے کے لئے مختار ہے۔ جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہو۔ اسی طرح یہ بھی لازمی نہیں کہ وہ خرید و فروخت کرے۔ البتہ جب وہ مسلمان ہو جاتا ہے تو خود بخود قرآن کریم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آئین کو منظور کر لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے۔ جس کے قوانین پر عمل پیرا ہونا اس کا فرض ہے اسی طرح جب کوئی شخص دوسرے شخص سے لین دین کرتا ہے تو کسی کام کو انجام دینے کے لئے ایسا ہی عہد کرتا ہے دونوں حالتوں میں نوع انسانی کے لئے عام اور اعلیٰ اخلاقی قانون یہی ہے کہ معاہدہ پر عمل کیا جائے۔

اسلام میں خدا کے ساتھ انسان کا عہد زبانی اور خاص رسوم سے مبرا ہے تمام معاملہ کا انحصار اعلیٰ ترین اساس یعنی وعدہ کرنے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔ انسانوں کے باہمی معاہدوں میں پابندئ قواعد کی سفارش کی گئی ہے بہر حال ایمانداروں کے لئے ہر صورت میں معاہدہ پر کاربند ہونا ضروری ہے، اسی طرح غلط وزن اور پیمانے کا استعمال بھی نبی کریم صلعم کی ناپسندیدگی کا باعث ہے۔ ایمان والوں کے لئے صحیح پیمانہ اور ٹھیک میزان کا استعمال شرط ہے۔ اور جو کم تولیں ان کے لئے خدا کی لعنت ہے۔ صحیح تولنے کی تاکید معاہدوں کی تکمیل کا ایک طبعی ذریعہ ہے

لیکن جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدات کے معاملہ میں پوری آزادی کی اجازت دیتے ہیں۔ وہاں سود کو سختی کے ساتھ برا سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شیر بھیڑیا یا دوسرا دشمن سود خوار سے زیادہ دشمن نہیں ہو سکتا سود خواروں کے لئے کوئی درمیانی منزل یا اعراف نہیں۔ ان کی منزل مقصود معین ہے یعنی دوزخ کی آگ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اسلامی قوانین اگر نرم ہیں تو محتاجوں اور مظلوموں کے ساتھ فیاضی کرنے میں۔ بار بار اپنی آمدنی میں سے خیرات دینے پر زور دیا جاتا ہے نیز دوسروں کے مال خصوصاً یتیموں اور بیواؤں کے مال کے متعلق منصفانہ برتاؤ کی تاکید کی جاتی ہے۔

قرضخواہوں کے معاملہ میں بھی انہیں اصول پر کاربند رہنے کی ہدایت ہے۔ جب کسی قرض کا معاہدہ کیا جائے تو لازم ہے کہ مقروض تمسک لکھ دے۔ یا کسی کو لکھوا دے۔ اس میں دیانتداری اور صفائی سے کام لیا جائے معاہدہ کے عام قانون کے مطابق مقروض کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا قرضہ وقت معین کے اندر ادا کر دے۔ اگر کسی سبب سے وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر کیا ہونا چاہیئے؟ قرض خواہ کا فرض ہے کہ وہ انتظار کرے۔ تاکہ مقروض کے حالات بہتر ہو جائیں۔ یا قرض کی رقم خیرات کے طور پر مقروض کو بخش دے ظاہر ہے کہ یہ قوانین کسی اور جگہ کے قوانین سے واضح طور پر مختلف ہیں۔ قرآن حکیم قرض کی عدم ادائی کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کرتا۔ رومیوں کے قانون کے ماتحت مقروض کو اپنا معاہدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں موت کی سزا دی جاتی ہے۔ عہدنامۂ قدیم کی رو سے اسے غلام بنایا جا سکتا ہے حمورابیؔ[1] کا قانون ذرا زیادہ نرم ہے۔ اسکے مطابق مقروض کو کام کر کے قرضہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور تین سال تک اپنی بیوی۔ لڑکے اور لڑکیاں قرضخواہ

---

[1] حمورابی۔ بابل کے ایک مشہور بادشاہ کا نام ہے۔ جسے دنیا کے قدیم ترین مصنفوں میں سمجھا جاتا ہے۔ حال میں حمورابی کے متعلق نہایت دلچسپ حالات معلوم ہوئے ہیں اور اسکے تمام قوانین انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں چھپ گئے ہیں۔ مترجم۔

کے حوالے کر دینی چاہئیں حضرت عیسٰے علیہ السلام پیغمبروں کے قوانین کی تکمیل کے لئے آئے۔ اسلئے انھوں نے قرضہ کے لئے سزاسے قید عدل رکھی مقروض کے لئے اُن کی ہدایت تھی "اپنے مخاصم سے جلدی تصفیہ کرلو۔ تاکہ وہ تمہیں جج کے سامنے پیش نہ کرے۔ جج تمہیں افسر کے حوالے نہ کرے۔ ورنہ وہ تمھیں جیل میں نہ ڈال دے۔ تحقیق میں تمھیں کہتا ہوں کہ تم زندان سے کسی صورت باہر نہ آسکوگے۔ تاوقتیکہ اپنے قرضے کی پائی پائی ادا نہ کرلو۔"

یہ تمام اصلاحات بجائے خود اہم ہیں لیکن سب سے زیادہ انقلاب آخریں اصلاحات جن کا تعلق عورت کے رتبہ اور حیثیت سے ہے آگے چل کر آتی ہیں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام دیکھتے ہیں کہ آپ کی قوم میں عورت ایک جائیداد منقولہ کی طرح ہے۔ وہ اپنے باپ یا خاوند کی ملکیت ہے۔ ایک آدمی کی بیوائیں اس کی جائیداد کی وارث ہیں بعض قبائل خصوصاً قریش اور بنی کندہ میں بچیوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ یہودیوں میں لڑکیوں کی حالت قدرے بہتر ہے۔ لڑکی کو اس کا باپ لونڈی کے طور پر فروخت کر سکتا ہے۔ اور اسکے مرنے کے بعد وہ اپنے بھائیوں کی مرضی پر ہوتی ہے۔ اگر وہ خوبصورت ہے تو یہودیوں کی نظروں میں وہ ایک بیش بہا مقبوضہ ہے۔ عیسائیت نے عورت کا گناہ اولین فراموش نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ شیطان کی باتوں میں نہ آتی۔ تو انسان اب بھی صحت افزا برہنگی کے عالم میں باغ عدن ہی کے اندر ہوتے۔ اور خام سبزیوں اور پھلوں پر انکی پرورش ہوتی۔ عیسائیت میں عورت کو ابھی تک شیطان کا دروازہ خیال کیا جاتا ہے۔ اسی کو قیاصرہ کے زوال۔ بابل کی بربادی۔ اور ٹرائے کی تباہی کا سبب سمجھا جاتا ہے پادریوں کو شبہ ہے کہ وہ شاید آسمانی بادشاہت میں بھی داخل نہ ہوسکے

متی۔ لوقا۔ مرقس اور یوحنا اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ کہ عورت کے متعلق خدا کا کیا حال ہے۔ ایران۔ روما۔ ایتھنز۔ اسکندریہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں کثرت ازدواج زوروں پر ہے۔ عیسائی۔ یہودی۔ ایرانی۔ زندارستانی اور صحرائی عرب اپنی بیویوں کے انتخاب و تعداد کے معاملہ میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحات بہت دور رس ہیں گناہ اوّلین کا عقیدہ متروک نظریات کے ساتھ قعر خاموشی میں جا چکا ہے اسلامی عقیدے کے مطابق ہر بچہ لڑکی یا لڑکا معصوم پیدا ہوتا ہے۔ اب اسکی ضرورت نہیں کہ عورت کو شیطان کی پیداوار تصور کیا جائے۔ اور اسے پیدا ہوتے ہی بچھو کی طرح ہلاک کیا جائے۔ نہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرد عورت کے لئے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ عورت مرد کے لئے بنائی گئی ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق عورت و مرد مساوی ہیں۔ اور ایک ہی جوہر سے تخلیق کئے گئے ہیں عبرانیوں کو جو اپنی عورتوں سے کہتے ہیں کہ "تمہاری خواہشات تمہارے خاوند کے لئے ہیں اور وہ تم پر حکم چلائے گا"۔ اسلام جواب دیتا ہے کہ "عورت تمہارے گھر کی حکمران ہے"۔ اور "اسکے حقوق مردوں کے برابر ہیں۔ اسکے وہی حقوق مرد پر ہیں جو مرد کے اس پر ہیں"۔ آخر الذکر نقطہ شادی اور طلاق کے قرآنی قوانین میں درج ہے۔ شادی ایک معاہدے کی بنا پر تکمیل پذیر ہوتی ہے۔ جانبین کی رضامندی۔ توجہ۔ پیشکش۔ منظوری اور ادائے فرض پر مشتمل ہوتا ہے یکطرفہ حلف و اقرار کو منسوخ کیا گیا ہے شادی کرنیوالے مرد کی عمر اور جسمانی حالت اس قابل ہونی چاہیئے کہ وہ شادی کر سکے۔ ایجاب و قبول کیلئے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے جو شخص کسی عورت

سے شادی کرنا چاہے اسکے لئے اس بات کا یقین دلانا ضروری ہے کہ اس کا ارادہ بدل نہیں جائے گا اور پیرانہ سالی میں عورت کی ضروریات پوری کرتا رہیگا۔ یعنی وہ عورت کے لئے مہر مقرر کرے گا۔ رسم نکاح معتبر شہادتوں کے روبرو ادا ہونی چاہئے۔ نکاح منسوخ کرنے کے لئے کوئی پیچیدہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جاتا۔ چونکہ نکاح ایک معاہدے پر مبنی ہے اس لئے اگر معاہدے کی تعمیل میں نقص پیدا ہو جائے تو نکاح منسوخ ہو سکتا ہے لہذا اسلام کا نقطۂ نظر قابل فہم اور قابل عمل ہے۔ لیکن طلاق دینے سے پہلے واجب الادا مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ عورت اپنا مہر ضبط کرا کے آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ طلاق کے بعد جانبین جس سے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن باپ کی وراثت چونکہ فرزند کو ملتی ہے اسلئے اس سلسلہ میں رفع شک کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ طلاق حاصل کرنیکے بعد عورت اس وقت تک دوسری شادی نہیں کر سکتی جب تک تین دفعہ ایام ماہواری نہ گذر جائیں۔ بیوہ بھی اسی قدر عرصہ گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

اسلام کثرت ازدواج کی اجازت دیتا ہے مگر ایک واضح حد تک ایک مسلمان چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ سب سے مساوی سلوک کر سکے۔ اگر اسے ڈر ہے کہ وہ ایسا نہ کر سکے گا تو اس صورت میں وہ ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ اگر بیوی کو اس کے غلط رویے کی بنا پر طلاق دینا ہو تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ چار ماہ تک عورت کو موقع دے۔ اور اگر پھر بھی اپنی تکلیفات کا طلاق کے سوائے کوئی دوسرا حل نظر نہ آتا ہو تو نرمی کے ساتھ عورت کو چھوڑ دے۔

مسلمان کے لئے شرعاً ہر دوسری مسلمان یا صاحب کتاب (یہودی و نصرانی) عورت کے ساتھ اور ایسی عورت کے ساتھ جس کا خاوند کافر ہو مگر جس نے لڑائی کے دوران میں پناہ لی ہو نکاح کرنا جائز ہے۔ شادی صرف مسلمان عورت اور غیر مسلم مرد کے درمیان نا جائز ہے یا بعض رشتوں کے لئے مثلاً۔ ماں۔ لڑکی۔ بہن۔ خالہ۔ بھتیجی۔ بیک وقت دو بہنوں۔ سوتیلی ماں۔ سوتیلی بہن۔ ساس اور بہو کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔

شادی کے معاملہ میں جو مراعات دی گئی ہیں۔ اُنکے ساتھ یہ فطری امر ہے کہ اسلام زناکاری کو ناقابل معافی جرم قرار دے۔ لہٰذا یہ جرم انسان اور خدا کے نزدیک قابل مذمت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ زانیہ عورتیں زانی مردوں کے لئے ہیں۔ مشرکین میں شادی بیاہ اسلامی قانون کے مطابق جرم ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں تصریح کر دی گئی ہے۔ کہ بُری عورتیں بُرے مردوں کے لئے ہیں اور نیک عورتیں نیک مردوں کے لئے۔

اسلامی قانون عورت کو نہ صرف اپنے جسم پر اختیار دیتا ہے بلکہ مرد کے ساتھ سوسائٹی میں اس کو ایک اعلےٰ درجہ بھی عطا کرتا ہے۔ اب عورت ایک منقولہ جائیداد نہیں۔ جسے خریدا یا بیچا جا سکتا ہے۔ وہ گھر کی حکمران ہے اور مرد کا نصف بہتر۔ مرد رشتہ داروں کی جائیداد کی وارث بننے کے لئے اس کے راستے میں جتنی رکاوٹیں حائل تھیں وہ دور ہو گئی ہیں اب بیواؤں کو حق وراثت سے اس بنا پر محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جائیداد کا ایک حصہ ہیں اور خاوند کے ورثاء کے پاس منتقل ہو جاتی ہیں۔ بیٹیوں کو بھی اب اس بنا پر محروم وراثت نہیں سمجھ لیا جاتا کہ شادی ہو جانے پر وہ اپنے خاندان کی رکنیت سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ آخری امر یہ کہ کمسن لڑکے بھی اس عذر پر خارج نہیں

سمجھے جاتے کہ ابھی تک وہ قبائلی حقوق واملاک کی حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات کے ماتحت جنس اور عمر اب ناقابلیتیں نہیں رہیں۔ بیویاں۔ بیٹیاں۔ بہن اور مائیں وراثت کا حصۂ معین حاصل کرتی ہیں مرد اور عورتوں کے برابر حق مانا ہے۔ بیوی اور لونڈی کی اولاد میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ بشرطیکہ بچے کی اصلیت مشخص ہو۔ اسی طرح جائز عورتوں کی اولاد اور متبنیٰ کو بھی ایک ہی سطح پر لایا گیا ہے۔ مسلمان کی جائیداد کا دو تہائی حصہ وارثوں کا حق ہے۔ باقی ایک تہائی کے لئے وہ جو چاہے وصیت کر سکتا ہے۔

ان قوانین کو اگر غیر جانبداری کی نظروں سے دیکھا جائے اور مرد و عورت کے حقوق۔ بچوں کے حقوق باہمی اور زندہ والدین پر حقوق اور جائیداد کے متعلق وصیت کرنے کا حق بلا اس اختیار کے وصیت کنندہ اپنی مرضی کے مطابق وصیت کر کے جائز وارثوں کو اپنے حقوق سے محروم کر دے۔ ان تمام امور پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوانین بہت منصفانہ اور قابل تسلیم ہیں۔

ان تمام معاملات کی تصدیق وقتاً فوقتاً قرآنی سورتوں سے ہوتی رہتی ہے۔ سورۂ بقر میں ان قوانین کا خلاصہ بہت اچھے طریقے پر آگیا ہے معاشری امور کے علاوہ یہ سورۃ مسلمانوں کے دیگر اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ نوع انسان کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے جو خاتم النبیین ہیں۔ پیغام بھیجا جا رہا ہے۔ اس میں اس بیان کی پر زور مخالفت کی گئی ہے کہ ایک یہودی یا عیسائی کے سوا کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔ بہشت کے دروازے ان تمام اشخاص

کیلئے کھول دیے گئے ہیں۔ جو خدا کی رضا جوئی اختیار کرتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔ اس میں بیان ہے کہ مشرق و مغرب خدا کے ہیں اور جدھر رخ کرو اللہ ایستادہ ہے اور یہ کہ خدا کو اپنے لئے کسی بیٹے کی ضرورت نہیں کیونکہ اسکے لئے ہر چیز اچھے مقصد کو ترقی دینے کیلئے ہے۔ یہ سورۃ مسلمانوں کو اچھے کاموں کیلئے ایک دوسرے سے متحد ہونے کی تاکید کرتی ہے اس میں روزوں اور حج بیت اللہ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ سورۂ بقر مسلمانوں کو راہ خدا میں جنگ کرنے پر بھی آمادہ کرتی ہے۔

(۵)

آئین معاشرت کے متعلق اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوششیں عظیم الشان اور دور رس ہیں۔ تاہم حضور کا سارا وقت اسی کام کے لئے وقف نہیں۔ اور دنیوی ملک داری محض ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اجتماعات نماز میں آپ بدستور ایک بزرگ عمر انسان ہیں جو توحید الٰہی اور مخلوق کے اتحاد کا وعظ کہتے ہیں۔

قرآن کریم کی نئی سورتیں قادر مطلق کی ثنا کے بارہ میں ان سورتوں سے کم واضح نہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب تک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکے ساتھیوں کو باغی سمجھا جاتا تھا۔ آپ کے قلیل التعداد معتقدین جہاں اور جس طرح ممکن ہوتا کسی اعلان و اشتہار کے بغیر جمع ہوتے تھے۔ اور نمازیں مجبوراً چھوٹی کرنی پڑتی تھیں۔ کیونکہ وقت ساز گار نہیں تھا۔ لیکن مدینہ میں پانچ وقت کا فریضہ ادا کرنے اور نماز جمعہ کے لئے فرصت بھی ہے اور امن بھی۔ اب وقت آگیا ہے کہ قوائد و آئین کی تکمیل ہو جائے۔

زمانہ امن کی مراعات سے بہر حال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نظریۂ نماز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپکے لئے نماز بدستور ایک قلب ممنون کی وا۔ درگاہ ایزدی میں ایک قربانی! اور خالق و مخلوق کے درمیان ایک تعلق ہے۔ اسلئے نماز کے بارے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی۔ نماز نیلگوں آسمان کے نیچے ہر جگہ علانیہ یا خواب گاہ کے اندر خفیہ طور پر پڑھی جا سکتی ہے اسکے لئے کسی قسم کی رسوم کی ضرورت نہیں۔ بھڑکیلے سنہری کپڑوں، پھولوں، خوشبوؤں، گلاب اور عطر کا ہونا ضروری نہیں۔ کسی پادری، ربی، پنڈت یا مقدس باپ کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص نماز حسب مرضی تنہا یا جماعت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ جماعت کی نماز ہر ایسا شخص پڑھا سکتا ہے جو قرآن کریم سے دوسرے حاضرین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہو جسے جماعت امام بنانے کیلئے دعوت دے۔ لیکن ایک واضح اصول مقرر کرنے اور مسلمین کو نماز کے لئے بلانے کا طریقہ معین کرنے کا وقت آپہنچا ہے۔ اول الذکر کے متعلق کوئی مشکل درپیش نہیں۔ البتہ آخر الذکر عقدہ یعنی نماز کے لئے مسلمانوں کو بلانے کے متعلق کئی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہودیوں کی طرح سنکھ بجانا مفید ہوگا۔ بعض عیسائیوں کی گھنٹیوں کی سفارش کرتے ہیں۔ آخر اس معمہ کو حضرت عمرؓ نے ایک خواب کا حوالہ دے کر حل کیا جس میں آپ نے انھیں دنوں دیکھا تھا کہ ایک شخص ایک بلند مینار پر کھڑا ہو کر خوش نوائی کے ساتھ خدا کی عظمت کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز نیند سے اچھی ہے (الصلوٰۃ خیرٌ من النوم) خدا کے سوا کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اس کا رسول ہے۔ یہ شخص مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نیکی کی طرف آؤ۔

(حی علی الفلاح) اور اپنے اعلان کو انھیں الفاظ پر ختم کر دیتا ہے جن سے شروع کیا تھا۔ یعنی اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔

اس خواب سے عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ انسانی آواز سے بہتر اور وسیع کسی ساز موسیقی کی آواز نہیں۔ اس روز سے بے کم مؤذن پانچ وقت روزانہ مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کے خواب کے الفاظ میں نماز کے لئے پکارتے ہیں۔

(۶)

اگر کسی جماعت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہونا چاہیے۔ وہ یثرب کے سادہ لوگ ہیں۔ جنھوں نے آپ کو مدعو کرکے اپنا بادشاہ بنایا ہے۔ آپ نے بہت سے قدیم تصورات ورسوم کی بیخ کنی کر دی ہے اور ایسی اصلاحات مروّج کر دی ہیں جو اہل یثرب کے آباء واجداد کیلئے باعث ننگ ہوتیں۔ دوسری طرف اگر اہل مدینہ کی کسی جماعت کو حضور سرور کائنات صلعم کے کام پر خوش ہونا چاہیئے تو وہ یہودیوں کا فرقہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے پیغمبروں کی خوبیوں کو تسلیم کیا ہے آپنے حضرت عیسٰے کا دعوے مسیحیت مان لیا ہے۔ آپنے یہودیوں کو ضمیر و عبادات کی آزادی دے دی ہے حتیٰ کہ آپ نے حکم دیدیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی چاہئے لیکن کوئی رعایت کوئی رواداری اور کوئی آزادی۔ یہودیوں کی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتی۔ انھوں نے آپ کے داخلۂ مدینہ کے وقت تو نیم دلی سے آپ کا استقبال کیا تھا۔ لیکن اب یہ جذبۂ نفرت اور ناراضگی میں تبدیل ہو گیا ہے فیاضی کا بدلہ بغاوت سے دیا جا رہا ہے۔ وہ کھلے طور پر اپنی مایوسیوں کا

اظہار کرتے ہیں۔ کہ وہ عربستان کو یہودیت میں تبدیل کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو آلہ نہیں بنا سکتے۔ لہٰذا وہ اسلام کے دشمنوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاہدے کئے تھے۔ ان کی شرطوں کو توڑ دیتے ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ وہ اسلام کو بہتر سمجھتے ہیں یا بُت پرستی کو تو وہ مؤخر الذکر کے حق میں رائے دیتے ہیں۔ اُنکے شعرا توہین آمیز نظموں کے ذریعے حضور پُرنور صلعم کی مذمت کرتے ہیں اور قرآن کریم کو نشانۂ تضحیک بنا لیا ہے۔ یہودیوں کے رہنما دشمن قبائل بلکہ قریش سے گفتگو کرتے ہیں مدینہ کے اندر علانیہ بغاوت اور سازش کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

حضور خواجۂ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت بے نظیر ہے آپ ایک واعظ اور پیغمبر رہے ہیں۔ آپ رضائے خدا پر شاکر اور دشمنوں کی شرمناک تضحیک سے بے پرواہ رہے ہیں۔ لیکن ایک مملکت کی حفاظت کے ضامن ہونے کی حیثیت میں کیا آپ فریب کاریوں سے بے پروا ہو سکتے ہیں۔ اور معصیت کا راز جذبۂ انتقام کی افزائش پر آنکھیں بند کر سکتے ہیں؟

ایک قدیم ضرب المثل ہے۔ "کہ اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو بہت زیادہ اچھے نہ ہو جاؤ۔" پارسائی مہربانی اور فیاضی کے جذبات اپنی حدود کے اندر قابل تعریف ہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں۔ جبکہ ان احساسات سے احتراز مفید ہوتا ہے یا اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ مجنوں کے سامنے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی اکثر کوششیں ہیں جو آپ نے یہودیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کی تھیں۔ ان کی

وفاداری اور ہوشمندی پر آپ نے جس طرح اعتماد کیا اسے اس انداز میں ظاہر کیا جارہا ہے۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فطرت انسانی سے بے علم اور سیاسی چالوں سے ناواقف ہیں

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم وگوش اپنے گرد وپیش کے حالات کی طرف سے بند نہیں تھے۔ آپ اگرچہ ایسے آدمی ہیں جن کا قلب جذبۂ شفقت وعنایت سے مملو ہے لیکن آپ کو احساس ہے کہ اگر اس ملک کو جس کی قسمت آپکے ہاتھ میں دی گئی ہے بچانا ہے تو دل کے بجائے دماغ سے کام لینا چاہئے۔ آپ جادو کے قائل نہیں۔ حضور صلعم اپنے ہاتھ سے کام کرنیوالے۔ لکڑی اور اینٹوں سے مسجد بنانے والے۔ ایک قانون ساز۔ ایک حاکم۔ ایک عاقل ودانا اُستاد ہیں۔ لیکن خالص جسمانی اور مادی قوتوں کیساتھ طبعی اور ذہنی قوتوں۔ دُوراندیشی کو متحد کر دیتے ہیں۔ آپ میں عناصر نے گوشت کی شکل اختیار کرلی ہے۔ صحرا اور نیلگوں آسمان آپ کو پہلے ہی سے سمجھے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی خیرات۔ صدقات۔ اور نیک اعمال کے فلسفہ پر وعظ کیے اور اگرچہ آپ نے اب بھی ان چیزوں کو فراموش نہیں کیا۔ لیکن ہر چیز کا ایک خاص موقع ہوتا ہے۔ موجودہ حالات میں دوسرے اوصاف کی ضرورت ہے۔ اب آپ جنگ۔ سیم وزر۔ زرہ بکتر۔ گھوڑوں۔ سپاہیوں اور سامان رسد کی طرف توجہ کر سکتے ہیں۔ فن حرب اور بساط جنگ کے داؤں پیچ سیکھتے ہیں۔ آپ فرض کر لیتے ہیں کہ آپکی جنگی قوتیں تعداد اور سامان کے اعتبار سے ہمیشہ کم درجہ پر رہیں گی۔ آپ کی تمام دانشمندی۔ جنگی تدبیروں۔ پلٹ کر حملہ کرنا۔ فراست حرب وضرب۔ حملہ وہجوم کے زاویوں دست بدست لڑائی کے نقاط سے ظفر حاصل کرنے پر مرکوز ہیں قانون سازی

اور اصلاحات کے متعلق آپکی کوششیں۔ آپکی راست کاری۔ فراست عقل اور عملی قوت کا ثبوت دے چکی ہیں ہر کامیابی میں فطرت کا ایک خاص حصہ ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں بھی یہی بات ہے۔ عربوں کو ایسے آدمی کی ضرورت تھی اور ایسا آدمی آپہنچا ہے یعنی جس کا جسم فولاد و سنگ کا اور دل سونے کا ہے۔ حالات کی نئی تبدیلی نے منکشف کر دیا ہے کہ آپ میں طریق کار کی ایسی صلاحیت موجود ہے۔ جو قبل ازیں اسقدر نرم مزاجی کیساتھ کبھی متحد نہیں ہوئی۔ آپ ایسی جگہ طاقت دکھاتے ہیں جہاں اسکی ضرورت ہوتی ہے جہاں عاقبت اندیشی کی احتیاج ہے وہاں عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ آپ ایسی مستقل مزاجی کے ساتھ جو ولولۂ آفرین ہوتی ہے۔ اور ایسے اعتقاد کے ساتھ جس سے دوسرے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے خطرات میں کود پڑتے ہیں۔

عربوں کی جنگ اچانک حملوں پر مشتمل ہوتی ہے وہ یکبارگی دشمن پر حملہ کرتے ہیں یا شبخون مارتے ہیں۔ اسلئے بیخبری کے عالم میں حملہ ہو جانیکے انسداد کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام کاروانی راستوں پر جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ جو پہاڑیوں میں سے گذرتے ہیں۔ نیز ان راستوں کی نگہداشت جاری ہے جو ساحل سمندر کے پاس ہیں۔ آپ پانی کے ظاہری سکون سے فریب نہیں کھا سکتے۔ بلکہ سطح کے نیچے جو اضطراب برپا ہے اس سے بھی باخبر ہیں۔ آپ کو اپنے دشمنوں کی سرگرمیوں کی کیفیت معلوم ہے۔ کسی رواجی اعلان جنگ کی ضرورت نہیں۔ ابھی تک آپکے سر کیلئے انعام مقرر ہے۔ بعض اوقات حملہ بہترین دفاع ثابت ہوتا ہے۔ آپکے جاسوس آپ کو قریش کی حرکات وسکنات۔ ان کی تجاویز اور انکے حلیفوں

کے حالات سے پورے طور پر آگاہ رکھتے ہیں۔ آپ میدان جنگ میں دشمنوں سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ آپکے سپاہیوں کے دستے چھوٹے چھوٹے حملے کرنے کے لئے ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ اور ان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ محض دشمنوں کو پریشان رکھیں۔ اور جم کے ان کا مقابلہ کر کے اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

عبداللہ بن جحش نو آدمیوں کی معیت میں نخلہ کے قریب متعین ہیں جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی میں واقع ہے وہ قریش کے ایک کاروان پر اچانک حملہ کر دیتے ہیں اور مال غنیمت اور قیدیوں کو لیکر مدینے واپس آتے ہیں۔ اس حملہ سے جو فتح حاصل ہوئی۔ اس سے مسلمانوں کی اُمیدیں بڑھ جاتی ہیں اور یہ واقع مستقبل کی بہتری کی دلیل بن جاتا ہے[1]

اس حملہ کے تھوڑا عرصہ بعد اطلاع پہنچتی ہے کہ قریش کا ایک کاروان جو ایک ہزار اونٹوں۔ سامان حرب اور بیش قیمت اسباب تجارت پر مشتمل ہے شام سے مکہ کو جا رہا ہے اور اسکے دستہ حفاظت کا سردار خود ابوسفیان ہے راستہ میں یہ کاروان حملہ اور جوابی حملہ کی مشق بھی کرتا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار جاسوسوں کو کاروان کی نقل و حرکت کی خبر لانے پہاڑیوں میں بھیجتے ہیں۔ ابوسفیان دشمن کی حرکات و سکنات سے آگاہ ہے اسلئے ڈیرے ڈالنے کا فیصلہ کرتا ہے اور ایک قاصد کو فوراً مکہ کی طرف مدد کیلئے بھیجتا ہے۔ ابوجہل کو جو ابوسفیان کی غیر حاضری میں مکہ کی افواج کا سردار ہے مدد کیلئے بعجلت پہنچنے کا حکم ملتا ہے۔

[1] ۔ یہ لڑائیاں اصطلاح میں سریہ کہلاتی ہیں اور اس سریہ کو جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے سریہ عبداللہ بن جحش کہتے ہیں اس قسم کی سب سے پہلی مہم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی سرداری میں بھیجی گئی لیکن قریش سے مقابلہ نہ ہوا۔ مترجم

یہ شخص جیسے بڑے کارواں کو بچانے کیلئے بھیجا ہے افواج مکہ کا فخر ہے
ایک سو اسپ سوار اور نو سو پیادہ سپاہی مکمل اسلحہ جنگ اور زرہ بکتر سے
مسلح اڑتے ہوئے جھنڈوں اور چمکتی ہوتی تلواروں کے ساتھ شمال کی طرف
رواں ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس فوج کی خبر ملتی ہے جو
آپکے مقابلہ کیلئے آرہی ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ بظاہر ناممکن ہے لیکن
تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اگر مدینہ کی حفاظت منظور ہے تو ڈٹ کر
جنگ کرنا ناگزیر ہے۔ ابوجہل کی قیادت میں دشمن فوج کے اندر آپ
قریش کا وہ عزم دیکھتے ہیں جو آپکے ساتھ حساب بیباق کرکے رہے گا۔
آپ بھی اپنی قوت کا جائزہ لیتے ہیں۔ کیا مدینہ ایک فوج مہیا کر سکتا
ہے؟ یہودی اور منافق کسی قسم کی مدد و اعانت پر آمادہ نہیں بلکہ بعض تو
اس ساعت کے انتظار میں ہیں جب ابوجہل کے سوار مدینہ کی گلیوں میں
داخل ہوں۔ بغاوت نے عربوں کی وفاداری کے اہم ترین جزو کو گھن
کی طرح کھالیا ہے۔ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ جو جنگ آزما فریقوں میں
جس کا پلہ بھاری دیکھیں گے۔ اسی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے
ایک اہم گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی کھلم کھلا باغی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے تمام اختیارات کے باوجود اہل مکہ کے حملہ کو روکنے کے لئے
صرف تین سو تیرہ آدمی جمع کر سکتے ہیں۔ آپ کا رسالہ دو اسپ سواروں اور
ستر شتر سواروں پر مشتمل ہے۔ یہ تمام فوج مہاجرین و انصار سے بھرتی کی گئی
ہے۔ لیکن تعداد اور سامان میں جس قدر کمی ہے اسکی تلافی عزم و اعتقاد سے
ہو جاتی ہے۔ جنگجو اشخاص کی اس چھوٹی سی جماعت نے ارادہ کر لیا ہے
کہ یا تو وہ فتح حاصل کرینگے یا کٹ مرینگے اس نے اسلام کیلئے ایک اہم مثال

کی بنیاد ڈال دی ہے کہ جب طبلِ جنگ پر چوٹ پڑے تو مسلمان کے لئے لڑنا لازمی ہو جاتا ہے خواہ مقابلہ میں کتنی ہی زبردست فوج کیوں نہ ہو۔
اب بہت تھوڑا وقت ہے اور حضور سرورِ کائنات صلعم اپنے تمام اختیارات ایک نائب کو تفویض کر کے خود تین سو تیرہ آدمیوں کو لیکر ساحلِ سمندر کی طرف چلدیتے ہیں۔ یہاں حضورؐ کو یہ خبر ملتی ہے کہ ابو سفیان اپنے قافلہ کے ساتھ صحیح و سلامت جا ... چکا ہے اور اہلِ مکہ کا جرّار لشکر بدر کی طرف بڑھ رہا ہے آپ فوراً وہاں سے روانہ ہوتے ہیں اور حضور کے ہمراہی بھی نہایت پھرتی سے بدر کے مقام پر پیشتر اس کے کہ ان کے دشمن ان سے ملیں جا پہنچتے ہیں۔

رمضان شریف کی سترہ تاریخ اور جمعہ کا دن ہے۔ قریش کو پہلے ہی علم ہو گیا ہے کہ پیش بندیاں کر لی گئی ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلعم نے کنوؤں کے نزدیک خیمہ ڈالا ہے تا کہ پانی پر قبضہ رہے۔ ابوجہل بہت خشمگیں ہوتا ہے کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن جب اسکے جاسوس اس فوج کا حال بیان کرتے ہیں جو اس کا مقابلہ کرنے آرہی ہے تو وہ مسکراتا ہے اور کہتا ہے "کہ محمدؐ بہت بہادر اور شجاع شخص ہونگے لیکن ایک تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں جو تعداد میں تگنی ہو اور سامان حرب کے لحاظ سے جسکے تفوق کا مقابلہ نہ کیا جا سکے۔ دلاوری اور بہادری کیا کر سکتی ہے" و قریش مکرر ایک دوسرے سے کہتے سُنے جاتے ہیں کہ اب قتلِ عام ہوگا۔

دوسری طرف حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم افواجِ مقابل کا سامنا ٹھنڈے دل سے کرتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ اتنے معمولی واقعات سے اتنے اہم نتائج نکلے ہوں۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ

کی معیت میں سپاہیوں کے درمیان گشت لگاتے ہیں اور لڑائی کے آخری احکامات صادر کرتے ہیں۔ آپ کے چہرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکے اندر ایک نئی قوت بھر دی گئی ہے۔ چھپن سال کی عمر ہونے کے باوجود آپ پہلے کی بہ نسبت زیادہ جوان اور طاقتور نظر آتے ہیں۔ آج آپ انسان کے پیدائشی رہنما معلوم ہوتے ہیں۔ آپکی سیاہ و تیز آنکھیں یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا سب آدمی اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ دائیں بائیں گھوم رہی ہے آپکے چہرہ سے عزم صمیم کے آثار ظاہر ہیں۔ کہ یا اس جنگ میں فتح حاصل کرنا ہے یا شہادت پانا۔

فطرت بھی اس موقع کی اہمیت سے واقف ہے۔ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے آسمان پر چھا گئے ہیں۔ آفتاب نے اپنا چہرہ نہیں دکھایا اور وادی میں سرد شمالی ہوا چل رہی ہے۔

قریش عتبہ۔ شیبہ اور ولید کے ساتھ حملہ کیلئے بڑھے ہیں۔ وہ اپنے معبودوں کی عزت بچانے کے لئے خون کے پیاسے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ نکلے ہیں۔ نبی کریم صلعم خدا کے حضور دعا فرما رہے ہیں "اے خدا بُت پرست آپہنچے ہیں۔ جو شان و شوکت کے نشہ میں سرشار ہیں۔ وہ اسلئے آئے ہیں کہ تیرے رسول کو دروغگو اور جعلساز قرار دیں۔ اے اللہ اگر تو نے اس فوج کو تباہ ہونے دیا تو زمین پر کوئی شخص تیری عبادت نہیں کریگا۔ اے خدا ہمیں مدد بھیج کر اپنا وعدہ پورا کر"۔ یہ اس شخص کی پکار ہے جو اپنی کوشش حتی الامکان پوری کر چکنے کے بعد مستقبل کو خدا پر چھوڑتا ہے۔

دونو فوجیں ان چھ آدمیوں کی مہارت جنگ و شجاعت دیکھ دیکھ کر

خوش ہو رہی ہیں۔ حضرت حمزہؓ کو بجا طور پر "شیر خدا" کہا گیا ہے حضرت علیؓ شجاعت و مردانگی کی داد دے رہے ہیں۔ ولید کئی جنگوں کا ہیرو ہے لیکن آج وہ کچھ اس طرح لڑ رہا ہے کہ گویا اس نے قبل ازیں کبھی جنگ نہیں کی۔ وہ پُرجوش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے گر جاتا ہے غالباً عمر کا تقاضا ہے۔ نزع کے عالم میں لسے اس اُمید کا سہارا ہے کہ اس کا بیٹا خالد کسی نہ کسی دن اسکے خون کا انتقام لے گا۔ اسکے بعد شیبہ ہلاک ہوتا ہے۔ عبیدہؓ جو جنگ میں مصروف ہیں۔ ایک پاؤں کٹا چکے ہیں۔ لیکن عتبہ کے تند حملوں سے اپنے آپ کو اچھی طرح بچا رہے ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ جو اپنے مخالفین کو نیچا دکھا چکے ہیں۔ عبیدہؓ کی مدد کرتے ہیں۔ عتبہ اب تین مسلمان بہادروں کے نرغہ میں گھرا ہوا مقابلہ کر رہا ہے وہ بہادری میں اپنے حملہ آوروں کا مدِمقابل ہے۔ اور ہر وار کے جواب میں وار کرتا ہے لیکن فیصلہ غیر مشتبہ ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اسے تھکا دیتے ہیں اور آخر کار وہ بھی ولید اور شیبہ کے ساتھ ریت پر گر پڑتا ہے مسلمانوں کی طرف سے ایک نعرہ بلند ہوتا ہے۔ "اللہ اکبر"۔ مسلمان جوش اور ولولہ کے ساتھ مکی دشمنوں کے درمیان گھس جاتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کے روکنے کے باوجود گھمسان کی لڑائی کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ آپ کا چہرہ چمک رہا ہے۔ آپ لڑ بھی رہے ہیں۔ اور اپنے آدمیوں کا دل بھی بڑھا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسکے فرشتے ہمارے ساتھ ہیں۔ مسلمانو شبہ نہ کرو! آج فتح ہماری ہے" تین سو آدمی ایک ہزار سے لڑ رہے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے انکے دلوں میں ایک شعلہ افگن جوش بھر دیا ہے ہر شخص مقابل فوج کی

کثرت کو جانتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی طاقت کا خدائی امتحان ہے۔ یقین رکھتا ہے کہ یا یہاں فتح ہو گی یا اگلے جہان میں بہشت ملے گا وہ جانتا ہے کہ اسلام ناقابل تسخیر ہے۔

اہل مکہ مسلمانوں کو ہزیمت نہ دے سکے۔ انکی تعداد زیادہ تھی وہ بہتر اسلحہ رکھتے تھے مقصد کے اعتبار سے فریقین کی حیثیت برابر تھی انکے افسر قریش کے وہ مشہور ترین سردار تھے جنھوں نے شکست کا صرف نام ہی سُنا تھا لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے فوقیت اور طاقت خود اپنے حق میں پیام ہلاکت بن جاتی ہے۔ آج بدر کے مقام پر مختلف اسباب کے اجتماع یعنی تین مکی سرداروں کی ہلاکت مسلمانوں کے پُرجوش حملہ اور تند ہوا نے جس سے ریت اور سنگریزے اُڑ اُڑ کر ان کے چہروں پر پڑنے لگے۔ قریش کو ذلیل کر دیا۔ ان کا سب سے بڑا سردار ابوجہل مسلمانوں کی شمشیر آبدار کا شکار ہوا۔ مکہ والوں کے کئی سردار تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ آخر کار مکہ کی فوج پسپا ہوئی نظر آتی ہے۔ انکے سپاہیوں کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی حالت دیکھ کر ریت کی ایک مٹی اٹھاتے ہیں اور ان کی طرف پھینک کر کہتے ہیں "تمہاری آنکھوں پر اندھیرا چھا جائے" اور اپنے ہمراہیوں کی طرف منہ کر کے فرماتے ہیں "حوصلہ کرو۔ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ فتح ہماری ہے" ان الفاظ سے مسلمانوں کے حوصلے پھر بڑھ جاتے ہیں وہ آخری کوشش کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنی قوت کا آخری حصہ صرف کر دیتا ہے۔ ہولناک تندی کے ساتھ وہ قریش پر ٹوٹ پڑتے ہیں دشمن راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی فتح مکمل ہو جاتی ہے۔

جنگ بدر میں قریش اپنے ستر مقتولین چھوڑ جاتے ہیں اسی قدر قریش

اسیر ہو جاتے ہیں۔ مقتولین میں ابو جہل۔ ولید، عتبہ اور دوسرے شاندار جنگی افسر ہیں۔ عباس اور عتبہ زیر حراست ہیں۔ بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے۔ چالیس مسلمان شہید ہوئے ہیں۔ اس جنگ نے مسلمانوں کے اعتقاد میں انکے مقصد دینی کو ناقابل شکست بنا دیا ہے حضرت علیؓ نے جنکی عمر ۲۳ سال ہے نہایت طاقت کا ثبوت دیا ہے۔ آپنے سات بہادروں کو قتل کیا۔ نبی کریم صلعم آپ پر بیحد خوش ہیں۔ اور اپنی عزیز ترین بیٹی حضرت فاطمہؓ سے آپکا نکاح پڑھانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ستر اسیران جنگ میں جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے نضر اور عتبہ۔ نیز پیغمبرؐ کے چچا عباس اور حضور کی بڑی لڑکی زینب کا خاوند ابو العاص ہیں۔ عباس کو رہا کر دیا گیا۔ کیونکہ اگرچہ وہ قریش کے بڑے حامی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رواداری اور رعایت کا سلوک کرتے رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عباس کی اس تنبیہ کو نہیں بھول سکتے جو انھوں نے اہل یثرب کو اس وقت کی تھی جبکہ وہ نبی کریم صلعم کو اپنے شہر میں مدعو کرنے کے لئے آئے تھے۔ عباس نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ آپ کے دین پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کو اپنے شہر میں لے جائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دیں۔ ابو العاص کو بھی رہائی دے دی جاتی ہے نضرؔ اور عتبہ جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور جن سے کسی توبہ کی توقع نہ تھی۔ جنگ کی انتہائی سزا بھگتتے ہیں۔ لیکن محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل شفقت سے بھرا ہوا ہے جب آپ نضر کی بہن کے پُر درد نوحے سنتے ہیں تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں آپ

لہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط اسلام کے سخت دشمن تھے۔

کو بہت قلق ہوتا ہے کہ آپ اسکے بھائی کی جان بخشی نہیں کر سکتے۔ آپکے اخلاق کی یہ خصوصیت اس وقت بھی واضح ہو جاتی ہے جبکہ آپ اپنی نسلی روایات کے خلاف ہدایت کرتے ہیں۔ کہ اسیران جنگ کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جائے اور اس مصیبت میں اُن سے ہمدردی کی جائے۔

اسلام کی ترقی کے سلسلے میں جنگ بدر ایک اہم نشان ہے۔ قریش کو جنھوں نے قریباً سترہ سال تک نئے مذہب کو جھٹلایا ہے شکست فاش نصیب ہوتی ہے۔ انکی تمام قوت بدر کے کنوؤں کے پاس دفن ہوگئی ہے اہل مکہ اس شکست میں اپنے مستقبل کی تاریکی دیکھتے ہیں۔ اسلام کو پاؤں جمانے کی جگہ مل گئی ہے اب اس تحریک کو معمولی نہیں سمجھا سکتا۔ نہ اس کے اثر کو بے حقیقت کہا جا سکتا ہے۔ یہ ان کے لئے ایک زندہ خطرہ بن گیا ہے مسلمانوں کی نظروں میں بھی یہ فتح اہم ہے اس نے انھیں مدینہ میں جہاں وہ تکلیف میں تھے ایک قابل فخر حیثیت دے دی ہے اس فتح نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت کو مضبوط تر کر دیا ہے وہ آپکے دشمنوں کے عزائم کو درہم برہم کرتی ہے۔ اور اعداء کی توقعات کو پریشان کرتی ہے۔

لیکن فتح نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کوئی فرق پیدا نہیں کیا۔ وہ اب بھی انسان تھے۔ گھمسان کی لڑائی میں آپ لوہے اور فولاد کے انسان معلوم ہوتے تھے۔ لیکن فتح میں آپ وہی شفیق پیغمبر تھے۔ جو پہلے تھے آپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک کر کے اپنے معتقدین کو حیران کر دیا ہے۔ آپ کامیابی کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے رفقاء کو سزاوار تحسین نہیں سمجھتے۔ بلکہ انکے نزدیک یہ فتح جناب الٰہی کا احسان ہے۔ آپ فرماتے ہیں "۔ خدا نے ہم سے مدد کا وعدہ کیا اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ہماری

طرف سے ایک ہزار فرشتے جنگ کر رہے تھے! ور جب آپکے آدمی مال غنیمت پر جھگڑا کرتے ہیں تو قرآن کریم کی آیات نازل ہوتی ہیں کہ بیت المال میں خیرات کیلئے پانچواں حصہ جمع کرنے کے بعد باقی مال سب لوگ مساوی تقسیم کرلیں کیونکہ "فتح صرف خدا کی مدد سے حاصل ہوتی ہے اور وہ مسلمان نہیں تھے جنھوں نے کافروں کو قتل کیا بلکہ انھیں قتل کرنے والا خدا تھا۔"

(۷)

مدینہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی اور قریش کے ساتھ آپ کی جدوجہد کی داستان جاری رکھنے سے پہلے ہمیں آپکے زمانۂ ماضی کی خانگی زندگی اور اسکے چند اہم واقعات کا مختصر جائزہ لینا چاہئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی موت آپ کے لئے نقصان عظیم تھا۔ ہم نے حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ اور حضرت سودہ سے جو حبش کے ایک مسلمان مہاجر کی بیوہ تھیں آپکے عقد کا ذکر کیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ بالغ نہ ہوئی تھیں۔ اسلئے وہ بلوغ تک میکے میں رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان شادیوں کے ایام میں اپنی زندگی کے دشوار ترین مرحلوں میں سے گذر رہے تھے۔ چند سال کے عرصہ میں اکثر اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں شعب ابی طالب سے نکل کر آپ مدینہ میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہو گئے ہیں حضرت عائشہؓ نے اس درمیانی عرصہ میں تعلیم و تربیت حاصل کر لی ہے اور وہ شادی اور اسکے فرائض و مقاصد سے باخبر ہیں۔ اب وہ یہ بھی جانتی اور سمجھتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو نہ صرف انکے باپ کے عزیز ترین دوست ہیں۔ بلکہ مدینہ کے حاکم اور اسلام کے سردار بھی ہیں۔ ازدواج کے

کیا معنی ہیں۔ فطرت نے انھیں غیر معمولی حُسن عطا کیا ہے۔ اور اسکے ساتھ فراست بھی بخشی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں ان صلاحیتوں کے ساتھ حضرت عائشہ پیغمبر خدا صلعم کے گھر میں آتی ہیں۔

بیوی کے فرائض سنبھالنے پر حضرت عائشہ کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہ ان کی معاون اور رفیقہ ہیں۔ اُن کا سن اگرچہ کسی قدر زیادہ ہے تاہم وہ ابھی تک جوان اور خوبصورت ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہ انصاف اپنی بیویوں کو الگ الگ حجرے دے رکھے ہیں اور آپ باری باری ان کے پاس جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ جلد ہی گھر میں اہمیت حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ خود اعتماد اور نبی کریم صلعم کی حیثیت حکمرانی سے کسی قدر زیادہ متاثر ہیں۔

ایک روز حضرت عائشہ نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھکر کہا "کیا میں ان ضعیف العمر خاتون یعنی خدیجہؓ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوں جن سے آپ کو اسقدر محبت تھی"۔

نبی کریم صلعم کے ابرو پر شکن پڑ گئے۔ اور آپ نے فرمایا "میرے دل میں خدیجہؓ کی سی منزلت کوئی عورت حاصل نہیں کر سکتی۔ اس نے میرے ساتھ اس وقت ہمدردی کی جبکہ میں بے یار تھا۔ اور وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ تمام دنیا شبہ میں تھی"۔

حضرت عائشہ نے اس تنبیہ کو کبھی فراموش نہیں کیا۔

جس وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فتحمندانہ طور پر مدینہ میں داخل ہوئے تھے اسوقت جو عورتیں یہ نظارہ دیکھ رہی تھیں ان میں حفصہ بھی تھیں۔ جو اپنے باپ حضرت عمرؓ کے پاس کھڑی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم گذرے تو آپ نے انھیں ایک قیمتی جز و دان دیا جس میں قرآن شریف تھا۔ پہلے حضرت حفصہ جنھیں نگاہیں اور تندمزاجی ورثہ میں ملی تھی کی شادی ایک بڑے ہونہار مسلمان نوجوان سے ہوئی تھی جو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور حفصہ عین عالم شباب میں بیوہ ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عثمان سے انکی شادی کرنی چاہی لیکن انھوں نے قبول نہ کیا تو پھر آپ حرم نبوی میں داخل ہوگئیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی میں ایک اور قابل ذکر واقعہ زید کی شادی ہے جو عبدالمطلب کی نواسی اور امیمہ کی بیٹی زینب کے ساتھ ہوئی زید جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کسی وقت نبی کریم صلعم کے غلام تھے اور انھیں اپنے آقا کی خدمت و وفاداری کے صلہ میں آزادی دی گئی تھی۔ زید کی خوش اعتقادی کا انعام اس سے بھی زیادہ دیا گیا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا متبنیٰ بنالیا۔ زینب خاتون نے شادی سے پہلے اپنی والدہ سے درخواست کی تھی کہ وہ ان کی شادی نبی کریم صلعم سے کردیں۔ زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش کا بھی خیال تھا کہ ان کی شادی کسی آزاد شخص کے ساتھ کی جائے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عملی طور پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہر مسلمان مرد ہر مسلمان عورت سے شادی کرنے کا حقدار ہے اور اس میں دنیوی ثروت اور خاندانی عظمت کا کوئی سوال نہیں۔ لہٰذا آپ کے حکم سے زید نے قریش کی ایک ممتاز خاتون سے شادی کی۔ جو عبدالمطلب اعظم کی نواسی تھی۔

جنگ بدر کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کی۔ جو عمر میں حضرت عائشہ کے برابر اور اپنے باپؐ کی عزیز ترین بیٹی تھیں حضرت

خدیجہؓ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے جس قدر محبت تھی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ آپ کے خزانۂ دل کا ایک قیمتی نگینہ تھیں۔ آپ ان میں اپنی شکل اور ان کی والدہ کی سیرت دیکھتے تھے حضرت فاطمہؓ اپنی والدہ کی طرح حضورؐ کے عروج کامیابی پر پختہ عقیدہ رکھتی ہیں۔ اور ان کا دل اپنے باپ کی طرح شفقت سے بھرا ہوا ہے۔ وہ بڑی سختی کے ساتھ نماز کی پابند ہیں۔ ان میں اپنی ہم سن لڑکیوں کی طرح تصنع کا شوق نہیں۔ آپ ان سے جدا ہو کر گویا حضرت علیؓ کو وہ چیز دیتے ہیں جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت علیؓ اس اعزاز کے حقدار بھی ہیں کیونکہ انھوں نے پختہ ایمان اور انتہائی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے جنگ بدر میں انھوں نے ایسی شجاعت وشہامت کا ثبوت دیا ہے۔ کہ دوست ودشمن دونوں ان کی تعریف پر مجبور ہو گئے۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو حضرت فاطمہؓ کا شوہر بننے کیلئے موزوں ہو اگر کسی شخص میں اہلیت پائی جاتی ہے تو وہ صرف حضرت علیؓ ہیں۔

قاسم کی موت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ زیدؓ اور علیؓ نبی کریم صلعم کے لئے طلائے خالص کے ٹکڑے ہیں لیکن کوئی متبنّیٰ خواہ کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو۔ حقیقی اولاد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز عجائبات قدرت میں سے ہے۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی وقت حقیقی بیٹے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ ایسے بیٹے کی آرزو کرتا ہے جو اسکے مشابہ ہو۔ اس عام جذبہ میں امیر وغریب بڑے چھوٹے سب برابر ہیں اور نبی کریم صلعم پیغمبر اسلام۔ شاہ مدینہ۔ فاتح بدر محض ایک انسان ہیں۔ آپکے ہاں لڑکیاں ہیں۔ قابل محبت۔ نازک۔ پاکیزہ۔ ایسی لڑکیاں کہ ہر باپ ان پر فخر کرسکتا ہے

مگر آپ کا دل ایک لڑکے کے لئے مضطرب ہے۔

فتح بدر کی خوشی بہت تھوڑا عرصہ رہی۔ جنگ سے چند روز بعد نبی کریم صلعم کی صاحبزادی رقیہ کا انتقال ہوگیا۔ رقیہ اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ مہاجرین حبش کے ساتھ چلی گئی تھیں! اور جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دن پھرے۔ تو حضرت عثمانؓ نے اپنی بیوی کے ساتھ عربستان واپس آکر مدینہ میں اپنا گھر بنالیا تھا۔ چونکہ نبی کریم صلعم چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ رابطہ قائم رہے اسلئے ان سے رقیہؓ کی چھوٹی بہن کی شادی کردی گئی۔ رسم نکاح خاموشی کے ساتھ ادا کی گئی۔ کیونکہ نبی کریم صلعم اور حضرت عثمانؓ کو رقیہؓ کے انتقال کا بہت غم تھا۔

(۸)

ہجرت کا تیسرا سال ہے۔ اس واقعہ کو تقریباً بارہ ماہ ہو چکے ہیں جبکہ مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے قریش کے غرور کو بدر کے کنوؤں کے پاس نیچا دکھایا تھا۔ اسیران جنگ میں سے اکثر رہائی پاکر گھروں کو جاچکے ہیں۔ متقدر قیدیوں کو چار ہزار درہم فدیہ ادا کرنے پر رہائی مل چکی ہے بعض قیدی جو بہت غریب ہونے کے باعث رقم ادا نہیں کرسکتے بلا معاوضہ رہا کردئے گئے ہیں۔ بعض آدمی جو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ انھیں دس دس لڑکوں کو عربی رسم الخط اور صرف ونحو پڑھانے کے عوض چھوڑ دیا گیا ہے۔ قیدیوں میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس معاملے کے متعلق نبی کریم صلعم کی واضح ہدایات ہیں۔

قیدیوں نے مکہ واپس جاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے

حُسنِ سلوک کی تعریف کی۔ بعض نے خاص طور پر شکر گذاری کا اظہار کیا اور کہا۔" اہلِ مدینہ پر برکتیں نازل ہوں۔ کہ انھوں نے خود پیدل چل کر ہمیں گھوڑوں پر سوار کیا! انھوں نے خود کھجوروں پر اکتفا کر کے ہمیں سفید روٹیاں کھلائیں" ایک شخص نے بیان کیا کہ اسے نبی کریم صلعم کے حضور میں پیش کیا گیا اور یہ الزام لگایا گیا۔ کہ عالم شخص ہو کر اس نے سخت لفظوں میں اسلام کی ہجو کی ہے۔ الزام لگانے والوں نے اجازت چاہی کہ ملزم کے دو دانت توڑ دئے جائیں تاکہ جب وہ منہ کھولے تو لوگ جان لیں کہ اسے یہ سزا کیوں ملی ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اسے چھوڑ دو۔ اگر میں اس کی شکل بگاڑ دوں گا تو خدا میری شکل بگاڑ دے گا۔"

لیکن مکہ میں واپس آنے والوں کے خیالات سے ان جذبات نفرت میں کمی نہیں ہوئی جو قریش کے دلوں میں ابھی تک پرورش پا رہے ہیں۔ بدر کے مقام پر ان کا ایک کمزور جماعت کے ہاتھوں شکست کھانا قبیلہ کے لئے باعث ذلت ہے۔ اس سے ان کی عزت کم ہو گئی ہے۔ انھیں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ایسی تذلیل ممکن ہے۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے انتقام کا جذبہ بھڑکتا جاتا ہے۔ یہ اب جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اپنے باپ عقبہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے شب و روز چیخ پکار کر رہی ہے وہ اپنے مطالبات پر اس قدر مُصر ہے کہ ابوسفیان اپنی ذمہ داری پر دو سَو آدمی ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف کوچ کرتا ہے۔ لیکن جب یہ لوگ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فوج دیکھتے ہیں تو انکے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ وہ بھاگ کر مکہ چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے پیچھے سامان خورد و نوش کا ذخیرہ

چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ جنگ جو غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے۔ قریش کو دوسرے قبائل کی نظروں میں اور بھی گرا دیتی ہے۔

فتح و شکست دونو حالتوں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فلاح عام کیلئے مخلص کارکن اور شفیق پیغمبر ہیں۔ لیکن پکے منتظم حاکم۔ بعض یہودیوں کو جنھوں نے اسلام کے متعلق شرمناک نظمیں کہیں اور سازشیں کیں۔ موت کی سزا دی جاتی ہے۔ باقی جلاوطن کر دئے گئے ہیں۔ انھیں جلاوطنوں میں مشہور شاعر کعب ہے۔ مدینہ کی حدود سے نکلتے ہی وہ مکہ کی راہ لیتا ہے اور وہاں پہنچکر تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی عزت و حرمت حاصل کر لیتا ہے جلاوطنی سے نبی کریم صلعم و اسلام کے خلاف اسکی آتش نفرت اور بھڑک اٹھتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی ہجویں اور بدر کے شکست خوردہ قریش کے مرثیے لکھتا ہے اور مکہ کی افواج کی فتح اور مدینہ کے زوال پر منظوم پیشگوئیاں کرتا ہے۔ اس کی نظمیں عوام میں بہت ہر دلعزیزی حاصل کرتی ہیں اور عام جوش پیدا کرتی ہیں۔ اب مدینہ پر دوسرا حملہ ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن کعب کے جذبات اسکی عقل و احتیاط پر غالب آتے ہیں۔ وہ مدینہ میں اس نیت سے داخل ہونے کی جرأت کرتا ہے کہ بعض مذہب بیزاروں کو گمراہ کرے۔ اس پر دفعتہً چھاپہ مار کر اسے زیر حراست کر لیا جاتا ہے۔ اسکو سزا دینے کیلئے کسی بڑے مقدمہ کی ضرورت نہیں۔ اس نے قانون شکنی کی ہے، جذبات کو بھڑکایا ہے اور اہل قریش اور اہل مدینہ کے درمیان نزاع پیدا کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی ہے۔ ایسے آدمی کی صرف ایک ہی سزا ہے۔ اس کی گردن ماردی جاتی ہے اور اس طرح اس کی شاعرانہ زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

لیکن تیاری ہو چکی ہے۔ کعب کی موت سے قریش ہیں قوت آزمائی کی آرزو برانگیختہ ہو جاتی ہے۔ قریش کا سردار ابوسفیان اپنی عسکری قابلیت اقتدار رورسوخ اور شکاوت کے باعث عربوں میں پہلے ہی مشہور ہے قریش اور بعض نواحی قبائل کو آمادہ پیکار کرنے کے لئے اس کی کوششیں کامیاب ہوتی ہیں! اور وہ تین ہزار سپاہیوں کی مسلح فوج لے کر حادثہ بدر کا انتقام لینے کے لئے بڑھتا ہے۔ اسکے ہمراہ مکہ کے شجاع ترین سردار عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولید ہیں۔ اسکی فوج کے کم از کم سات سو آدمی زرہ بکتر پہنے ہوئے ہیں۔ ابوسفیان کے ساتھ دو سو سواروں کا ایک رسالہ بھی ہے۔ فوج کیساتھ عورتوں کی ایک بھاری تعداد بھی ہے تاکہ وہ شہسواروں کے حوصلے بڑھائیں اور انھیں فتح کے لئے جوش دلائیں۔

دونو طرف کی فوجوں کی مٹ بھیڑ مقام احد پر ہوتی ہے۔ قریش مدینہ تک کا پورا سفر طے کرتے ہیں۔ اور شہر کی فصیل سے صرف ایک گھنٹہ کے راستہ پر ہیں۔ اسجگہ ابوسفیان کی فوج ستانے۔ تازہ دم ہونے اور اہل مدینہ کے باغات و زرع کو تباہ کرنے کی غرض سے ٹھہر جاتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مجلس مشاورت طلب کرتے ہیں۔ آپکی رائے میں مسلمانوں کی طاقت دشمنوں کے مقابلے کیلئے بہت کم ہے۔

آپنے خواب میں گایوں کو ذبح ہوتے اور زرہ بکتر پہنے ہوئے اپنی تلوار کو کاٹتے دیکھا تھا۔ اس خواب سے متاثر ہو کر یہ تجویز کی جاتی ہے کہ مدینہ کی دیواروں کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ آپ کے ضعیف العمر ہمراہیوں نے اس خیال کی تائید کی۔ لیکن نوجوان لڑکے مشتاق تھے کہ ہم قریش کے ہاتھوں اپنے لہلہاتے ہوئے باغ اور کھیتوں کی تباہی دیکھیں؟ اہل مدینہ اس کے

ہم اپنے ہم چشموں کو کیا منہ دکھائینگے؟ وہ کس عزت کے مالک رہیں گے؟
نوجوان بڑے جوشیلے ہیں اور اپنی بات منوا کے چھوڑتے ہیں۔ اس لئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے وقت ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ کے باہر نکلتے ہیں۔ جن میں صرف ایک سو زرہ بکتر پہنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی فوج میں کوئی رسالہ نہیں۔

رات جنگ کی تیاریوں میں بسر کی جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپکے رفقا حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوبکرؓ ہیں عبد اللہ بن ابی بھی اپنی جمعیت لیکر نبی کریم صلعم کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے لیکن دشمنوں کو دیکھ کر وہ تین سو آدمی لے کر بھاگ جاتا ہے

صبح کے وقت سات سو مسلمان دشمنوں کے سامنے ہوتے ہیں جن کی تعداد چار گنا سے بھی زیادہ ہے۔ چند ہلکے بادل آسمان پر آوارہ پھر رہے ہیں۔ طلوع آفتاب نے منظر صبح کو ارغوانی کر رکھا ہے۔ قریش کے جھنڈے نسیم سحر کے جھونکوں میں گستاخانہ انداز میں اُڑ رہے ہیں۔ اہل مکہ کے کیمپ سے گانے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ عورتوں کی بلند آوازیں سنائی دیتی ہیں "حوصلہ اے عبدالدار کے فرزندو۔ حوصلہ۔ اے عورتوں کی حفاظت کرنے والو نوک شمشیر آر پار کر دو۔" تین ہزار حلق ملکر جواب دیتے ہیں۔ اور اس آواز سے رعد کی گرج پیدا ہو جاتی ہے۔ عورتیں پھر کہتی ہیں۔ "ہم دختران صبح ہیں دشمن کا مقابلہ جرأت کے ساتھ کرتی ہیں۔ اور خوشبودار بالوں اور موتیوں سے آراستہ گردنوں کے ساتھ دشمن کے مقابل ہیں۔ ہم تمھیں اپنی چھاتیوں کے ساتھ لگائیں گی۔ اگر تم بھاگے تو ہم تمھیں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ نفرت کے ساتھ تمھیں چھوڑ دیں گی۔" تین ہزار آوازیں ملکر جواب دیتی ہیں آسمان

میں گونج پیدا ہو جاتی ہے۔

مسلمان بھی کم جوش میں نہیں۔ عبداللہ بن ابی کے فرار سے انکے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ ایک بوڑھا شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر شامل ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ "میں قبر میں برلب گور ہوں۔ مجھے خدا کی راہ میں ایک وار کرنے دیجئے"۔ ایک لڑکا اپنا پورا قد ظاہر کرنے کیلئے پنجوں کے بل کھڑا نظر آتا ہے۔ ہر جگہ ایسی ہی گرمجوشی نمایاں ہے۔ بدر کی جنگ میں مسلمان تین کے مقابلہ میں ایک کی نسبت سے تھے۔ آج یہ نسبت بڑھکر چار ہو گئی تو کیا مضائقہ ہے؟ نوجوان بھی اپنے کو آزمودہ کار سپاہی سمجھتے ہیں انکے چہرے خوبصورت ہیں۔ اعضا مضبوط۔ زرد زیتونی جلد عربستان کے آفتاب سے پختہ رنگ ہو چکی ہے۔ پرانی روح ان میں عود کر آتی ہے۔ بعض مکہ کی چمکتی ہوئی افواج پر آوازے کسنے کے لئے اس طرف رُخ پھیرتے ہیں وہ پُراعتماد ہیں۔ کسی قدر زیادہ پُراعتماد ہیں

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کی طرح عقب میں نہیں۔ ابتدا ہی سے آپ فوجوں کے آگے ہیں۔ اور ادھر اُدھر گھوڑا دوڑاتے ہوئے سپاہیوں کو جنگ کے آخری احکام دے رہے ہیں۔ آپکے سر کے گرد ایک سُرخ نمدہ نے آپ کو نمایاں کر رکھا ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہو جاتے ہیں۔ اپنے آدمیوں کے دل بڑھاتے ہیں۔ انھیں دشمنوں کی کثرت تعداد اور ہمتِ و فرض شناسی کی ضرورت سے آگاہ کرتے ہیں۔ آپنے فوج کو اونچی زمین پر متعین کیا ہے۔ جہاں سے سمندر کی طرف نشیب ہے اور عقب میں جبل احد ہے۔ جبل احد کی ارہ صورت چوٹیاں میدان سے ایک سنگ سُرخ کی دیوار کی طرح اٹھتی ہیں۔ اسکی خاموش فضا کو ایک پرندہ یا حیوان

تک مضطرب نہیں کرتا۔ اسکے منظر خشک کو کوئی درخت یا جھاڑی بہتر نہیں بناتی چٹانوں کی قطار جنگل میں دور تک جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جبل احد پر سوائے ایک بڑے رخنہ کے اور کسی طرف سے حملہ نہیں ہو سکتا یہاں نبی کریم صلعم پچاس تیر اندازوں کو متعین کر کے انھیں حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ خواہ جنگ کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ مسلم افواج کے عقب کی ہر حالت میں حفاظت کریں۔ اس معاملہ کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات واضح ہیں " خواہ کچھ بھی ہو تم اپنی جگہ پر ڈٹے رہو۔ اگر ہم فتح پائیں تو اپنی جگہ نہ چھوڑو۔ اور اگر ہم شکست کھائیں تو ہماری مدد کو آنے کے لیئے بھی اپنی جگہ نہ چھوڑو۔ دشمن کی نگہداشت کرو۔ جب کبھی وہ ہم پر عقب سے حملہ کرنے کے لئے حرکت کریں۔ انھیں تیروں سے چھید ڈالو "

ابو سفیان ایک بڑے ہلال کے مرکز میں بڑھا چلا آتا ہے اسکے پیچھے مکہ کے بت ہیں اور انکے عقب میں قریش اور انکے حلفاء کی شاندار فوج۔ میمنا اور میسرہ عکرمہ اور خالد کی سرکردگی میں ہیں۔ جن میں ہر ایک کے ماتحت ایک سو سواروں کا دستہ ہے۔ قریش کی عورتیں عقب میں ہیں جو ابھی تک بلند نعروں کے ساتھ اپنے آدمیوں کو لڑنے پر آمادہ کر رہی ہیں اور طاقت آزمائی کے عوض میں تلطف کا وعدہ کرتی ہیں۔ اسلامی فوج کے قلب میں حضرت حمزہؓ ہیں اور حضرت علیؓ انکے معاون ہیں۔

قریش کا پہلا حملہ معمولی ثابت ہوتا ہے اور مسلمانوں پر جو جبل احد کی طرح جمے کھڑے ہیں۔ اسکا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قریش اسطرح پسپا ہو جاتے ہیں گویا انھوں نے ایک دیوار سے ٹکر کھائی ہے۔ حضرت حمزہؓ

کی تلوار ہوا میں چمکتی ہے۔ وہ کافروں کے درمیان جا گھستے ہیں۔ انکے ساتھ حضرت علیؓ اور مسلم پیادہ فوج کفّار پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ جنگ کا شور ہولناک ہے۔ سر کٹ کٹ کر پتھروں کی طرح خاک پر لڑھکتے ہیں۔ خونریزی سے ریت کے تودے سُرخ ہو رہے ہیں۔

مسلمان اس طرح لڑ رہے ہیں کہ اس سے پہلے وہ کبھی اس طرح نہیں لڑے تھے۔ بلکہ جنگ بدر میں بھی انھوں نے حیرت انگیز قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جبل احد نے اس روز جن شجاعانہ کارناموں کا مشاہدہ کیا۔ انکی تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ قریش بھی بڑی بے جگری کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ عبدالدار کے خاندان کے سات فرزند یکے بعد دیگرے علم برداری کا موروثی فرض ادا کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔

طلحہ تلوار سونت کر حضرت علیؓ کو دعوت مجادلہ دیتا ہے: "تم کہتے ہو کہ ہم دوزخ میں جائینگے اور تم جنت میں۔ آؤ میں تمھیں جنت میں بھیجتا ہوں" حضرت علیؓ جواب دیتے ہیں: "پہلے میں تمھیں دوزخ میں بھیجوں گا"۔ یہ کہکر وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور بڑے جوش کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بالآخر طلحہ زمین پر آگرتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "طلحہ کیا تم تیار ہو۔" طلحہ بہ منت کہتا ہے: "رحم"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "بہت اچھا دوزخ کی آگ تم جیسے بہادر آدمیوں کے لئے نہیں"۔ یہ کہہ کر آپ آگے چلے جاتے ہیں۔ اور گھمسان کی لڑائی میں جا گھستے ہیں۔

اہل مکہ کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ ابوسفیان اور اسکی فوج پسپا ہوتی ہے تو ایک ہلچل مچ جاتی ہے۔ ہر طرف سے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہونے

ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معتقدین کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ جنگ بدر کا اعادہ ہولے مسلمانوں کے دلوں میں مسرت بھر جاتی ہے۔ تمام سپاہی فتح کو مکمل اور یقینی بنانے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ وہ تیر انداز بھی جو مسلمانوں کے عقب کے محافظ تھے۔ بھاگتے ہیں تاکہ مال غنیمت حاصل کرنے میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

خالد نے گھمسان لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ اسکے سوار فوری ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ایک طرف کھڑے رہے ہیں۔ اس کی تیز نگاہوں نے آج کی جنگ کا انجام دیکھا۔ لیکن اس نے جنگ میں شامل ہونے کی جرأت نہیں کی۔ کیونکہ سواروں کے حملہ سے زیادہ افراتفری پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس نے بڑی مایوسی کے ساتھ مسلمانوں کے غیظ و غضب کے سامنے مکہ کے بڑے لشکر کی تباہی دیکھی ہے۔ دفعتاً اس نے دیکھا کہ مسلمان تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر عام لوٹ میں شامل ہو گئے ہیں۔

عام طور پر نہایت چھوٹے چھوٹے حملے جنگ کا فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ خالد نے جونہی اہل مدینہ کے عقب میں خالی جگہ دیکھی۔ وہ بجلی کی سرعت کے ساتھ اپنے ایک سو سواروں کو لے کر بڑھا۔ اور جبل احد کے درے پر قابض ہو گیا۔ اب وہ مسلم عقب پر حاوی ہے۔ قسمت نے پلٹا کھایا ہے حضورؐ کے ہمراہی یا تو جارحانہ حملہ میں مصروف تھے۔ یا وہ مدافعت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ابھی تعاقب کر رہے تھے۔ اور اب وہ پسپا ہو رہے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فوج خطرے میں ہے۔ "شیر خدا" حضرت حمزہؓ کئی اہل مکہ کو قتل کرنے کے بعد شہید ہو چکے ہیں۔ آپ قریش کے ایک اور نبرد آزما کے ساتھ مصروف پیکار تھے کہ وحشی نام ایک حبشی نے

نے اپنی تیز برچھی انکی پیٹھ میں گھونپ دی۔ جوں جوں دن گذرتا جاتا ہے۔ اکثریت کا غلبہ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ حسب معمول بڑی بہادری سے لڑ رہے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت ارد گرد والوں کے دل بڑھا رہی ہے۔ جہاں دشمن قوی ہوتا ہے آپ وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اور بلند آواز سے اعلان کرتے ہیں۔ "حملہ کرو۔ اے مومنو! خدا ہمارے ساتھ ہے۔ فتح ہماری ہوگی۔" آپ کی آواز بگل کی آواز ہے جو مسلمانوں کو متحد کرتی اور ان میں تازہ جوش پیدا کرتی ہے۔ یہ دشمنوں کی توجہ بھی اپنی طرف منجذب کرتی ہے آپ کی بلند آواز اور سرخ عمامہ جہاں بھی آپ جائیں آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ آپ دشمن کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔ برچھیاں ہوا میں گھوم رہی ہیں۔ تیر آپکے نشانہ کے پاس سے ہو کر گذر جاتے ہیں۔ خنجر چمکتے ہیں لیکن ایذا نہیں پہنچا سکتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی محفوظ ہے۔

لیکن تابکے؟ آپ کا علم بردار مصعب بن عمیرؓ زخم کھا کر گرتا ہے چونکہ اسکی شکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہے۔ اسلئے خبر مشہور ہو جاتی ہے کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ اس اثنا میں حضور سرورکائنات صلعم زخمی ہو کر ایک گڑھے میں منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ آپ کی شہادت کی خبر آناً فاناً دوست دشمن میں پھیل جاتی ہے۔ غنیم کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے نظام عسکری کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔

مسلمان جو تھوڑا عرصہ پہلے قریش کا تعاقب کر رہے تھے اب خود عجلت کے ساتھ پسپا ہو رہے ہیں۔ بھاگ کر مدینہ پہنچنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا لیکن دفعتہً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زرہ اور سرخ عمامہ پہچانے جاتے ہیں۔ آپ ابھی زندہ ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ،

حضرت علیؓ اور دوسرے دس بارہ اشخاص آپکے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ جھک کر آپ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیتے ہیں۔ اور آپ کے زخم سے لہو پونچھتے ہیں۔ مومنین حضورؐ کے گرد ایک حلقہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ خوفناک طریق سے زمین پر پاؤں مار رہے ہیں۔ انکی آنکھوں میں خون اُتر رہا ہے اور پیشانی پر گرم پسینہ بہ رہا ہے۔ حضرت علیؓ بیکسل معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا بھائی جعفرؓ بھی حیرت انگیز شجاعت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ بالآخر قدم بہ قدم وہ اپنے لئے ایک پتھریلی سطح مرتفع تک راستہ بنا لیتے ہیں۔ اور یہاں اپنے بیش بہا بوجھ کے ساتھ مکہ کی افواج کو جھٹلاتے ہیں۔

ابوسفیان فاصلہ پر سے پکارتا ہے۔ "کیا محمدؐ تمہارے درمیان موجود ہیں" کوئی جواب نہیں ملتا۔ اس پر ابوسفیان پکارتا ہے۔ "ہبل کی فتح! کیونکہ وہ تمام مر چکے ہیں۔" بہادر عمرؓ کے لئے یہ ناقابل برداشت ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ "رسول اللہؐ زندہ ہیں۔ ابوبکرؓ زندہ ہیں۔ وہ دونو تم پر تباہی لانے کے لئے زندہ ہیں۔"

منظر پر شام چھا جاتی ہے۔ ابھی تک جنگ کا قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ مسلمان ایسے مقام پر ہیں کہ قریش اُن تک پہنچکر انھیں شکست نہیں دے سکتے۔ قریش میدان کے مالک ہیں۔ لیکن انکی تعداد بہت کم ہوگئی ہے اور بہت مایوس ہوگئے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے قریب تر رفقاء زندہ ہیں۔ ایک کے مقابلہ میں چار کا تناسب مسلمانوں کا تہس نہس کرنیکے لئے کافی ثابت نہیں ہوا۔ خالد کی عیارانہ فتح سے کوئی بہت اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ قریش کے پاس ساکنین مکہ کو دکھلانے کیلئے حضرت حمزہؓ

اور ایک سو مسلمانوں کی نعشیں ہیں۔ لیکن اسیر جنگ ایک بھی نہیں! ورنہ کوئی مالِ غنیمت ہے۔ نعشوں کے ساتھ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ وحشی ہندہ حضرت حمزہؓ کی نعش سے خوراک اور لباس حاصل کرتی ہے۔ وہ انتڑیوں کو ہار کے طور پر پہنتی ہے اور کلیجہ نکال کر کھا لیتی ہے۔ دوسری عورتیں نعشوں کا سر کاٹ کر ہنستی ہیں۔ وہ ناکوں اور کانوں کو جمع کر کے احد کی یادگار کے طور پر مکہ لیجاتی ہیں۔ اس قسم کی انتہائی حرکات کے علاوہ قریش اپنی بالادستی سے کوئی فائدہ اٹھانے کی سعی نہیں کرتے۔ وہ نہ مدینہ کی گلیوں میں پھرتے ہیں نہ مقامات حکومت کو قبضہ میں کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے خدا پر بتان کعبہ کی فتح کا اعلان نہیں کرتے۔ ایک بڑا لشکر جو رنگا رنگ کی توقعات لیکر نکلا تھا۔ گھروں کو واپس چلا جاتا ہے۔ مکہ کے راستہ میں ابوسفیان کو احساس ہوتا ہے کہ اس فتح کا نتیجہ مایوسی کے سوا کچھ نہیں وہ اپنے سرداروں سے مشاورت کرتا ہے۔ جو پلٹ کر مسلمانوں کو جو احد کی جنگ میں کمزور ہو چکے ہیں تباہ کر دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اندیشہ ہے کہ قریش واپس آجائینگے: چنانچہ وہ مدینہ کی بجائے کھلے میدان میں اُن کا مقابلہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب ابوسفیان پلٹتا ہے۔ تو راستہ میں ایک بدوی ملتا ہے جو نبی کریم صلعم سے دوستانہ مراسم رکھتا ہے۔ وہ ابوسفیان کو بتاتا ہے ۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم انتقام لینے کی فکر میں ہیں! اور ایک لشکر کثیر کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ ابوسفیان یہی بہتر سمجھتا ہے کہ اپنے تھکے ماندے لشکر کو لیکر فوراً مکہ واپس ہو جائے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ قریش کے میدان چھوڑ دینے پر آپ نے حضرت حمزہؓ کی نعش کی

جستجو کرائی۔ یہ بہت بری طرح پارہ پارہ کی گئی تھی۔ اسے دوسرے شہداء کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ماتم کے رسوم مثلاً بال منڈوانے۔ کپڑے پھاڑنے اور چھاتی پیٹنے سے منع فرماتے ہیں۔ آپ صرف آنسو بہانے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور آنسو بہنا انسانی فطرت ہے۔ حضرت حمزہؓ کے متعلق آپ فرماتے ہیں "حمزہؓ کا نام لوح محفوظ پر شیر خدا اور اسلام کے القاب کے ساتھ مرقوم ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سیاہ لبادہ پہنکر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ اور اس میں سات تکبیریں کہتے ہیں۔ تمام دشمنوں اور دوستوں کی نعشوں کو انہیں مقامات پر دفن کیا گیا۔ جہاں وہ پڑی تھیں۔ رنگین سنگریزوں کے چھوٹے چھوٹے تودے آئندہ نسلوں کے لئے اس بات کا نشان ہیں کہ مقتول بہادر کہاں مدفون ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں کہ احد کی شکست کا یہ باعث نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں کی۔ فتح مسلمانوں کی تھی۔ لیکن تیر اندازوں نے اسے غالد اور اسکے رفقاء کے حوالے کر دیا۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں بتلایا گیا ہے کہ احد کے مقام پر "خدا نے اپنے وعدے پورے کر دئے تھے۔ جبکہ تم نے مغلوب دشمن کا تعاقب کیا۔ لیکن تم نے نافرمانی کے مشورہ پر کان لگا لئے اور مال غنیمت کی حرص میں پھنس کر پیغمبرؐ کی حکم عدولی کی"۔ لیکن انکے طرز عمل کے باوجود جنھوں نے مال غنیمت کے لالچ میں آکر اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ ان کے لئے سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے "خدا نے تمھیں معاف کر دیا ہے کیونکہ خدا غفور الرحیم ہے"۔ جو شخص جنگ میں شہید ہوئے "انکے لئے بہت بڑا انعام ہے"۔ قرآن حکیم اس امر کو بھی واضح کرتا ہے کہ اگر پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگ میں شہید ہو جاتے (کیونکہ وہ ایک پیغامبر کے سوا کچھ نہیں) پھر بھی اسلام کو موت نہ آتی۔ سچائی سچائی ہے اور اگر اسکے پھیلانے والا ہلاک ہو جائے تو مومنین صداقت کو نہیں چھوڑینگے۔

ان تاریک دنوں میں قرآن کی جو آتیں نازل ہوئیں۔ ان کی عظمت۔ بلاغت اور اذعان و یقین حیرت انگیز ہیں" اللہ کا یہ مقصد نہیں کہ تم کو موجودہ حالت میں رکھے۔ اگر تم بدی سے محترز رہو گے اور اللہ کے پیغام پر ایمان رکھو گے۔ تو تمھارے لئے وسیع انعامات ہیں" "اے ایمان والو صبر کرو صبر میں تمام پر سبقت لے جاؤ۔ تیار ہو جاؤ۔ اور اللہ کے حضور اپنے فرائض ادا کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ"



پانچواں باب

"سپاہی"

مدینہ کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جو اعتماد تھا۔ احد کا واقعہ اسے متزلزل نہ کر سکا۔ مسلمانوں میں آپ کا وہی احترام ہے اور وہی کامل تقلید۔ آپ ابھی تک انکے بادشاہ اور روحانی سردار ہیں۔ ملکی اور مذہبی معاملات میں آپکے الفاظ بمنزلہ قانون ہیں۔ جہاں تک آپ کا تعلق ہے کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ کہ آپنے قریش کو منتشر کر دیا۔ اور اگر نا قابل عفو حکم عدولی کے فعل سے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جاتا تو احد میں فتح مسلمانوں ہی کی تھی اسلئے اللہ تعالٰے سے یہ شکایت صحیح نہیں۔ کہ اس نے مومنوں سے اپنے وعدے پورے نہیں کئے۔

لیکن مدینہ کے باہر نواحی قبائل پر جنگ کے نتائج نے جو اثر ڈالا ہے۔ وہ انکے متغیر طرز عمل سے واضح ہے۔ بدر کی فتح کا نقش مٹ چکا ہے۔ مدینہ کی حاکمانہ حیثیت کا چنداں احترام نہیں کیا جاتا۔ یہودی۔ عیسائی اور عرب مساوی طور پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ قریش کے ہاتھوں عنقریب مسلمانوں کا خاتمہ

ہونے والا ہے۔ یہ امر بھی پوشیدہ نہیں۔ کہ اسلامی فوج کے بہترین سپاہی احد کے مقام پر شہید ہو چکے ہیں اور مدینہ کو اپنا نقصان پورا کرنے کے لئے کچھ وقت لگے گا۔

خبریں آ رہی ہیں۔ کہ متعدد ہمسایہ قبائل حدود مدینہ پر دھاوا کرنے کی تجاویز کر رہے ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صورت حالات کے خطرے سے آگاہ ہیں اور یہ ایسی صورت ہے جس کی نگرانی کی ضرورت ہے لیکن موجودہ حالات میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جو آپ کے معتقدین پر توڑے جا رہے ہیں اور غداروں کو کافی سزا انہیں دے سکتے اسی طرح جب عمرو بن امیہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بنو عامر اور بنو سلیم کے ہاتھوں بچ نکلنے کی داستان بیان کی تو مدینہ میں سنسنی پھیل گئی۔ چند روز پہلے کا ذکر ہے کہ ان قبائل کا شیخ ابو برا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اسلام قبول کرنے اور مسلم مبلغین کو اپنے علاقہ میں مدعو کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر شبہ نہ کیا اور ستر معلمین بھیج دئے جن میں عمرو بن امیہ بھی تھے۔ جب یہ جماعت بیر معونہ پر پہنچی۔ اور ندی عبور کرنے کو تھی تو سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ابو براء نے انکے قتل کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے مطابق سب کو قتل کر دیا گیا۔ اور عمرو بن امیہ دم سادھ کر مردہ بن گئے۔ اور اس حیلہ سے بھاگ نکلے۔ یہی حشر ان چھ واعظین کا ہوا۔ جو عضل وقارہ میں بھیجے گئے تھے ان میں سے چار کو قتل اور دو کو قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ ان میں سے جنیب کو حارث کے وارثوں نے خریدا جسے جنیب نے جنگ بدر میں ہلاک کیا تھا۔ وہ اصل مجرم کو پا کر بہت خوش ہوئے تاکہ اسے حارث

کی روح کے پیش کریں۔ انکی موت کے لئے ایک تقریب منعقد کی گئی خاندان کے تمام افراد کو خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ اور جب تمام جمع ہو گئے۔ تو اس آفت رسیدہ کو ایک جلوس کی شکل میں قربان گاہ کی طرف لیجایا گیا۔ یہاں اسے نماز ادا کرنے کی مہلت دی گئی۔ پھر حارث کی لڑکیوں میں سے ایک نے شمشیر آبدار سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

دوسرے شخص زید کو ایک اور خاندان نے اسی مقصد کے لئے خریدا۔ لیکن زید کا قتل زیادہ اہم معاملہ تھا۔ کیونکہ اسکے دیکھنے کے لئے بہت بڑی بڑی شخصیتوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ حاضرین میں ابوسفیان بھی تھا۔

ان قتلوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہو۔ لیکن یہ انتقام کا وقت نہیں تھا۔ ان حادثات کے ساتھ ہی یہودیوں کے ایک طاقتور قبیلہ بنو نظیر نے دو اشخاص کے خون بہا کا مطالبہ کیا۔ جنھیں عمرو بن امیہ نے مدینہ واپس آتے ہوئے اتفاقیہ طور پر قتل کر دیا تھا۔

گفت وشنید کے خاتمہ کی خوشی منانے کے لئے بنو نظیر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں اتفاقاً وہ کھیلوں کے سلسلے میں چھت پر اینٹ پتھروں کی ایک بڑی تعداد جمع کرتے ہیں۔ جونہی مہمان جمع ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلعم چھت پر فریب کارانہ حرکات وسکنات دیکھکر فوراً ان کی دغابازی سے آگاہ ہو جاتے ہیں آپ حضرت ابوبکرؓ کو بلا کر غیر خفیہ طور پر باہر چلے آتے ہیں۔ اور بعجلت مدینہ کو واپس چلے جاتے ہیں۔ بنو نظیر شکار ہاتھ سے نکلا دیکھکر سمجھ جاتے ہیں کہ نبی کریم صلعم جلد واپس آئینگے۔ اس لئے بڑی عجلت کے ساتھ قلعہ بند ہو جاتے ہیں۔

مسلمان اس فریب پر غضب میں آجاتے ہیں حضرت عمرؓ یہودیوں سے بدلہ لینے کی قسم کھاتے ہیں۔ فوجوں کو تیزی کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کا رُخ کرتے ہیں۔ اور یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیتے ہیں اور باہر تباہی پھیلا دیتے ہیں۔ وہ کھجوروں کو کاٹ دیتے ہیں اور یہودیوں کی فصلیں برباد کر دیتے ہیں۔

ایک یہودی نے ایک دفعہ اپنے نجات دہندہ کو چند ٹکڑوں پر فروخت کر دیا تھا۔ اور ایک یہودی کی زندگی کے ہر واقعہ کا ذکر نقدی کی اصطلاحات میں کیا جاتا ہے۔ جہاں روپیہ عزیز ہے وہاں جان بھی پیاری ہے کیونکہ روپیہ اور جان کو ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے چند درخت کاٹے ہیں۔ آپ چند اور بھی کاٹ سکتے ہیں اور سر درختوں کی بہ نسبت زیادہ قیمتی ہیں۔ ایک شام کی تفریح نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اسلئے چھ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر صلح کی التجا کرتے ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ایک ہی دفعہ فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہودیوں کی ناکیں کاٹ کر مدینہ میں انکی نمائش کی جائے لیکن نبی کریم صلعم خونریزی نہیں چاہتے۔ یہودیوں نے اطاعت کر لی ہے اور یہ کافی فتح ہے۔ آپ بنو نضیر سے ایک معقول رقم بطور تاوان وصول کرتے ہیں اور مال غنیمت لیکر مدینے واپس آجاتے ہیں۔

یہود جیسے دغابازوں میں محصور ہونے کے باعث کیا یہ کوئی عجیب بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی وقت رنج یا انتقام کی خواہش کا اظہار کریں۔ ایسی حالت میں جبکہ دشمن آپ کا سر کاٹنے کے لئے سازشیں کر رہے ہیں۔ انھوں نے آپ کے کئی معتقدین کو قتل کر دیا ہے اور اسلامی آبادکاروں

کے خلاف منصوبے کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ طبعی بات کیا ہو سکتی ہے؟
لیکن جنگ اُحد نے آپکے اختیارات کمزور کر دیے ہیں۔ نہ مدینہ بنو عامر کی غابازی
کا انتقام لینے کے قابل ہے اور نہ ان مبلغین کے قتل کا بدلہ لے سکتا ہے
جو عضل و قارہ کو بھیجے گئے تھے۔

(۲)

بنو نضیر پر لشکر کشی ایک اور طرح سے بھی اہم ثابت ہوئی ہے اس سے پہلے مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ فوج میں تقسیم ہوتا رہا ہے اور ۱/۵ نبی کریمؐ کی مرضی پر چھوڑا جاتا رہا ہے۔ مہاجرین کی اقتصادی حالت ابھی تک قابل افسوس ہے۔ انکی حالت سدھارنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ یا ان ہیں انصار کی املاک کا کافی حصہ تقسیم کیا جائے۔ یا مال غنیمت کا زیادہ حصہ انھیں دیا جائے۔ اس امر کا فیصلہ انصار کے ایک اولو العزمانہ اشارہ سے ہو جاتا ہے۔ جو اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ جنگ کا تمام مال غنیمت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ اب قرآن کریم کی ایک سورۃ اس کی تعمیل جائز قرار دے دیتی ہے۔ اسکے مطابق مہاجرین کو بنو نضیر سے حاصل کردہ تمام مال غنیمت مل جاتا ہے۔ انصار مہاجرین کی فداکاری سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اس منصفانہ تقسیم پر فراخ دلی کے ساتھ مسرت کا اظہار کرتے ہیں

لیکن کیا یہ صرف انصار کی فراخدلی ہی ہے جس نے بنو نضیر کے تمام مال و اسباب کو اس طرح مہاجرین کے پاس جانے دیا؟ یا یہ کچھ ان کے روحانی بادشاہ کی قوت مقناطیسی کا اثر ہے جس نے ان میں عام انسانوں کی سطح سے بلند ہو کر اعلیٰ کام کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان ایام کے بعد جبکہ آپ مکہ کی پہاڑیوں میں گھومتے رہتے تھے اور توقعات اور تصورات کی دنیا میں بستے اور خواب دیکھتے رہتے تھے۔ آپ نے بہت لمبے سفر کئے ہیں۔ اس زمانہ کو درحقیقت بہت عرصہ گذر چکا ہے جبکہ آپ جبل عرفات پر بیٹھ کر اس وادی کو دیکھتے تھے جس میں مکہ معبد ابراہیم کے ارد گرد آباد ہے۔ اس بات کو مدت ہو چکی ہے جبکہ آپ کا دل اس سرزمین کی محبت سے پُر ہو گیا تھا۔ جبکہ آپ نے عالم تصور میں دیکھا کہ عربستان اب خانہ جنگیوں کے باعث منقسم نہیں۔ بلکہ تمام لوگ امن کے ساتھ ایک زبردست حکمران کے ماتحت بستے ہیں۔ قدیم کعبہ میں بُت پرستی کی بجائے خدائے واحد کی پرستش ہو رہی ہے۔ عوام اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرتے ہیں اور کوئی مداخلت نہیں کرتے۔ دانا لوگ خالق کائنات روح الارواح کے حضور سربسجود ہوتے ہیں۔ آپ کی نسل کی عورتوں کا احترام بہادر بیٹوں کی ماؤں کے طور پر کیا جاتا ہے۔ تمام عربستان اسلام کے جھنڈے تلے متحد ہو کر دنیا کے چاروں گوشوں میں سلامتی کا پیغام پہنچاتا ہے۔ ہاں زمانہ گذر چکا ہے جبکہ آپ کی نگاہوں نے یہ خواب دیکھا۔ وقت نے آپ کی توقعات کا ایک بڑا حصہ پورا کر دیا ہے۔ ابھی بہت حصہ پورا ہونے کو باقی ہے۔ ہاں یہ ایک اعلےٰ خواب تھا۔ یہ دیکھنے کے قابل چیز تھی اور اسے پورا کرنے کا ذریعہ بننا ایک انتہائی درجہ کی شاندار چیز ہے۔

جنگ بدر کے بعد آپ کی تجاویز کی تکمیل محض چند سال کا کام معلوم ہوتا ہے جنگ احد نے بہر حال افق کو بادلوں میں چھپا دیا ہے۔ سلطنت میں فریب کاری سانپ کی طرح بل کھاتی پھر رہی ہے۔ یہ غیر متوقع وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور اپنے مدِمقابل کو ایسے وقت پر ڈستی ہے جبکہ وہ غافل ہو۔ پیغمبرِ خدا صلعم کے

دشمن موجودہ وقت میں بے شمار ہیں وہ مدینہ کی دیواروں کے اندر باہر جمع ہیں ان میں عرب بھی ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی۔

عرب کی بغاوت قابل فہم ہے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عوام کا ایک بڑا اور با اثر حصہ اسلام کی طرف راغب کر لیا ہے۔ آپ نے قریش کی حکومت میں رخنہ ڈال دیا ہے۔ اور مدینہ میں آزاد حکومت قائم کر لی ہے۔ آپ نے شادی اور وراثت کے قوانین میں پائدار تبدیلیاں کر دی ہیں۔ آپ نے بیدردی کے ساتھ قدیم رسوم کو گلدستہ طاق نسیاں بنا دیا ہے۔ آپ نے جاہلیت اور اپنی قوم کے خداؤں کی مذمت کی ہے۔ اگر وہ آپ کو تباہ کرنے کے لئے متحد ہو گئے ہیں تو وہ ایک عالم دشمن کی حیثیت میں (گو وہ غلطی پر ہیں) قابل عفو انسان ہیں۔

یہودی کی بغاوت بہر حال آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ اسے ضمیر کی مکمل ترین آزادی دی گئی ہے۔ لیکن دوستی اور نفرت کسی اصول دلیل کے ماتحت تو نہیں ہو سکتے۔ ایک کتا اپنے مالک کے ہاتھ چاٹتا ہے۔ حالانکہ وہ اسکے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔ سانپ اپنے محسن کو ڈس لیتا ہے۔ انسان بھی اکثر ان لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو ان سے دوستی کرتے ہیں اور ناشکرگزاری کوئی غیر معمولی صفت نہیں۔

اور اسی طرح مدینہ کے یہودیوں کو وہ آزادیاں جو انھیں نئے حکمران نے دی ہیں۔ عرصہ سے فراموش ہو چکی ہیں۔ وہ اسلام کے مخالف قبائل خصوصاً قریش سے سازشیں کرتے ہیں۔ بعض واقعات نے انکی نفرت کو اور بھڑکا دیا ہے۔ مثلاً شاعر کعب کی سزائے موت اور اسی قسم کے ایک اور یہودی ابو رافع سلام کا قتل۔ بنو نضیر کے اخراج کے بعد یہودی خفیہ طور پر انتقام لینے کی تدبیریں

سوچنے لگے لیکن انکے عزم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہودیوں کی کوشش اب مسلمانوں کے درمیان نفاق کا بیج بونے کی طرف منعطف ہوگئی ہے مدینہ کے ہی اندر یہودی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتک کرنے۔ آپ کے صحابہ کو بدنام کرنے اور قرآن حکیم کی تضحیک کرنے اور بیہودگی کے ساتھ قرآن کے غلط معنی کرنے تک سے نہیں چونکتے۔ انکی اعلیٰ تعلیم عقل اور ذرائع کے باعث بے اطمینانی کا تخم بہت بڑی حد تک بویا جاچکا ہے۔ مدینہ۔ انتقام۔ بغاوت اور خفیہ سازشوں کا ایک اکھاڑہ بن گیا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی دعوت نبرد بنو قنیقاع کی طرف سے دی جاتی ہے۔ یہ ایک قبیلہ ہے جو مدینہ کے مضافات میں آباد ہے۔ انکی چیرہ دستیوں سے مدینہ کے لوگ اسقدر تنگ آ گئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ مذکور کو حکم دیا کہ یا تو وہ اپنے علاقہ کو خالی کر دیں یا مسلمان ہوکر مدینہ کی ثروت عامہ میں شامل ہو جائیں۔

بنو قنیقاع نے جواب دیا۔ "محمدؐ! قریش پر فتح حاصل کرنے سے مغرور نہ ہو جاؤ۔ اس کا باعث یہ تھا کہ وہ لوگ فن حرب سے نا آشنا تھے۔ اگر تم ہمارے مقابلے میں آئے تو معلوم ہو جائے گا کہ فتح اس قدر آسانی سے حاصل نہیں جا سکتی"

یہ جواب بھیجنے کے بعد بنو قنیقاع قلعہ بند ہو گئے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آؤ ہمیں یہاں سے نکال لیجاؤ یہودیوں کا یہ چیلنج جو بڑی خود اعتمادی کے ساتھ دیا گیا تھا منظور کر لینا ضروری تھا۔ چنانچہ مدینہ کی فوج نے بنو قنیقاع کا محاصرہ کر لیا۔ بہر حال جنگ بہت زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہی اور پندرہ روز کے اندر قبیلۂ مذکور عورتوں بچوں سمیت مدینہ کے نواح سے ہمیشہ کیلئے نکل گیا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم انکے ساتھ وہی سلوک کر سکتے

تھے جو داؤد نے امونیوں کے ساتھ کیا۔ یعنی انھیں بھون دیا جاتا۔ لیکن ایک دفعہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی نے بہتر فیصلہ کر دیا۔ آپ نے صرف یہ حکم دیا کہ بنو قینقاع علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ انھوں نے علاقہ خالی کرنے میں کوئی وقت ضائع نہ کیا۔ تاکہ کہیں اس عرصہ میں آپ اپنا فیصلہ تبدیل نہ کر دیں۔

(۳)

آئندہ بارہ یا اٹھارہ ماہ کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا ذکر غیر ضروری ہے ہجرت کے چوتھے پانچویں سال بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قریش اور یہودیوں کے انتقام کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ بنو نضیر بنو قینقاع اور ایسے شاعر جنھیں مدینہ کے اندر اپنی شاعرانہ نازک خیالیوں کی نمائش کرنے کی اجازت نہ تھی۔ خیبر اور دوسرے یہودی قلعوں میں چلے گئے۔ وہ ہر جگہ عرب قوم کی آنے والی بربادی کا خوف دلاتے۔ اور اپنے مشترکہ دشمن محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خلاف متحد ہونے کی ضرورت ظاہر کرتے پھرتے ہیں۔ جذبۂ انتقام سے مجبور ہو کر وہ پیغمبر اسلامؐ کو ظالم ظاہر کرتے تھے جس نے (نعوذ باللہ) اپنی خواہشات کو چھپانے کیلئے مذہب کا نقاب پہن رکھا ہے۔ وہ آپ کو صداقت سے محروم اور ظالم ظاہر کر کے کہتے ہیں۔ کہ محمدؐ تمام عرب قوم کو جس نے آج تک ان کی تمام مساعی تسخیر کی کامیابی کے ساتھ مدافعت کی ہے۔ تباہ کرنا چاہتے ہیں وہ ایک تصویر بناتے ہیں جس میں اسلام فتحمند دکھایا گیا ہے۔ محمدؐ کعبہ کے معبد کے اندر ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے۔ جو عرب خون سے سُرخ ہو رہی ہے۔ بُت اوندھے پڑے ہیں۔ اور قربان گاہوں کے ملبہ میں

ملے جلے ہوئے ہیں۔
خطرہ حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے اہل مکہ میں پھر طاقت آزمائی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہودیوں کے اتحاد سے خوش ہیں۔ یہودیوں میں بھی یہ اتحاد بہر لعزیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد اور اسلام کے قابل نفرت نام کو صحیفۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے صرف یہی ایک موقع ہے۔ دوسرے قبائل بھی متحد ہو جاتے ہیں ایک لشکر عظیم مشترکہ مقصد یعنی مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتا ہے۔
اس عہد میں جو قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ ان میں دشمنان اسلام کی سازش کا تذکرہ ہے اور مسلمانوں کو متحد رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ "اے ایمان والو۔ خدا کا قرض ادا کرنے میں محتاط رہو۔ اور خدا کے وعدوں کو قائم رکھو۔ اور الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ تم مسلمان ان تمام قوموں سے بہتر ہو جو پیدا کی گئیں اور وہ (یہودی) کسی طرح بھی تمھیں ایذا نہ پہنچا سکیں گے"۔ مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے۔ کہ مسلمانوں کے سوائے کسی دوسرے شخص کی دوستی قبول نہ کریں۔ کیونکہ تم ان سے محبت کروگے جبکہ وہ تم سے محبت نہیں کرینگے۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں۔ اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غضب میں آکر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہدو۔ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ کیا خدا ہر شخص کے دل کا حال نہیں جانتا؟"۔
"قرآن لانے والا یہودیوں کے طرز عمل پر متعجب نہیں۔ انکے نفسیات میں کوئی چیز نئی نہیں۔ لیکن اگر وہ تم سے منکر ہوتے ہیں تو ایسا ہی تم سے پہلے نبی بھی مسترد کئے گئے ہیں۔ جو واضح دلائل۔ نور پاش کتابیں لے کر آئے۔ تم ان سے جو تم سے پہلے آسمانی کتابیں لے کر آئے۔ اور ان سے جو مشرک ہیں یقیناً زیادہ پریشان کن گفتگو سنو گے۔ لیکن اگر تم صابر ہو اور بدی کے خلاف

نگہداشت کرتے ہو تو یقیناً یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا فیصلہ ہم خود کرینگے"
آخر الامر مومنین کی فتح میں کوئی شبہ نہیں لیکن انھیں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم
کی اطاعت میں ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ اور انھیں بشاشت کے ساتھ ان
تکالیف کا سامنا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ جو کامیابی کی راہ
میں موجود ہیں " اے ایمان والو صبر کرو۔ اور صبر میں ایک دوسرے سے سبقت
لے جاؤ۔ ثابت قدم رہو۔ اور خدا کے فرض میں احتیاط کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"
ایمان والوں کے لئے بڑے انعام کا وعدہ ہے۔ یہاں اور اگلے جہان میں
کیونکہ "جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے۔ خواہ وہ شہید ہو جائے یا فتح
حاصل کرلے۔ خدا اسے بہت بڑا انعام بخشے گا"
تاریخ اسلام میں مومنوں کے لئے پہلی دفعہ لڑنے کا قطعی حکم نازل ہوتا
ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔ "شیطان کے دوستوں کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ
کی راہ میں ان سے جنگ کرو۔ جو شخص ایک نیک کام میں شامل ہوتا ہے
وہ اپنا حصہ لے گا۔" موت سے ڈرنا بے سود ہے۔ کیونکہ جب اللہ کی مرضی تمہیں
مارنے کی ہے۔ تو موت تمہیں ہر حالت میں آئے گی۔ خواہ تم اپنے گرد مینار
کھڑے کرلو۔" مومنوں کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ" اگر خدا کی مہربانی اور رحم
نہ ہوتا۔ تو کافروں کی ایک ہی جماعت مسلمانوں کو تباہ کر دینے میں کامیاب ہو
جاتی۔ لیکن جب اللہ مومنوں کے ساتھ ہے تو دشمن اپنی روحوں کے سوائے
کسی چیز پر بربادی نہیں لاسکیں گے۔" "اے ایمان والو۔ یہودیوں اور نصرانیوں
کو دوست نہ سمجھو۔ یہ آپس میں بھی دوست نہیں۔ جو شخص انھیں دوست
سمجھتا ہے پس وہ بھی انھیں میں سے ہے۔"

---

(۴)

اس وقت تک مدینہ کے آئین معاشرت میں اور اہم اضافہ بھی کیا جا چکا ہے۔ جو قتل۔ جسمانی ضرر پہنچانے اور بردہ فروشی کے متعلق ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: "کسی کو قتل نہ کرو۔ خدا نے تمہیں قتل کرنے سے منع کیا ہے سوائے اسکے کہ قتل کسی صحیح مقصد کے لئے ہو اور جو شخص بے انصافی کے ساتھ قتل کیا جائے۔ ہم اسکے وارثوں کے انتقام کا حق دیتے ہیں۔" "مسلمان مسلمان کو قتل نہ کرے۔ سوائے اسکے کہ ایسا فعل غلطی سے ہو جائے۔" "تمہارے لئے معاوضہ معین کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام۔ اور عورت کے بدلے عورت۔"

قتل عمد کیلئے قرآن کریم میں سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت لیکن ایک مرد کو مرد کے قتل کے عوض ہی بلکہ عورت کے قتل کے عوض بھی سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ اسلامی قانون بہرحال رومی۔ یہودی اور مصری قوانین سے مختلف ہے۔ قاتل کی زندگی مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ اگر قتل کے عوض میں نقدی لے کر مطمئن ہو جائیں تو اچھا ہے۔ لیکن نقدی لے لینے کے بعد قاتل سے انتقام لینا ممنوع ہے۔ البتہ میدان جنگ میں کافر کو قتل کرنے والے کے لئے کوئی سزا نہیں۔

قتل عمد کے واقعات میں متعدد تصریحات کی گئی ہیں۔ عام طور پر ان کا تصفیہ نقدی ادا کرنے سے ہو سکتا ہے۔ جو شریعت موسوی اور حمورابی کے قوانین سے بہتر ہے۔ قانون مکافات جان لینے تک محدود نہیں۔ بلکہ

موت سے کم ضرر پہچانے کی سزا مقرر ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ " اگر تم معاوضہ لیتے ہو۔ تو اس کو اسی حد تک رکھو۔ جہاں تک تمہیں نقصان پہنچا ہے لیکن یہ یقیناً بہتر ہے کہ اگر ہو سکے تو صبر کرو۔" "ہم نے توریت میں حکم دیا تھا۔ جان کے عوض میں جان۔ آنکھ کے عوض میں آنکھ۔ ناک کے عوض میں ناک۔ کان کے عوض میں کان۔ اور دانت کے عوض میں دانت! اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔ لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے۔ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا۔"

ارسطو کا نظریہ تھا۔ کہ غلامی طبعی چیز ہے۔ اور بعض اقوام غلام بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اس خیال کی دلیل خواہ کچھ بھی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام رکھنے کو ایک معاشرتی قباحت خیال کیا۔ جس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ رومی قانون میں یہ ایک جائز اور طبعی چیز سمجھی گئی ہے۔ یہودیوں کے معاشرتی نظام میں کنیز رکھنا صدیوں تک مروّج رہا ہے۔ اور اس کو گھر میں نمایاں جگہ ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ قانون کو پورا کرنے کے لئے آئے۔ اور اگرچہ ان کا نرم دل اکثر غلاموں کی تکالیف دیکھ کر پگھل پڑا لیکن انہوں نے انکی حالت سدھارنے کے لئے کچھ نہ کیا۔ اسکے برعکس غلامی کا آئین پورے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور عیسائیوں کے مذہبی ادارے خود غلاموں کی تجارت کرتے ہیں۔ ڈائیجسٹ (DIGEST) میں جو عیسائی فرمانروا کے حکم سے مرتب کی گئی تھی۔ غلام رکھنے کو قانون فطرت کا ایک حصّہ قرار دیا گیا ہے۔

بہرحال حضور آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں اس آئین میں انسان کیلئے حصول نجات کے موقع موجود نہیں۔ ایک دفعہ ایک

شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ "مجھے کوئی ایسا کام بتلائیے جو مجھے جنت کے قریب اور جہنم سے دور لے جائے"۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ "ایک غلام کو آزاد کر دو۔ یا کسی اسیر کا فدیہ ادا کر دو۔ لیکن خدا کے نزدیک عزیز ترین عمل غلام کو آزادی بخشنا ہے"۔

ایک اور واقعہ ہے کہ کس طرح ابو مسعود انصاری ایک غلام کو مار رہے تھے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ "ابو مسعود خدا تمہارے مقابلے میں اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ جتنا تم اس غلام کے مقابلہ میں طاقتور ہو"۔

ابو مسعود یہ دیکھنے کیلئے کہ مداخلت کرنے والا کون ہے۔ پلٹے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اور شرمندہ ہو کر کہنے لگے۔ کہ میں اس غلام کو خدا اور رسولؐ کے لئے آزاد کرنے کیلئے طیار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: "اگر تم آتش دوزخ میں جلنا نہیں چاہتے تو اسے رہا کر دو"۔

لہٰذا غلاموں کا نیا قانون غلام کے ساتھ وہی انصاف اور انسانی سلوک چاہتا ہے۔ جو بیواؤں اور یتیموں کے لئے بنایا گیا ہے۔ ان قوانین میں متعدد طریقے بتائے گئے ہیں جن سے غلام آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

غلام کو اس کا آقا آزاد کر سکتا ہے۔ وہ خاص خدمات کے عوض میں اپنی آزادی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ یا نقدی ادا کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ غلام ایک دفعہ آزادی حاصل کر لے تو یہ بات اس کیلئے باعث ذلت نہیں رہتی۔ کہ وہ غلام رہ چکا ہے۔ وہ حقوق میں اپنے قبیلے کے بڑے سے بڑے آدمیوں کا ہمسر ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو وہ اعلےٰ ترین دوشیزہ سے شادی کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ عام لوگوں کو سبق دینے اور واضح مثال

قائم کرنے کے لئے نبی کریم صلعم نے اپنے متبنّیٰ زید سے اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب کی شادی کر دی۔ اور یاد رہے کہ زید بھی ایک زمانے میں غلام تھے۔

(۵)

زید کے تذکرے سے پھر ہماری توجہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کی جانب منعطف ہو جاتی ہے۔ جنگ بدر سے قبل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ۔ اسکے بعد حضرت عمر کی لڑکی حفصہؓ حرم نبوی میں داخل ہوئی۔ آئندہ اٹھارہ ماہ میں تین اور خواتین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں ان میں سے عبداللہ بن جحش کی بیوہ زینب تھی۔ عبداللہ نے جنگ احد میں اسلام کی خاطر جان دی تھی۔ جویریہ بنت حارث نواح مدینہ کے مخالف قبائل کے ساتھ جہاد کے دوران میں آئیں۔ بنو مصطلق کی جنگ میں مسلمان فوج کے ہاتھ چھ سو سے زیادہ اسیران جنگ آئے تھے۔ ان میں سب سے اہم اشخاص باغی قبیلہ کا سردار حارث بن ابی ضرار اور اسکی بیٹی جویریہ تھے۔ دونوں باپ بیٹی نے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضرت جویریہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ اس کا نتیجہ قبیلہ کے لئے خوشگوار ثابت ہوا کیونکہ انھوں نے اس اتحاد کے باعث آزادی حاصل کر لی۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عم زاد حضرت زینب کا معاملہ سطے ہونے والا نہیں تھا۔ حضرت زینبؓ عبدالمطلب کی نواسی ہونے کے باعث اور خوبصورت۔ ذہین اور عربی تحریر سے آشنا اور قرآن پڑھ سکنے

کے باعث۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے انکے قریبی رشتہ داری نے انھیں مدینہ کی عورتوں میں بڑا امتیاز بخش دیا۔ انھیں اپنے عم زاد یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری دلی وابستگی تھی۔ آپ کی ترقیاں ان کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ انھیں امید ہے کہ آپ کسی روز ان سے شادی کر لینگے۔ لیکن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ایک اور تجویز تھی۔ زید بن حارث آپؐ کے آزاد کئے ہوئے غلام اور پہلے معتقدین میں سے تھے اور آنحضر صلعم کے سچے جاں نثار تھے۔ اور وہ متعدد خطرناک واقعات میں آپ کے ہمراہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ کہ انکی شادی اپنی عم زاد حضرت زینبؓ سے کرکے اسکی وفاداری کا صلہ دیں۔ جب یہ تجویز حضرت زینبؓ کے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے اور انکے بھائی نے اسکی مخالفت کی۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلعم کے حکم سے سرتابی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسلئے حضرت زینبؓ زید کے ہاں چلی گئیں۔

یہ اتحاد اچھا ثابت نہ ہوا۔ حضرت زینبؓ اپنی تعلیم اور ہوشمندی کے باوجود عورت ذات تھیں۔ انھوں نے اپنے اور زید کے خاندان کا مقابلہ کیا۔ زید کو شادی میں تھوڑی سی راحت ملی۔ آخر حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ حتےٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقیہ حضرت زینبؓ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور آپ نے انکے چہرے کی متغیر حالت کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا۔ حضرت زینب کی خود آرائی حد سے بڑھ گئی۔ اور زید کے لئے زندگی دوبھر ہو گئی۔ مایوسی کی حالت میں زید نے حضور نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ان کے درمیان مفارقت کرا دی جائے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیوں؟ کیا تم نے اس میں کوئی خرابی دیکھی ہے"؟ زید نے جواب دیا کہ "نہیں لیکن زیادہ عرصہ تک باہم زندگی نہیں بسر کر سکتے۔" حضورؐ نے ارشاد فرمایا" جاؤ۔ اپنی بیوی کی نگہبانی کرو۔ اور اس سے اچھا سلوک کرو"۔

زید گھر چلے گئے۔ انھوں نے حتی الامکان کوشش کی لیکن زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا۔ زید نے بڑی ہمت کے ساتھ فیصلہ کیا۔ کہ ہر مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا بہترین طریق یہ ہے۔ کہ حضرت زینب کو طلاق دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے حضور کی اجازت کے بغیر بیوی کو طلاق دے دی۔ حضرت زینب نے گھر سے روانہ ہونے میں عجلت سے کام لیا۔ اور جونہی وہ چلی گئیں۔ زید نے آرام کا سانس لیا۔ پہلے وہ حضرت زینب کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوش تھے۔ لیکن اب ان کی غیر حاضری میں زیادہ خوش تھے۔

حضرت زینبؓ نے زید کو طلاق کے لئے کسی غرض کے بغیر مجبور نہیں کیا تھا۔ ان کا دل نسوانی تمناؤں سے پُر تھا۔ جنھیں صرف عورتیں ہی جان سکتی ہیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ ایام عدت کے بعد انھوں نے خواہش ظاہر کی۔ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام انھیں اپنے نکاح میں لے آئیں۔ چنانچہ وہ حرم نبوی میں حضور کی پانچویں بیوی کے طور پر داخل ہوئیں۔

اس شادی سے اہل مدینہ میں سنسنی پھیل جاتی ہے۔ کیونکہ زید کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ گو رائے عامہ اس رسم جاہلیت کو ابھی تک برداشت کر لیتی ہے کہ ساس سے شادی کرنا جائز

یا لڑکا اپنے باپ کی عورتوں سے تعلق پیدا کر سکتا ہے ۔ یا سوتیلی ماں بیٹے سے شادی کر سکتا ہے۔ تاہم متبنےٰ کی مطلقہ عورت سے شادی کرنا لوگوں کے فہم کے لئے ناقابل قبول ہے۔ ان چہ میگوئیوں کو اس توضیح کے ساتھ رفع کر دیا جاتا ہے، کہ متبنےٰ حقیقی بیٹا نہیں۔ اندرونی طور پر بہر حال پرانا خیال قائم ہے اور بہت سی گستاخ زبانیں پیغمبرِ اسلام اور زینب کی شادی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وحی اس معاملہ کا فیصلہ کرتی ہے اور حضرت زینب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شادی کی یہ وجہ قرار دی جاتی ہے "تاکہ مومنین کے لئے اپنے متبنےٰ بیٹوں کی عورتوں کے متعلق کوئی مشکل باقی نہ رہے"۔

انھیں ایام میں ایک اور واقعہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خانگی معاملات میں پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ بنو مصطلق کی شکست کے بعد مریسیع سے واپس ہوتے ہوئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ پیچھے رہ گئی تھیں جبکہ فوج ایک دن کے سفر کیلئے روانہ ہوئی۔ ساربان یہ سمجھکر کہ حضرت عائشہ محل میں موجود ہیں چل پڑا۔ حقیقت یہ تھی کہ آپ اپنے ہار کو جھاڑیوں میں تلاش کر رہی تھیں۔ جو گر گیا تھا۔ بدقسمت ساربان کو اس نقصان کا پتہ دن کا سفر ختم کر لینے سے پہلے نہ چل سکا۔ اور اگر لگ گیا تھا تو خوف کے مارے کہہ نہ سکتا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت عائشہ کو صفوان ابن معطل نے پریشانی کی حالت میں پایا۔ وہ اسلامی فوج کا ایک نوجوان افسر تھا۔ صفوان انھیں بحفاظت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آیا۔ چونکہ راستے میں رات گذر چکی تھی۔ اور صفوان حسن کے اعتبار سے مشہور بھی تھا۔ اسلئے بدگمانی کرنے والوں کی زبانیں کھل گئیں۔ عبداللہ ابن ابی کو حرم نبوی کی حرمت پر بٹہ

لگانے کے لئے یہ خاص موقع مل گیا۔ حضرت عائشہ سے واپسی پران کے خاوند۔ باپ اور ماں نے اچھی طرح سوال کئے۔ حضرت عائشہؓ نے واقعہ کو بالفاظ ذیل بیان کیا۔" ہر دفعہ جبکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کسی مہم پر جاتے ہیں۔ تو آپ کی بیویوں میں ہمراہ جانے کے لئے رقابت پیدا ہوجاتی ہے ہم عموماً قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا کرتی ہیں۔ اور اس دفعہ قرعہ میرے نام پر پڑا۔ میں برقعہ پہنکر محمل میں گئی۔ جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حرم کے لئے مہیا کیا گیا تھا۔ واپسی پر عین اس وقت جبکہ فوج کوچ کرنے والی تھی میں ایک ضرورت کے لئے اُتری۔ جب فوج گذر گئی تو میں محمل میں سوار ہونے کے لئے گئی۔ لیکن اسوقت میں نے دیکھا کہ میرا ہار گر گیا ہے۔ اسلئے میں جلدی سے اسے تلاش کرنے کے لئے واپس گئی۔ جس وقت میں اپنا زیور تلاش کر رہی تھی سپاہیوں نے محمل کو اونٹ پر لاد دیا۔ اور لے کر چلتے بنے۔ انھیں محمل کے ہلکا ہونے کا شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ ہم سفر میں اپنے ہمراہ بہت کم اشیاء لے جاتی ہیں۔ اور میں سبک باری میں مشہور ہوں۔ میں ہار کی تلاش میں کامیاب ہوگئی۔ اور خوشی خوشی محمل میں اپنی جگہ لینے کے لئے واپس آئی۔ لیکن یہ دیکھکر مایوس ہوئی۔ کہ محمل اور اونٹ جا چکے تھے۔ میں نے آوازیں دیں۔ لیکن کوئی جوب نہ ملا۔ میں نے چیخ چیخ کر ہوا کو مضطرب کر دیا۔ لیکن کسی نے میری آواز نہ سُنی۔ مجھے توقع تھی۔ کہ میری عدم موجودگی کا جلد علم ہوجائے گا۔ اور میرا اونٹ مجھے واپس لانے کے لئے بھیجا جائیگا لیکن کوئی شخص واپس نہ آیا۔ پکارنے اور انتظار کرنے سے تھک کر میں بیٹھ گئی۔ اور مجھے نیند آگئی۔ صفوان نے جو عقبی دستہ کا افسر تھا۔ اور وہاں سے گذر رہا تھا۔ مجھے بے نقاب دیکھکر پہچان لیا۔ جب تک میں سوتی رہی وہ

منتظر رہا۔ جب میں جاگی تو اس نے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ ہمارے درمیان اس سے زیادہ کوئی گفتگو نہیں ہوئی میں نے فوراً اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ اور اونٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے اٹھنے میں میری مدد کی۔ صفوان اونٹ کی مہار پکڑے چلتا گیا۔ حتےٰ کہ ہم فوج کے ساتھ آملے۔"

حضرت عائشہ کا بیان قابل تسلیم تھا۔ اور انکے انداز میں کوئی بات مشتبہ معلوم نہ ہوئی تھی۔ یہ یقیناً ایک ناگوار حادثہ تھا۔ جو ہر جگہ ہر شخص کو پیش آسکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس کیا کہ وہ درست کہہ رہی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ صفوان کو جانتے تھے کہ وہ معزز اور دیانت دار آدمی ہے۔ چنانچہ آپ کو یقین ہوگیا۔ کہ اس نے ایک سپاہی اور دوست کے فرائض سے تجاوز نہیں کیا۔ بہر حال حضرت عائشہؓ کے متعلق تمام ممکن شکوک رفع کر دیئے۔

اس واقعہ کا ایک ناخوشگوار نتیجہ یہ ہے۔ کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ حضرت عائشہؓ محسوس کرتی ہیں کہ اس معاملہ میں اتنی سخت تفتیش حضرت علیؓ کے اکسانے سے کی گئی۔ شاید حضرت علیؓ نے اس معاملہ میں جو براہ راست ان سے متعلق نہ تھا۔ بہت موشگافی سے کام لیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جس قدر تحقیقات پر مطمئن ہوجاتے۔ اس سے زیادہ تحقیقات پر اصرار کیا۔ حضرت عائشہ۔ حضرت علی کے شبہات اور عبداللہ ابن ابی کی تہمتوں کو یکساں درجہ دیتی ہیں۔

حضرت عائشہ کے دل میں حضرت علی کی عزت کبھی اس قدر کم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ اب انکے متعلق اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش

نہیں کرتیں۔

لیکن کوئی چیز حضرت علیؓ کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ اور نہ اس عقیدت کو کم کرسکتی ہے جو حضرت علیؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزیز بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ازدواجی تعلقات کی وجہ سے اپنے محبوب رہنما سے مضبوط رشتہ اتحاد کے ساتھ وابستہ رکھتی ہے۔

(۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تیاریوں سے بے خبر نہیں جو مدینہ پر تیسری چڑھائی کے لئے کی جارہی ہیں۔ آپ کو یہودیوں کی سازشوں اور ان نئے حلیفوں کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں جو آپ کی مخالفت میں قریش سے متحد ہوگئے ہیں۔ ہم پہلے کئی مواقع پر دیکھ چکے ہیں کہ وقت آنے پر نبی کریم صلعم صاحب عزم۔ تجربکار قائد افواج اور باہمت انسان بن جاتے ہیں۔ اب آپ غور کے ساتھ صورت حالات کا جائزہ لے رہے ہیں اور مناسب وقت میں اپنی مدافعت کی تیاری کرلیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک ایسے لشکر کے مقابلے میں جو آدمیوں اور اسلحہ کے لحاظ سے بہت افضل ہے۔ تمام علاقوں کی محافظت کرنا بے سود ہے۔ اسلئے آپ صرف مدینہ کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور شہر کی دیواروں کے اندر قلعہ بندی کا کام شروع کردیتے ہیں۔ خوش قسمتی سے آپکو سلمان فارسی کی خدمات حاصل ہیں۔ جو کبھی ایران کے گورنر تھے۔ سلمان فارسی جنگ کے جدید طریقوں سے واقف ہیں۔ انھوں نے شہر کے گرد ایک عمیق خندق

کھودنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ عربوں کے فنِ حرب میں ایک نئی چیز ہے تمام مدینے والے باہر نکل آتے ہیں۔ اور سلمان فارسی کی ہدایات کے مطابق کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہر طرف بیلچہ چلتا نظر آتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی ہمت بڑھانے والی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بیلچہ چلا کر مثال قائم کرتے ہیں۔ زمین سخت اور پتھریلی ہے۔ لیکن کوئی چیز آپ کا حوصلہ پست نہیں کر سکتی۔ جہاں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے آپ وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود فطرت ان کی مطیع ہو گئی ہے۔ کام کی تمام مشکلات یکے بعد دیگرے ختم ہو جاتی ہیں اس طرح خندق وسیع اور عمیق تر ہوتی جاتی ہے۔ یہ آپ ہی کا جوش ہے۔ جو جادو اثر۔ سرشار کن اور معجز نما ثابت ہوتا ہے۔

آخر کار اہلِ مکہ کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے سب چیزیں تیار ہو جاتی ہیں۔ یعنی خندق۔ اسلحہ اور طویل محاصرہ کے لئے سامان رسد۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اب آرام سے بیٹھ کر اعتماد کے ساتھ ابوسفیان کی انتظار کر سکتے ہیں۔ بہر حال آپ کو زیادہ دیر تک منتظر نہیں رہنا پڑتا قریب تر ہوتے ہوئے لشکر کے غبار کے بادلوں سے افق سیاہ ہو جاتا ہے بعض لوگ حملہ آوروں کی تعداد دس ہزار بتاتے ہیں۔ بعض کو یقین ہے کہ بیس ہزار سے ایک آدمی بھی کم نہیں۔ جلد ہی منظر کے دوسرے حصوں پر بھی بڑھتی ہوئی افواج کی قطاروں کے نشان نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک طرف سے بنو غطفان اور بنو غنیمہ کی افواج آتی ہیں۔ انکے پیچھے کعب بن اسد کی سرکردگی میں دوسرے یہودی آتے ہیں۔ مدینہ کے اردگرد کی زمین دشمن کے خیموں سے ہٹ جاتی ہے۔ جن کی صیقل کی ہوئی ڈھالوں اور

برچھیوں پر آفتاب عکس ڈال کر آتشیں زبانوں کا منظر پیش کرتا ہے۔ زمین تلواروں اور برچھیوں کا ایک گھنا جنگل معلوم ہوتی ہے۔ ہوا میں آوازیں بادل کی پُرجوش گرج کی طرح سُنائی دیتی ہیں۔ مدینہ پر بہت اثر چھا گیا ہے۔ شہر میں سناٹا ہے۔

"وہ تم پر اوپر اور نیچے سے چڑھ آتے ہیں۔ آنکھیں اداس ہو جاتی ہیں کلیجے منہ کو آتے ہیں۔ اور تم اللہ کے متعلق مخالفانہ خیال کرنے لگتے ہو۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض معتقدین آپ سے اشارتاً کہتے ہیں کہ بھاگ جانا چاہیئے۔ متحد لشکر اس قدر بڑا ہے کہ عربوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ کبھی مجمع نہیں ہوا۔ محاصرین انکے مقابلہ میں کم سامان۔ کم تعداد۔ کم تجربہ رکھتے ہیں۔ گرد و نواح کے یہودی بنو قریظہ اس وقت عملی حمایت سے یا کم از کم غیر جانبداری اختیار کرکے گراں بہا مدد دے سکتے ہیں۔ لیکن وہ احزاب[1] سے ملنے کے لئے تمام معاہدے اور پیمان توڑ دیتے ہیں۔ نبی کریم سعد بن معاذ اور سعد ابن عبادہ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ قبیلۂ مذکور سے گفت و شنید کرکے انھیں مدینہ کے ساتھ معاہدہ قائم رکھنے کے لئے کہیں۔ قریظہ کی طرف سے جواب ملتا ہے: "تمہارا محمدؐ اور تمہارا رسول کون ہے کہ ہم اسکی متابعت کریں۔ چلے جاؤ۔ ہمارے تمھارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں"۔

جب یہودیوں کا طرزِ عمل معلوم ہو جاتا ہے۔ تو مسلم کیمپ پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ دغابازی؟ ہاں دغابازی! ناشکر گذاری؟ ہاں ناشکر گذاری!

---

[1] ۔ متحد فوجوں کو احزاب ہی کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس جنگ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں اور غزوۂ احزاب بھی۔ مترجم

لیکن کبھی پہلے بھی ایسا ہوا تھا ؟

دریں اثنا اس فریب کاری اور مسلمانوں کی دہشت زدگی کے درمیان اسلام کا سب سے بڑا سپاہی اور قائدِ اعظم اعلےٰ جوان مردی کی مثال قائم کرتا ہے اسکے ابرو پر غیر مضطرب سکون نمایاں ہے۔ وہ فیصلہ کر لیتا ہے اور حیرت انگیز تحمل کے ساتھ ہدایات دیتا ہے۔

مدینہ کی حکومت ابن ام مکتوم کے سپرد کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل جنگ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنی تین ہزار فوج کو شہر کی فصیل میں موزوں مقامات پر متعین کرتے ہیں اور انھیں ہدایت کرتے ہیں۔ کہ اگر دشمن خندق عبور کرنے کی کوشش کرے۔ تو ان سے لڑائی کریں۔ قریش اور یہودیوں کی متحد فوجیں کئی مرتبہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمان باہر نکل کر مقابلہ کریں۔ لیکن حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جنگ کی ان ترغیبوں میں نہیں آتے۔ خندق پر جو حملہ کیا جاتا ہے۔ اس سے دشمن کو ناکامی ہوتی ہے اور بہت سا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بار بار تیروں کی بارش ہوتی ہے۔ سوار حملے کرتے ہیں اور سپاہیوں کے بڑے بڑے دستے آگے بڑھتے ہیں۔ لیکن تمام سرگرمیوں کے باوجود ابوسفیان مدینہ کو ناقابل تسخیر پاتا ہے

محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک رہتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جوں جوں دن گذرتے ہیں۔ اتحادیوں کی ہمت پست ہوجاتی ہے اور محصورین کی امیدیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں۔ دشمن کی افواج میں افتراق بھی نمودار ہو گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس صورت حالات سے فائدہ اُٹھانے میں تساہل نہیں کرتے۔ آپ کئی حیثیتوں میں اپنی قابلیت ثابت کر چکے ہیں۔ اب گفت و شنید کرنے والے کی حیثیت میں اپنی قابلیت کا سکہ

بٹھا دیتے ہیں۔ قریش کا سردار افتراق کو روکنے کے لئے سرگرم کوشش کرتا ہے لیکن نا اتفاقی کا بیج اچھی طرح بویا جا چکا ہے۔

عین اس وقت عناصر قدرت بھی اہل مکہ اور انکے رفقاء کے ساتھ سازش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے سیاہ بادل آفتاب پر چھا جاتے ہیں۔ زمین پر ظلمت چھا جاتی ہے۔ اور بارش کے بڑے بڑے قطرے ڈھالوں اور خودوں پر گرنے شروع ہوتے ہیں۔ لوگ جلدی سے خیموں اور پناہ گاہوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ تند ہوا بدشگونی کے ساتھ خیموں کو پلٹ دیتی ہے موسلادھا بارش شروع ہو جاتی ہے۔ اور بے رحمی کے ساتھ کیمپ اور خندق میں پانی کا سیلاب پھیلا دیتی ہے۔ شام کو بھی فطرت کا غضب ختم نہیں ہوتا۔ سیلاب طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہولناک آندھی تمام رات جاری رہتی ہے اور بارش کے قطرے زرہوں کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ خیمے اکھڑ جاتے ہیں اور ہڈیاں تک ٹھٹھرنے لگتی ہیں۔

صبح کے وقت جب آفتاب بھورے بادلوں میں سے طلوع ہو کر دنیا کو سنہری اور عنبری رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ تو مدینہ کے سحر خیز یہ دیکھکر خوش ہو جاتے ہیں کہ قریش جنوب کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکے حلیف طوفان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ خبر صحیح ہے۔ غنیم کی فوج پسپا ہو گئی ہے۔ اور اس طرح اسلام کو تباہ کرنے کا خواب پریشان ہو جاتا ہے۔ ابوسفیان مایوس اور دل شکستہ مکہ کو واپس ہو رہا ہے کعبہ کے بت مایوسی سے سر جھکا لیتے ہیں۔

---

(۷)

اہل مدینہ کو طبعی طور پر حد سے زیادہ مسرت ہوتی ہے لیکن فتح اسوقت تک مکمل معلوم نہیں ہوتی جب تک کہ بنو قریظہ کے باغی قبیلہ کو سزا نہ دی جائے۔ قسمت اہل مدینہ کی یاوری نہ کرتی تو بنو قریظہ نے تو مدینہ دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج تھکی ماندی ہے۔ انکی خواہش ہے کہ وہ ہتھیار اتار کر گھروں میں فتح کی خوشی منائیں۔ لیکن ابھی اس کو چند روز تک ملتوی کرنا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ بنو قریظہ سے انکے طرزِ عمل کے متعلق جواب طلبی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ مسلم فوج یہودیوں کے قلعہ کے گرد محاصرہ کر لیتی ہے۔ جنگ زیادہ دیر تک نہیں کرنی پڑتی۔ ۲۵ روز کے قلیل عرصہ میں تمام قبیلہ نے جو سات سو مردوں اور اُسی قدر عورتوں اور بچوں پر مشتمل تھا اطاعت قبول کر لی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں سزا کس طرح دی جائے۔ شاید بنو قریظہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ انکے معاملہ میں پہلے واقعات کی طرح پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا دل نرمی کی طرف مائل ہو جائے گا۔ اور انھیں مدینہ کا علاقہ چھوڑ کر چلے جانے کے لئے کہا جائے گا۔ شاید اگر معاملہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔ تو آپ ان سے نرمی کا سلوک کرتے۔ اور انھیں نکال دیتے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے سرداروں کا پختہ ارادہ ہے کہ بنو قریظہ سے انکی غداری کی پوری قیمت وصول کی جائے بحث کے دوران میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ معاملہ جانبین کے ایک دوست کے سپرد کیا جائے۔ یہودی اس خیال کو پسند کرتے ہیں۔ اور سعد بن معاذ

کو ثالث نامزد کیا جاتا ہے جنھیں مسلمان بھی قبول کر لیتے ہیں۔ یہودیوں کو بھروسہ ہے کہ ثالث انکے حق میں فیصلہ کرے گا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ نہیں جانتے کہ سعد یہودیوں کو جنگ کا اصلی سبب اور غدار سمجھتے ہیں اور خود اس محاصرہ میں زخمی ہو چکے ہیں۔

سعد کو بمشکل اس مجلس میں لایا جاتا ہے۔ اور انھیں قضیہ سمجھایا جاتا ہے۔ بنو قریظہ ان سے ہمدردی اور احسان کی درخواست کرتے ہیں اور ان کو دوستانہ تعلقات یاد دلاتے ہیں جو ان قبائل اور ان کے باپ کے درمیان تھے۔ تمام مجلس کی آنکھیں سعد پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کیا فیصلہ صادر کرینگے۔

سعد جچی تلی آواز میں فیصلہ صادر کرتے ہیں "یہودیوں کی کتاب میں لکھا ہے کہ جب خدا دشمن کو تیرے ہاتھ میں دے دے تو تجھے اسکے مردوں کو تلوار کی دھار سے قتل کر دینا چاہیے۔ لیکن عورتیں۔ بچے۔ مویشی اور جو کچھ شہر میں ہے۔ حتیٰ کہ اس کا تمام مال و اسباب تو اپنے قبضہ میں کر لے اور مالِ غنیمت کو کھائے، کیونکہ اللہ نے وہ تجھے دیا ہے"۔ "بنو قریظہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونا چاہیے جو ان کی اپنی کتاب کی رو سے جائز ہے۔ تمام مردوں کو شمشیر سے قتل کر دینا چاہیئے۔ ہر عورت اور بچے کو قبضہ میں کر لینا چاہیئے اس طرح تم اپنے قیدیوں کا تمام مال و اسباب لے لو"

مجلس پر خاموشی طاری ہو جاتی ہے اسکے بعد عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری سے کہرام مچ جاتا ہے۔

جب شام ہوتی ہے تو سات سو قبریں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہی سو سو کی سات قطاروں میں کھود دی جاتی ہیں۔ تمام مدینہ غداروں کا

خاتمہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آتا ہے۔ مجمع میں یہودی۔ نصرانی اور صحابی ہیں۔ جو اپنے اپنے نتیجے نکال رہے ہے۔ شہر کے رؤسا اور نواحی قبائل کے سردار بھی موجود ہیں۔ ایک ایک قیدی کو اس قبر کے کنارے پر لایا جاتا ہے جس میں اسے لیٹنا ہے۔ وہ جدوجہد کرتا ہے۔ رحم کی درخواست کرتا ہے۔ لیکن مضبوط ہاتھ اسے قابو میں رکھتے ہیں۔ ایک تیز خنجر چمکتا ہے ایک چیخ بلند ہوتی ہے۔ ایک خون کا فوارہ نکلتا ہے۔ اور ایک سر لڑھک کر گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اسکے بعد دوسرا پھر تیسرا غرض اسی طرح یہودیوں کی غداری کی سزا یہودی طریق کے مطابق دی جاتی ہے ؛



چھٹا باب

فاتح

احزاب یا جنگ خندق کی فتح نے اِسلام کا وقار قایم کر دیا ہے۔ اور اس کے پیغمبرؐ کی شہرت میں اضافہ کر دیا ہے۔ عرلبتان کے ہر حصہ سے لوگ جوق در جوق اُس شخص کی زیارت کے لئے آتے ہیں جو اپنے اندر زاہدوں کا سا تقویٰ۔ عام آدمیوں کی سی ضروریات سکندر کی سی کشور کشائی میرو کی سی فصاحت۔ مسیح کی سی شفقت اور قیصر کی سی حاکمیت رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان ہے جو زمانۂ امن میں دین خدا کا واعظ مہربان۔ ایک روشن خیال حاکم۔ ایک معقول منصف اور ہمدرد حکمران ہے۔ اور جنگ میں ماہرِ فن سپہ سالار اور ثابت قدم شخص جسے کوئی چیز پریشان نہیں کر سکتی۔ حقیقی طور پر معقول اور عملی کام کرنے والا ہے وہ آدمی جس کے اقوال و افعال زندگی مساوی ہیں۔ جس کا مذہب زندہ انسانوں کے لئے ہے نہ کہ فرشتوں کے لئے۔ جس کا خدا مہربان اور رحیم ہے۔ وہ شخص جس کی زندگی اس کے معتقدین کے لئے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ جب وہ کوئی فیصلہ کرتا ہے تو کھلی مجلس میں کرتا ہے۔ اس کے سینے میں کوئی پوشیدہ خواہش موجود نہیں۔ اس کے پیرو۔ اس کے معتمدین۔ رفقائے کار

اور دوست ہیں جب وہ ان سے کوئی کام کرانا چاہتا ہے تو پہلے خود مثال قائم کرتا ہے۔ خواہ وہ عورتوں۔ ہمسایہ قبائل یا دشمن کے متعلق ہو۔ وہ نماز پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں سے نماز پڑھوانا چاہتا ہے۔ وہ روزے رکھتا ہے کیونکہ وہ لوگوں سے روزے رکھوانا چاہتا ہے۔ خیرات دیتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو مخیر بنانا چاہتا ہے وہ غلاموں کو آزادی دیتا ہے تاکہ اُس کے پیرو بھی ایسا ہی کریں وہ شادی کرتا ہے اور اولاد پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اسے تخلیق کی غرض ضروری خیال کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کام کر کے مزدوری کا وقار قائم کرتا ہے یہ ہے محمدؐ۔ انسان! محمدؐ رسول اللہ۔ اور محمدؐ فاتح۔ لہٰذا قرآن کریم کا یہ ارشاد تعجب خیز نہیں "تحقیق تم رسول اللہ کی شکل میں ایک اعلیٰ مثال رکھتے ہو" یہ تصدیق کسی مبالغہ پر مبنی نہیں۔ وہ ایک شاندار مثال ہے اور ایک پسندیدہ نمونہ

——— معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اعلیٰ چیزوں کے لئے زندہ ہے زمین کو خوش گوار بنانا چاہتی ہے۔ عظیم الشان آدمیوں پر ایمان لانا طبعی امر ہے۔ لوگ اپنے بچوں اور اپنے کوچوں کو ان کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ ہم ان کی یادگاریں اور ان کے مجسمے گھروں میں رکھتے ہیں۔ اور روزمرہ کے واقعات ان کی عظمت کی یاد دلاتے ہیں۔ ان سے یہ انتساب نسل کی نشو و نما کا باعث ہو جاتا ہے۔ اس بات کا علم کہ شہر میں نمایاں اوصاف رکھنے والا ایک شخص رہتا ہے۔ اہل شہر کے فخر کو زیادہ کرتا ہے۔ اگر ہمارے بچپن کے رفقا بڑے ہو کر ہیرو بن جائیں۔ اور ان کی حالت پرشوکت ہو جائے تو ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جوانی کا خواب جستجوئے عظمت اور مردانگی کی اعلیٰ ترین حیثیت کی تلاش ہے۔

—— حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے بڑے آدمی ہیں جو شخص کسی زمانہ میں خواب دیکھنے والے۔ مہاجر اور واعظ تھے وہ اب دینی اور دنیوی بادشاہ ہیں وہ مجلس کے مرکز۔ لوگوں کے ہدف نظر اور پیر و جوان کے ہیرو ہیں۔ لوگ ملک کے تمام حصوں سے اُن کا وعظ سننے کے لئے آتے ہیں اور اُن کے دامِ فصاحت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

—— مدینہ آپ پر فخر کرتا ہے۔ آپ کو پالینے پر نازاں ہے۔ اور اس امر کو اپنی فتح مندی خیال کرتا ہے کہ آپ کی بلند اقبال کے متعلق اس کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ چھ سال کے واقعات۔ آپ کے عہد حکومت کے حالات اور آپ کی شخصیت نے مل جل کر ایک مرّوبی حکمران بنا دیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کی خوبیاں نمایاں کی ہیں۔ اور اس کی سرگرمیوں کے لئے مواقع پیدا کئے ہیں۔ مکّہ میں بھی آپ کے لئے احترام کا احساس پایا جاتا ہے بعض لوگ آپ کی داستان سن کر خوش ہوتے ہیں اور اُن میں جزوی طور پر اپنی تاریخ پاتے ہیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تارک الدنیا ولیؔ نہیں ہیں۔ عام آدمیوں کو آپ میں عام شہری انسانوں کی خوبیاں اور صفات نظر آتی ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جائداد کے لحاظ سے تموّل و امارت کے مدّعی نہیں۔ آپ عام آدمیوں کی سی عادت رکھتے ہیں۔ فتح نے انہیں نیم خدا نہیں بنا دیا۔ آپ میں وہ تمام باتیں ہیں جو عام انسانوں میں موجود ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا اس راستبازی سے ہوتی ہے جس سے آپ اکثر اوقات۔ خیال و عقیدہ۔ مقاصد و خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔ اہل عرب اب آپ کو

ے ولی سے مراد عیسائیوں کے ولی جنہوں نے ترک دنیا کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ رکھا تھا (مترجم)

ایک شاندار فتح اور حیرت آفریں عظمت کا علم بردار سمجھتے ہیں۔

فتح احزاب کے بعد چھوٹی چھوٹی مخالف جماعتوں کی تسخیر مقابلتہً آسان ہے، آہستہ آہستہ اسلام کی حکومت ہر طرف پھیلنے لگتی ہے۔ اس کی کوئی بڑی مخالفت نہیں کی جاتی۔ چھٹے سال ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن سلام کی سرکردگی میں رسالہ کا ایک دستہ بنو بکر کے خلاف بھیجتے ہیں۔ وہ رات کو سفر اور دن کو قیام کرتے دشمنوں پر بےخبری کے عالم میں جا پڑتے اور انہیں منتشر کر دیتے ہیں۔ چند روز کے بعد وہ پچاس اونٹ اور تین ہزار بھیڑیں بطور مال غنیمت لئے ہوئے مدینہ واپس آتے ہیں اور بنو بکر کے سردار کو نبی کریم صلعم کی خدمت میں تحفتہً پیش کرتے ہیں لیکن آپ انتقام نہیں چاہتے ہیں۔ ایذا رسانی سے آپ کو مسرت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس آپ رحم کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ آپ اپنے قیدی کی کہن سالی اور اس کی عزت اور مرتبہ کے لئے اس کا احترام کرتے ہیں۔ ثمامہ بےحد متاثر ہوتا ہے وہ اپنے ضمیر کو اسلام کے حوالے کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متحد ہونے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اسے اپنے قبیلہ کی سرداری واپس دے دی جاتی ہے جب وہ اپنے قبیلہ کے اندر علم اسلام بلند کرنے کے لئے جاتا ہے تو وہ ایک نئے مسلمان کی سی سرگرمی ظاہر کرنے میں کمی نہیں کرتا۔

اسلام نے پھر ایک دفعہ اپنا معجزہ دکھایا ہے۔ یعنی ثمامہ قبیلہ ایک ہی رات میں دشمن سے دوست بن گیا۔ ثمامہ قریش کا ایسا ہی دشمن بن جاتا ہے جیسا کہ چند روز قبل مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اس کا علاقہ ان کاروانی سڑکوں کی حد بندی کرتا تھا جو شمال سے مکہ کی طرف جاتی ہیں وہ ان راستوں کو بند کر دیتا ہے اور مکہ کی طاقت کو بے حقیقت بنا دیتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد قحط

کے دنوں میں اہل مکہ کا سامان رسد کم ہو جاتا ہے ثمامہ ان کے وعدوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ آخر مکہ والے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ شیخ بنو بکر سے ہماری سفارش کریں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ان کی تکالیف پر موم ہو جاتا ہے اور آپ ثمامہ کو صرف دو فقرے لکھ بھیجتے ہیں "میری قوم کو بچاؤ" ۔ ان کے قافلے گذرنے دو"۔ ثمامہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ جس سے اہل مکہ گرسنگی سے بچ جاتے ہیں۔

——— بعض لوگوں کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی اور عطا و بخشش تقریباً ایک نسوانی صفت معلوم ہوتی ہے۔ عفو اور بخشش کے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں جو آپ کے اپنے لوگوں یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کے طرز عمل سے بالکل مختلف ہیں جب کوئی جنگی مہم روانہ ہوتی ہے تو اس کے افسر کو حضور کی طرف سے واضح ہدایت دی جاتی ہیں کہ غیر جنگجو لوگوں۔ خانہ داروں۔ عورتوں۔ بچوں اور بیماروں سے تعرض نہ کرو۔ آپ کے افسروں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ "تم کسی حالت میں فریب اور بد دیانتی سے کام نہ لو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو"۔ لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ اسرائیلیوں کے حکم سے کرتے ہیں "اب جاؤ۔ اور املاک کو ہلاک کر دو۔ اور ان کی تمام چیزوں کو تباہ کر دو۔ مردوں۔ اور عورتوں۔ بچوں اور شیر خواروں۔ بیلوں اور بھیڑوں۔ اونٹوں۔ اور گدھوں تمام کو ہلاک کر دو۔

——— لیکن واقع یہ ہے کہ ایسے مکمل مرد سے بلاشبہ نرم مزاجی کی توقع کی جاتی ہے۔ جو لگاتار اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ خدا کا راستہ یتیموں کی مدد کرنے محتاجوں کو خیرات دینے اور غلاموں کا جزیہ

ادا کرنے سے ملتا ہے۔ اس کی ہمدردی اور شفقت تنگ حدود میں محدود نہیں۔ اور نہ صرف اپنے ہی آدمیوں تک ہے۔ اُس کی ہمدردی اور شفقت تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔ طیور و وحوش بھی اس کے رحم سے حصہ لیتے ہیں۔ اُس نے لوگوں سے کہا ہے" خدا سے ڈرو۔ حیوانوں کے متعلق یہ ہے کہ جو سواری کے قابل ہیں ان پر سواری کرو۔ اور جب وہ تھک جائیں تو اتر جاؤ۔ دنیا میں کوئی حیوان اور پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری طرح خدا کی مخلوق نہ ہو۔ اور وہ اللہ کی طرف مراجعت کریں گے۔"

(۲)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وفادار پیروؤں کو مکہ چھوڑے تقریباً چھ سال گذر چکے ہیں وہ کعبہ کے مقدس معبد کو دیکھنے کے منتظر ہیں۔ مدینہ میں امن ہے۔ نواحی قبائل سر دست کسی نئی سازش میں مشغول نہیں حج کا مہینہ قریب آ رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کی یہ خواہش پوری کرنے کے متوقع ہیں۔ اسی وقت وحی نازل ہوتی ہے۔" تم معبد مکہ کے اندر انشاء اللہ حفاظت اور بے خوفی کے ساتھ داخل ہو گے خدا جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ وہ تمہارے لئے ایک بڑی فتح تیار کر رہا ہے۔"

——— اس وحی پر عام مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور اسے اس امر کی پیش گوئی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام کی ایک نئی فتح ہونے والی ہے۔ وحی کی خبر مدینہ سے مکہ تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان انبساط کی تیاریاں ہونے لگی

ہیں۔ بلکہ تقریباً تمام شہر حج کو جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اہل مکہ اس خبر کو خوف اور وحشت کے ساتھ سنتے ہیں۔ کیا یہ حج کے پردے میں چڑھائی ہے؟ حج کے مقدس مہینہ میں لڑائی ممنوع ہے۔ لیکن انہیں حضور محمد مصطفےٰ صلعم کے متعلق یقین نہیں۔ قریش کو حقیقی خطرہ لاحق ہے نبی کریم صلعم بہر حال دھاوے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ انتقام بھی اسی طرح آپ کے دل سے بہت دور ہے۔ آپ صرف اپنے محبوب مکہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو آپ کی جائے پیدائش۔ اور جہاں کئی ایسے واقعات گذر چکے ہیں۔ جو آپ کے لئے عزیز ہیں۔ آپ جبل صفا و عرفات میں چکر لگانا چاہتے ہیں۔ اور کعبہ کے متبرک پتھر کے کونہ پر بوسہ دینا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے فتح عظیم کی کفالت کی ہے۔ اب آپ معبدِ ابراہیم کی چار دیواری کے اندر سے محسن مطلق کا شکریہ ادا کرنے کی آرزو رکھتے ہیں۔

——— آپ اپنے پیروؤں کے ساتھ اہل مکہ کے شبہات کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ اور ان سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ آخر کار فیصلہ ہوتا ہے کہ اس سال محدود تعداد حج کے لئے جائے۔ لہٰذا صرف دو ہزار زائرین قربانی کے مواشی کے ساتھ مقدس شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

——— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو سادہ تلوار کے سوائے جس کی حج کے دوران میں اجازت ہے کوئی ہتھیار نہیں پہنتے۔ لیکن مسلمانوں کے باقاعدہ مسلح نہ ہونے اور جلوس کی نمایاں مذہبی حیثیت نے قریش پر کوئی اثر نہ کیا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ حج کے بہانہ سے مکہ کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے

روکنے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کو یقین ہے کہ قریش مسلمانوں کے غیر مسلح ہونے سے فایدہ اُٹھا کر حملہ نہیں کریں گے۔ مکہ سے کچھ فاصلہ پر بمقام حدیبیہ قریش کے سفیروں کا انتظار کرتے ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کا پہلا قاصد ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کے اس عہد سے مطلع کرتا ہے کہ مسلمانوں کو سوائے اس کے کہ وہ تلوار کے زور سے ایسا کریں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نبی کریم اسے مسلمانوں کے مقصد کی پرامن نوعیت بتا کر حج مکمل کرنے کی اجازت پر زور دیتے ہیں

——— کئی روز تک ناکام گفت وشنید ہوتی رہتی ہے۔ جب کہ بالآخر قریش کا سردار اپنے لوگوں کو بتانے کے لئے واپس جاتا ہے کہ اس نے کیا دیکھا اور کیا سنا۔

——— اُس نے کہا "میں اس عزت پر حیران رہ گیا جو مسلمانوں کے دل میں محمدؐ کے لئے ہے۔ ان کی معمولی ضروریات کی طرف اس طرح توجہ دی جاتی ہے کہ جیسے وہ مقدس فرائض ہیں وہ اپنے معتقدین کے درمیان خدا کی طرح بیٹھتے ہیں۔ میں شہنشاہوں کے درباروں میں رہا ہوں۔ میں نے خسرو کو اُس کے عروج کے زمانہ میں دیکھا ہے۔ میں نے ہرقل کو حشم قیصری میں گھرا ہوا ملاحظہ کیا ہے۔ لیکن میں نے کبھی کسی بادشاہ کی اتنی عزت نہیں دیکھی۔ جتنی مسلمان محمدؐ کی کرتے ہیں"

——— اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری ہے کہ آپ قاصد بھیجیں۔ حضرت عثمانؓ اس فرض کو ہشیاری اور خبرداری سے بجا لاتے ہیں، لیکن ان کی تجاویز مسترد کر دی جاتی ہیں، قریش واضح کرتے

ہیں " عثمان تم شخصی طور پر حج کی متبرک رسمیں ادا کر سکتے ہو۔ تمہیں معبد کا طواف کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن ہم محمدؐ کو اجازت نہیں دیں گے "

—— حضرت عثمانؓ اس تجویز سے غصہ میں آجاتے ہیں۔ اور قریش سے کہتے ہیں۔ " خدا مجھ سے خوش نہ ہو۔ اگر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنا مقصد پورا کروں "

حضرت عثمانؓ کا جواب قریش میں بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ انہیں فوراً گرفتار کر لیتے ہیں۔ اس اہانت کی خبر لعجلت جانبین میں مخالفت پیدا کر دیتی ہے۔ چونکہ قریش کا یہ فعل بین الاقوامی رواداری کے منافی ہے۔ اسلامی کیمپ میں جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور وہ ایک بڑے درخت کے سایہ میں جمع ہو کر حلف اٹھاتے ہیں کہ اپنے قبیلہ کی حرمت کے لئے جسے قریش نے بلا وجہ خفیف کیا ہے اس وقت تک جنگ کریں گے۔ جب تک کہ ایک آدمی بھی باقی ہے۔

—— قریش جنگ کو بے ثمر سمجھتے ہیں۔ جس کے نتیجہ کے متعلق انہیں زیادہ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا جاتا ہے اور سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پھر سے گفت و شنید کرتا ہے۔ بالآخر شرائط پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور معاہدہ تحریر کرنے کے لئے کہا جاتا ہے

—— حضرت علیؓ محرر کے فرائض انجام دیتے ہیں اور عہد نامہ کو ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " سہیل کہتا ہے کہ اسے یہ خاص اسلامی الفاظ لکھانا منظور نہیں۔ عہد نامہ

ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے " باسمک اللھم"، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں بہت اچھا" حضرت علی عہدنامہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ جب نبی کریمؐ یہ عبارت لکھواتے ہیں کہ " یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش کے درمیان کیا جاتا ہے" تو پھر اعتراض ہو جاتا ہے۔ سہیل حجت پیش کرتا ہے کہ " اگر ہم تمہیں رسول اللہ تسلیم کرلیں تو تمہارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے اپنا نام اور ولدیت تحریر کراؤ"

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ کو معمولی خیال کر کے فرماتے ہیں " بہت اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی" ۔ اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرکے ارشاد کرتے ہیں " لکھئے ذیل میں وہ شرائط صلح درج کی جاتی ہیں۔ جو محمدؐ ابن عبداللہ اور سہیل ابن عمر کے مابین طے پائیں" اس کے بعد شرائط درج کی جاتی ہیں:۔

—— اول مسلمانوں اور قریش کے درمیان نیز ان قبائل کے ساتھ جو فریقین کے حلیف ہیں۔ دس سال تک صلح رہے گی جس پر تمام متعلقہ جماعتیں وفاداری کے ساتھ قائم رہیں گی۔ دوم وہ عرب قبائل جو موجودہ وقت میں کسی سے متحد نہیں آزاد ہیں کہ جس جماعت سے چاہیں مل جائیں۔ سوم۔ حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرو فوراً مکہ کی حدود سے نکل جائیں گے۔ چہارم۔ اگلے سال مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ پنجم جب مسلم زائرین مکہ میں داخل ہوں تو تلوار نیام میں ہو اور کوئی ہتھیار نہ لگائیں۔ ششم۔ مسلمان صرف تین روز تک مکہ کے اندر ٹھہر سکیں گے اور ان ایام میں وہ نہ کسی اہل مکہ کو شہر چھوڑنے کی ترغیب دیں گے نہ زور ڈالیں گے"

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدین خصوصاً حضرت عمرؓ جنہوں نے مدینہ والی وحی کی تفسیر کی تھی کہ قریش پر ایک فتح حاصل ہونے والی ہے ۔ صورت حالات کے بدل جانے پر اپنی مایوسیوں کو پوشیدہ نہیں رکھتے ۔ بلکہ بعض تو یہاں تک کہ جاتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے ایک فتح تیار کی ہے ۔ لیکن نبی کریمؐ نے اسے ضایع کر دیا ہے ۔ بے سلیقہ اشخاص اس سے بھی زیادہ پر جوش طریقے پر اظہار جذبات کرتے ہیں ۔

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے سود کہتے ہیں کہ وہ واپسی سے پہلے قربانی کرلیں ۔ آپ کے گرد و پیش جو لوگ ہیں اُن کی خاموشی ان کے جذبات کی منظہر ہے ۔ اس لئے آپ دوبارہ نہیں کہتے ۔ آپ وضو کرتے ہیں سر کے بال منڈواتے ہیں اور ہاتھ میں چھری لے کر اُن اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں جو آپ قربانی کی غرض سے لائے ہیں ۔ اب کسی کو مجال انکار نہیں رہتی ۔ اور آپ کے پیرو شرمسار ہو جاتے ہیں ۔ کہ انہوں نے آپ پر شبہ کیوں کیا ۔ زمین قربانی کے خون سے سرخ ہو جاتی ہے ۔ مسلمانوں کے دلوں پر ہمت و گرمجوشی پھر سے چھا جاتی ہے ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتقدین کے ساتھ مدینہ کو واپس ہو جاتے ہیں ۔ مو فر اللہ کر مایوس نہیں کیونکہ وہ اب اپنی غلطی جان چکے ہیں اور مکہ میں ظفرمندانہ داخلہ کا وعدہ بلاشبہ ہو چکا ہے ۔ لیکن کلام الٰہی میں خاص طور پر اس موقع کے لئے اشارہ نہیں کیا گیا تھا ۔ صلح حدیبیہ نے آئیندہ سال کے لئے موقع متعین کر دیا ہے ۔ جو نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

[1] فتح

[1] سچ یہ ہے کہ اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے آنحضرت صلعم نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ نے اصحاب کے ساتھ حج کیا ۔ اور خانہ کعبہ کی کلید اپنے قبضہ میں لی ۔ قرآن کریم کی جن آیات میں فتح کا ذکر آیا ہے وہ حدیبیہ سے لوٹتے وقت نازل ہوئیں اور وہ یہ ہیں ۔ ہم نے تمہیں فتح مبین عطا کی تا کہ تمہارے پچھلے گناہوں کو خدا معاف کر دے اور تمہارے اوپر اپنی نعمتیں تمام کر دے ۔ اور تم کو ہدایت کا میاب راستہ دکھائے اور تمہاری زبردست امداد کرے (مترجم)

کی کافی تصدیق ثابت ہو گا۔ آج تک کوئی ایسا موقع پیش نہیں آیا۔ جب کہ قرآن کریم کے وعدے اور پیش گوئیاں پوری نہ ہوئی ہوں۔ پھر اب وہ اللہ پر کیوں شبہ کریں۔؟

(۴)

—— اس اعلیٰ سلوک کے باوجود جو بنی قریظہ کے ساتھ کیا گیا یہودی قبائل میں منصوبہ بازی ابھی تک جاری ہے یہ ظاہر ہے کہ یہودی کبھی مسلمان نہ ہوں گے۔ اور نہ بطور حلیف ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تک متعدد مضبوط قلعے ان کے قبضے میں ہیں۔ ان کا طرز عمل توہین آمیز اور فریب کارانہ ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محسوس کرتے ہیں کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے ان کے خلاف جنگ ضروری ہے۔ اگر یہودی نہ ہم مذہب بننا چاہیں نہ دوست تو انہیں غلام بننا چاہیئے۔

—— حضور علیہ الصلواۃ والسلام اب اس معمولی گروہ کے سردار نہیں جس نے بدر کے مقام پر جنگ کی یا اس غیر منظم فوج کے قائد نہیں جو احد کے مقام پر منتشر ہوگئی۔ اب آپ ایک ایسی فوج کے قائد ہیں جو کثیر التعداد۔ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ اور سامان حرب سے آراستہ ہے۔ آپ نے ایک رومی افسر کی طرح اپنی فوج کے اندر فنونِ حربیہ کے سبق داخل کر دیئے ہیں مثلاً حملہ کرنا۔ پسپا ہونا۔ استعمال اسلحہ۔ میدان پر چھا جانا وغیرہ۔ آپ نے ان پر جو جفاکشی روا رکھی ہے۔ اُسے مساوی طور پر اپنے اوپر بھی برداشت کیا ہے ان کی محنت۔ خوراک۔ خواب تمام چیزیں ایک نظام کے ماتحت تعین کی گئی ہیں۔ اور دشمن کی تحقیر کے بعد انہیں اپنے مقصد۔ اپنی بہادری اور اپنے قائد کی فراست پر مکمل اعتماد رکھنا سکھایا گیا ہے۔ ان ذرائع کے بل پر حضور علیہ الصلواۃ

والسلام کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ یہودیوں کے قضیہ کو ہمیشہ کے لئے ایک ہی دفعہ چکا دیں۔

—— اس طرح چار ہزار پیادہ اور دو سو سوار فوج کو لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے یہ عہد کر کے نکلتے ہیں کہ یہودیوں کی طاقت کو تباہ کرنے کے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔ چند ماہ تک مسلح فوج لگاتار جنگ میں مشغول رہتی ہے ایک قلعہ۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ اسی طرح گویا مسلمان یہودیوں کی ایک جائے پناہ سے دوسری تک پہونچتے ہیں۔ اسلامی افواج ہر جگہ فتح پاتی ہیں۔ ان کی جنگی طاقت کے سامنے تمام فصیلیں گر جاتی ہیں یہودی جو مقابلہ پر آتے ہیں مسلمانوں کے تیروں کا شکار ہوتے ہیں۔ مدینہ کے ناقابل تسخیر سپاہیوں کے ہاتھ بیش بہا مال غنیمت لگتا ہے۔ النا عم۔ الکتیبہ۔ فدک۔ وادی القریٰ۔ الوطیح۔ سلالم۔ اور خیبر کے لوگ یا اطاعت قبول کر لیتے ہیں یا بسرعت یکے بعد دیگرے قبضہ میں کر لئے جاتے ہیں۔ ان تمام میں سے خیبر والوں نے زیادہ مقابلہ کیا۔ یہودیوں کے قلعوں کا یہ نگینہ اور علاقہ کا خزینہ بلند چٹانوں پر واقع تھا۔ اور ناقابلِ تسخیر تھا۔ خیبر نے چند روز اسلام کی طاقت کو جھٹلایا۔ نبی کریمؐ نے اس پریشانی میں کئی گھنٹے صرف کئے۔ کہ اسے کس طرح فتح کیا جائے۔ جس وقت آپ متعدد تجاویز کی خوبیوں پر بحث کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ علم اسلام کو قلعہ کی فصیل پر نصب کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ لیکن بڑی مردانہ جد و جہد کے بعد پسپا ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو بھی یہی وقت پیش آئی۔ بہر حال قسمت حضرت علیؓ کے حق میں تھی۔ متعدد حملوں میں آپ نے یہودیوں کی بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتار دی بعض کو جو فصیل کے اوپر تھے گرا دیا اور بعض کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے حارث کو خاک میں لٹایا اور قلعہ کے حاکم مرحب کو

اس کے اسلاف کے پاس بھیج دیا۔ بالآخر حضرت علیؓ کے ایک حملہ سے قلعہ سر ہوگیا اور وسیع خزانے ہاتھ لگے۔

——— صلح کی گفت و شنید میں خیبر کے یہودیوں نے اپنی پیداوار کا نصف حصہ ادا کرنے کے وعدہ پر اسیری سے آزادی حاصل کر لی۔

——— خیبر کی جنگ اس لئے بھی یادگار ہے۔ کہ اس میں ایک یہودی خاتون صفیہؓ سے حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی شادی ہوئی۔ صفیہ کا خاوند لڑائی میں مارا گیا تھا اور وہ اسیر ہوئی تھی۔ جب صلح کا آخری فیصلہ ہوگیا۔ تو یہودیوں نے صفیہ کو نبی کریمؐ کی خدمت میں بطور زوجہ پیش کر کے نئے اتحاد کو توی تر کرنا چاہا۔ صفیہؓ بھی اس اتحاد کی آرزو مند تھیں۔ کیونکہ جس روز سے وہ قیدی بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی تھیں۔ اسی روز سے ان کی نظروں میں آپ ایسے انسان تھے جیسا کہ ایک آدمی کو ہونا چاہیئے۔ خوبصورت اور پُر عزم اور دل کے نرم۔ انہوں نے مسلمان ہونے پر رضامندی ظاہر کر دی ایک عظیم الشان مرد اور ایک اسیر خاتون کے درمیان اس سے زیادہ بہتر اتحاد نہیں ہوسکتا۔ لیکن مہمانوں کو اپنا کھانا اپنے ہمراہ لانا پڑا۔ کیونکہ ظفر مند فاتح ایک غریب آدمی تھا اور اسے مال غنیمت سے کچھ حصہ نہ ملتا تھا بہر حال دعوت ایک خوشگوار تقریب تھی کیونکہ صفیہؓ کا حسن ملک بھر میں مشہور تھا اور فتح خیبر ایک ایسی فتح تھی جس پر ہر فوج فخر کر سکتی ہے۔ مہمان رخصت ہوئے۔ تو صفیہؓ فاتح اعظم کے خیمہ میں اپنی زندگی کے سب سے قابل فخر لمحہ بسر کرنے کے لئے آ گئیں۔

——— چند روز کے بعد صلح کی یاد میں حارث کی بیوہ اور مرحب کی ہمشیرہ زینب نے جو دونوں جنگ خیبر میں کام آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں ایک ضیافت دی۔ جب مہمان جمع ہوئے تو

زینب نے ایک بھیڑ کے کباب اُن کے سامنے رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشکل ایک ہی لقمہ منہ میں ڈالا تھا۔ کہ آپ نے لقمہ تھوک دیا۔ اور کہا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً تھوک دینے کے باوجود زہر کی ایک مقدار اندر چلی گئی۔ اور آپ اس کے اثر سے کئی روز تک بیمار رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء میں سے بشر ابن براجن نے لقمہ نگل لیا تھا بہت جلد سخت اذیت کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔ قانون کے ماتحت بشر کے وارثوں نے زینب[1] کو پکڑ لیا تاکہ اس سے قصاص لیا جائے۔ زینب نے جونہی ایک چاقو اپنے حلق پر دیکھا تو چیخ اُٹھی۔ لیکن رحم مانگنے کا وقت گذر چکا تھا۔ کمرے کے ایک کنارہ کی طرف خون کی دھار بہ نکلی۔ خون کا بدلہ خون نے ادا کیا

(۴)

حدیبیہ کی صلح جس پر حضرت عمرؓ اور کئی دیگر مومنین مایوس ہو گئے تھے۔ فی الحقیقت فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ عربستان کے شہروں میں مدینہ کا نام اس سے زیادہ عزت کے ساتھ کبھی نہیں لیا گیا۔ اس کے حکمران کا نام بھی دنیا کے کامیاب بادشاہوں کی فہرست میں ممتاز ہے یہودیوں پر کامیاب فتح حاصل کرنے نے اُن کے نام اور طاقت اسلام کی شہرت میں اضافہ کر دیا ہے۔

——— چند سال ہوئے مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کر دیا گیا تھا۔ کہ پیغام اسلام صرف قریش ہی کے لئے نہیں بلکہ اُن کا مقصد تمام دنیا کو روشنی اور راستہ دکھانا ہے۔ اسلام کا خدا شروع سے ہی ربّ العالمین ربّ الناس۔ مالک الناس۔ الٰہ الناس تھا۔ وہ نہ صرف یہودیوں۔ نصرانیوں

[1] امام زہری کہتے ہیں کہ یہ عورت مسلمان ہو گئی تھی۔ اور حضور نے اسے چھوڑ دیا۔ لیکن ایک روایت میں ہے کہ اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا تھا۔ مترجم

یا مسلمانوں کا خدا بلکہ تمام مخلوق ہر ذی روح شے کا خدا ہے۔ لہٰذا نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھیلایا ہوا پیغام محدود نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس وقت تک آپ کو اپنی قوم کے سوائے کسی اور کو یہ پیغام پہونچانے کا موقع نہیں مل سکا۔

—— عام تحفظ کے باعث جس میں اب اسلام اپنے آپ کو پاتا ہے نبی کریمؐ محسوس کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کو پیغام پہونچانے کا وقت آ پہونچا ہے۔ ایک جمعہ کے اجتماع میں آپ اعلان کرتے ہیں کہ آپ بیرونی بادشاہوں کے درباروں میں قاصد بھیجنا چاہتے ہیں۔ اور مجلس سے موزوں قاصد منتخب کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اس تجویز کو مسرت کے ساتھ سنا جاتا ہے۔

—— ایران کے بادشاہ خسرو کے پاس عبداللہ ابن حذیفہ ایک مکتوب لیجاتا ہے۔ جس پر محمدؐ رسول اللہ کی مہر لگی ہوتی ہے۔ بادشاہ ایک مترجم کو چھٹی پڑھنے کو کہتا ہے۔ چھٹی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

—— محمدؐ الرسول اللہ کی طرف سے خسرو شاہ ایران کے نام،،

—— یہ الفاظ خسرو کے مزاج شاہی کو برافروختہ کر دیتے ہیں۔ اور وہ غصہ کی حالت میں چھٹی کو پھاڑ کر اس کے پرزے فرش پر بکھیر دیتا ہے۔ جب عبداللہ مدینہ میں واپس آکر یہ داستان بیان کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،، اللہ تعالےٰ اسی طرح اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ جس طرح اس نے میری چھٹی کو پرزہ پرزہ کیا ہے،،

—— خسرو نے بہرحال اس معاملہ میں مظاہرۂ غضب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عربستان کے گورنر بازان کو لکھا کہ اس آدمی کو جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، فوراً گرفتار کر کے بھیج دے۔ عبداللہ کے مدینہ پہونچنے کے تھوڑا عرصہ بعد بازان کے قاصد مدینہ خسرو کے حکم کی تعمیل کیلئے آتے ہیں۔ لیکن وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لرزہ بر اندام ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عربوں میں نبی کریمؐ کی قوت کس درجہ کی ہے۔

——— حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرماتے ہیں "خسرو سے کہدو۔ کہ میرا مذہب اور میری سلطنت جلد خسروی عظمت سے بڑھ جائے گی۔ جاؤ اور اس سے یہ بھی کہدو کہ میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں"۔

——— قاصد آپ کا جواب بازان کو پہونچاتے ہیں۔ اس اثنا میں بازان کو خسرو کی موت کی خبر ملتی ہے جو اپنے بڑے بیٹے سیرویہ کے ہاتھوں اسی طرح قتل ہوا جس طرح اس نے قبل ازیں اپنے باپ ہرمز کو قتل کیا تھا بازان نبی کریمؐ کی دعوت قبول کرنے کے لئے آزاد ہے اور کھلے طور پر اسلام کی عظیم الشان برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔

——— دوسرا بادشاہ ہرقل ہے جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاصد بھیجتے ہیں۔ دحیہ کلبی حضرت نبی کریم کا مکتوب پیش کرتے ہیں قیصر مکتوب کو عزت کے ساتھ وصول کرتا ہے۔ جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

——— بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ ابن عبداللہ رسول اللہ کیطرف سے رومیوں کے شاہنشاہ ہرقل کے نام۔ السلام علیکم۔ سلامتی ہو اس پر جو سچے عقیدہ کی مشعل کے ساتھ چلتا ہے۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں یقیناً جنت حاصل ہوگی اگر تم میرا دین قبول نہ کرو گے تو تم خدا کی نظروں میں کافروں کی طرح مجرم قرار پاؤ گے۔ اے عیسائیو میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اختلافات کا خاتمہ کردو۔ آؤ ہم سب خدائے واحد کی پرستش کریں اور شرک نہ کریں۔ بہرحال اگر تم میری دعوت قبول کرنے کی طرف مائل نہیں تو کم از کم اتنا کرو کہ مدینہ کو ایک اسلامی حکومت کے طور پر تسلیم کرو"۔

——— مکتوب کے پڑھے جانے بعد اسے احترام کے ساتھ ایک تکیہ پر رکھ کر ہرقل حکم دیتا ہے کہ مسلمان قاصد کا خیر مقدم ایک معزز مہمان کے طور پر کیا جائے۔ لہذا وحیہ اپنی روانگی تک اسی بے اندازہ مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس کے لئے دربار قیصری مشہور ہے قیصر کا آفتاب عروج نصف النہار پر ہے۔ وہ اب کاہلی کا غلام اور مصائب عامہ کا شکار نہیں جوانی کے ایام ناتواں گذر چکے ہیں۔ روما اور ہرقل کی عزت متعدد شاندار معرکوں کے باعث زیادہ ہو چکی ہے۔ جن میں عظیم الشان فتوح حاصل ہوئیں۔ اس کا اسلام قبول کر لینا دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں میں اسلام کی وقعت غیر محدود طور پر زیادہ کر دے گا لیکن ہرقل غور کرنے کے لئے وقت چاہتا ہے۔ اور وحیہ کو پیغمبر خدا کے لئے بیش بہا تحفے دے کر رخصت کرتا ہے۔ اسی اثناء میں ابوسفیان سے جو غزہ کے مقام پر تجارت کے سلسلہ میں جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام اور اس کے دین کے متعلق استفسار کرتا ہے۔ ابوسفیان اختلافات کے باوجود کہتا ہے "ہاں ملک معظم! اس کے معتقدین بڑی تعداد میں بڑھ رہے ہیں اور ابھی تک کسی نے اُن سے انحراف نہیں کیا"

——— ادھر وحیہ یونانی دربار میں پہونچتا ہے ادھر حاطب کو اس غرض کے لئے قبطیوں کے حاکم مقوقس کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ مقوقس یونانیوں سے جن کے نام پر وہ مصر کی حکومت کرتا ہے نفرت کرتا ہے۔ لیکن کھلے طور پر مسلمان ہونے کا اعلان کر کے نئے دشمنوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کو تیار نہیں۔ بہر حال وہ نبی کریمؐ کے قاصد کا استقبال بڑے احترام کے ساتھ کرتا ہے اور دعوت کا حسب ذیل جواب دیتا ہے۔

——— "محمدؐ ابن عبداللہ کو قبطیوں کے والی مقوقس کی طرف سے سلام

میں نے آپ کا مکتوب پڑھا ہے جس میں مجھے مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ تجویز غور چاہتی ہے۔ اور میں غور کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ایک نبی کے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ لیکن میرا یقین ہے وہ ملک شام میں پیدا ہوگا بہر حال میں آپ کے قاصد کا وہی احترام کرتا ہوں جو ایک قاصد کے لئے واجب ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں میری طرف سے دو عالی نسب قبطی لڑکیاں بطور تحفہ پیش کرے گا۔ علاوہ ازیں میں ایک سفید خچر۔ کچھ کپڑے جو ہمارے ملک کی ساخت ہیں اور اعلیٰ درجہ کا شہد اور مکھن ارسال کرتا ہوں۔"

—— جیسا کہ توقع کی جا سکتی ہے۔ تمام قاصدوں میں سے حبش کا قاصد زیادہ کامیاب رہا۔ اس ملک میں مسلم مہاجرین نے اسلام کے استقبال کے لئے پہلے ہی زمین تیار کر رکھی ہے۔ لہٰذا جب محمدؐ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد[1] دربار میں پہنچا ہے۔ اس کا شاندار استقبال کیا جاتا ہے۔ اسے ممتاز نشست دی جاتی ہے۔ اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں شہنشاہ ایک خاص دربار منعقد کرتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب بہ آواز بلند پڑھتا ہے

—— "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجاشی شہنشاہ حبش کو سلام..........

میں تصدیق کرتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم خدا کی روح اور حکم۔ وہ معصوم کنواری مریم کا بیٹا ہے۔ خدا نے حضرت عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اسے حضرت آدم کی طرح بنایا اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں صرف خدا کا پیغامبر ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی پیروی کے لئے کہوں اور تمہیں اس خدائے واحد کا دین قبول کرنے لئے کہوں۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو تمام زمینوں اور آسمانوں

[1] یہ خط عمرو بن امیہ الضمری لے گئے تھے۔ مترجم

کا حکمران ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میری نصیحت مان لی جائے گی۔"

——— شہنشاہ مکتوب کو آنکھوں سے لگاتا ہے۔ تخت سے اترتا ہے اور سر دربار جعفر اور مسلم مہاجرین کے سامنے اسلام قبول کرتا ہے۔ اور مندرجہ ذیل مکتوب لکھواتا ہے۔

——— "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نجاشی محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ اے رسول اللہؐ آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ اے پیغمبر میں نے وہ مکتوب پڑھا ہے جو آپ نے ارسال کیا ہے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق درست فرمایا۔ انہوں نے بھی اپنے متعلق اس سے زیادہ دعویٰ نہیں کیا۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے نبی ہیں۔ میں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان جعفر اور تمام دربار کے روبرو کر دیا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارحہ کو بھیجتا ہوں۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو میں خود حاضر ہو کر آپ کو اور آپ کی تعلیم کو نذرانۂ عقیدت پیش کروں گا۔"

——— تمام جوابات میں جو موصول ہوئے۔ بنو غسان کے عیسائی حکمران شرجیل ابن عمرو کا جواب سب سے کم امید افزا ہے۔ بنو غسان وسطی عرلستان کے ایک علاقہ پر قابض ہے۔ اُس کی سلطنت شام کی حدود تک پھیلی ہوئی ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شرجیل کا طنزیہ جواب یہ ہے۔ "میں جواب خود لے کر آؤں گا۔" مسلمان قاصد کو واپسی پر ایک قبائلی قتل کر دیتا ہے اور شک نہیں کہ یہ فعل سردار قبیلہ کے حکم سے سرزد ہوا۔ جب حضرت نبی کریمؐ اس حادثہ کی خبر سنتے ہیں تو قسم کھاتے ہیں کہ بنو غسان سے انتقام لینگے

——— صوبہ یمامہ کا حاکم ہودہ بھی اسی طرح نازیبا الفاظ میں جواب دیتا

ہے۔ اس کا جواب یہ تھا "محمدؐ سے کہدو کہ اگر اس نے مجھے پھر پیغام بھیجا تو میں مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔

——— حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہودہ کی دھمکی سن کر فرمایا!
"میں اسے یہ عزت حاصل کرنے کا موقع نہ دوں گا"

——— شاہ بحرین کے نام جو پیغام بھیجا گیا۔ اس نے اچھے نتائج مرتب کئے۔ یہ علاقہ خلیج فارس کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کا بادشاہ تمام ملک کے ساتھ مسلمان ہو گیا

——— علاوہ ازیں اسلام دوسرے اطراف میں بھی فتوح حاصل کر رہا ہے نو مسلم بہت سے غیر متوقع علاقوں سے بھاری تعداد میں آ رہے ہیں۔ بہر حال تبدیل مذہب کے واقعات میں خالد بن ولید کا قبول اسلام اہم ترین ہے۔ اس سے مکہ میں وہشت پھیل جاتی ہے اس کا باعث یہ حقیقت نہیں کہ قریش کے ایک فرد نے اسلام قبول کر لیا ہے کیونکہ اصل میں مسلمانوں کی جماعت کا نصف حصہ قریش سے ہی ہے بلکہ یہ امر کہ خالد ولید کے فرزند ہونے کے باعث قبیلہ میں ایک نمایاں وقار رکھتے ہیں۔ انہوں نے خود اپنی جوانمردی کے واضح ثبوت دیئے ہیں۔ فتح احد کے باعث انہیں مکہ کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے خیال کیا جاتا ہے۔ وہ مقابلتہً کم عمر اور بہت ہونہار ہیں۔ وہ ایک زمانہ میں عرصہ دراز تک مسلمانوں کے سخت دشمن رہے ہیں۔ انہیں اپنے اسلاف کا دین چھوڑنے پر کس چیز نے راغب کیا! کیا محض ہوس نام و نمود نے؟ کیا انہیں اسلام کے اندر اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا وسیع تر میدان نظر آتا تھا؟ کیا قبول اسلام دنیوی نفع کے لئے ہے کیا مسلمانوں نے اسے اعلیٰ عہدہ دینے کے وعدہ سے جیت لیا ہے! لیکن یہ سب بازاری باتیں ہیں جو ایسے موقعوں پر کی جاتی ہیں۔ جب کہ مرد بوڑھی عورتوں سے بھی گئے

گذرے ہو جاتے ہیں۔ خالدؓ مسلمانوں میں اپنی مرضی سے شامل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور بہت سے اور لوگ آئے۔ انہوں نے کسی اور احسان کی آرزو نہیں۔ وہ کوئی عہدہ نہیں چاہتے۔ وہ اس امید پر قانع ہیں کہ انہوں نے دل کی آواز کو لبیک کہا۔ یہ وہ سبب ہے جو دلیل سے بالاتر ہے۔ اگر وہ کبھی ایک سرگرم کافر تھے تو یہ کوئی ناقابلیت نہیں۔ اب وہ سرگرم مسلمان ہو سکتے ہیں۔ کفار کی خدمت کے لئے انہوں نے جو شجاعت دکھائی ہے وہ اسلام کی راہ میں کام آئے گی۔

——— خالدؓ نے ایک عملی نمونہ قائم کر دیا۔ دوسرے مقتدر اشخاص نے ان کی پیروی کی۔ ان میں عمرو بن ابوالعاص بھی ہیں جنہوں نے مسلم مہاجرین کے خلاف دو دفعہ حبش میں قریش کی نمائندگی کی تھی۔ معبد کعبہ کا محافظ عثمان بھی ان کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کسی دنیوی طمع کے ماتحت اسلام قبول کیا۔ کیونکہ عثمان عربستان کے معزز ترین عہدہ پر متمکن ہیں اور اسے اسلام کے لئے ترک کر دیا جس کی حالت ابھی تک مشکوک ہے۔ مسلمان ان لوگوں کے قبول اسلام سے بیحد مسرور ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں ان میں ایک ایسے زمانے کے نشانات نظر آتے ہیں جو تاریخ اسلام میں عظمت کا مالک ہے۔

(۵)

ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ خسرو ایران نے کس طرح حضرت نبی کریمؐ کے مکتوب کو پارہ پارہ کر کے نفرت کے ساتھ فرش پر پھینک دیا۔ اور شرجیل بن عمرو کے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث پر کیا گذری۔ جنہیں قاتلوں نے بے خبری کے عالم میں قتل کر دیا جب اس قتل کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچی تھی تو آپ نے عزم کر لیا تھا۔ کہ اس خون کا انتقام لیا جائے گا۔ آپ اس

ارادہ کے خطرات سے بے خبر نہ تھے۔ کیونکہ بصرہ پر چڑھائی کرنا یقیناً ایک اہم معاملہ تھا۔ اور اس سے زبردست بازنطیق سلطنت کی مخالفت مول لینا تھا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک عرب سلطنت یونانیوں کی سلطنت کے خلاف جنگ کرنے کی جرأت کرتی ہے۔ کون جانتا ہے کہ اس چنگاری کے بھڑکائے ہوئے شعلے کہاں تک پہونچ جائیں گے۔ کون کہ سکتا ہے کہ یہ آگ تھوڑے عرصہ میں تمام ایشیا کے اندر نہ پھیل جائے گی۔ اور سلطنت قیصر کو جلاکر راکھ نہ کر دے گی۔

—— اس ارادہ کی مشکل نوعیت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بصرہ کے خلاف افواج بھیجنے کے مانع نہیں ہوتی۔ تین ہزار آدمیوں کو نبی کریمؐ کے متبنٰے زید کی قیادت میں شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم ہوتا ہے تاکہ وہاں کام شروع کریں یعنی وہاں کے باشندوں کو مسلمان ہونے کی دعوت دیں اور انکار کی صورت میں جنگ کے ذریعہ فیصلہ کریں۔ قریش کی معزز نسل کے شرفاء اس بات پر بالکل شاکی نہیں ہوتے کہ انہیں زید کی ماتحتی کرنی پڑی۔ جو کبھی ایک غلام تھا۔ کیونکہ اسلام نے تمام امتیازات کو مٹا دیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے شہید ہو جانے کی صورت میں جعفر ابن ابی طالب کو جو حبش سے واپس آگئے ہیں ان کا جانشین نامزد کیا ہے اور اگر بدقسمتی سے موخر الذکر بھی شہید ہو جائیں تو اس کی جگہ عبداللہ بن رواحہ کو نامزد کیا ہے۔

—— موتہ کے مقام پر جو سطح مرتفع پر واقع ہے۔ مدنی فوج کی مٹھبیڑ عربی اور رومی فوج سے ہوتی ہے۔ زید کی فوج صحرائے آتشیں کے طویل سفر سے تھک چکی ہے اور تعداد میں بھی دشمن کے مقابلہ میں ناکافی ہے۔ لیکن سات سال کی فتوحات نے مسلمانوں کو اپنے ناقابل تسخیر ہونے کا یقین دلا دیا ہے۔ ایک لاکھ لشکر کا مقابلہ ان کی خود اعتمادی کو متزلزل نہیں کرتا۔ ان کے لئے فتح و شہادت

کے سوا کوئی بدل موجود نہیں۔ وہ زمین پر اور آخرت میں انعام ملنے پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس لئے شیروں کی طرح لڑائی میں کود پڑتے ہیں۔

جنگ طویل اور پرامید ہے۔ زید اصلی معنوں میں داد شجاعت دے کر شہید ہو جاتے ہیں اور آخری دم تک علم اسلام اُن کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ بہادر جعفر فوراً زید کے ہاتھ سے گرتا ہوا علم سنبھال لیتے ہیں۔ ہر طرف ہوا میں برچھیاں گھومتی ہیں۔ تلواریں آفتاب کی روشنی میں چمکتی ہیں۔ مخالف سپاہیوں میں جو ہلاکت آفریں جنگ میں تندہی سے مشغول ہیں۔ شور مچ رہا ہے۔ اور مرتے ہوئے گھوڑوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ زمین خون سے سرخ ہو جاتی ہے عین معرکہ جنگ میں وہ ہاتھ جو علم اسلام کو تھامے ہوا تھا کٹ جاتا ہے۔ لیکن جعفر ہراسان نہیں ہوتے وہ دوسرے ہاتھ سے علم اسلام کو بلند کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی کٹ جاتا ہے آخری کوشش کے طور پر وہ علم کو خون آلود بازو میں دبا لیتے ہیں۔ اور بالآخر بیشمار واروں سے اسے گرا دیتے ہیں۔ اب عبداللہ کی باری ہے کہ وہ لشکر اسلام کی قیادت کریں۔ وہ بھی غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن آخر کار دشمنوں کی تعداد کثیرہ سے مغلوب ہو کر تابندہ پیشانی اپنی جان اسلام پر قربان کر دیتے ہیں۔ جب عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جاتے ہیں تو لشکر اسلام بے سالار رہ جاتا ہے خالدؓ بھاگ کر آگے جاتے ہیں اور علم اسلام تھام کر للکارتے ہیں "بڑھو مسلمانو فتح یا جنت ہماری ہے" لڑائی نئی گرم جوشی کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ خالدؓ بڑی عقلمندی کیساتھ اپنے آدمیوں سے کام لیتے ہیں اور قلب دشمن میں گھس کر یونانی اور رومی فوج کو منتشر ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں اور انہیں پسپا ہونا پڑتا ہے اتنے میں رات ہو جاتی ہے اور دشمنوں کا تعاقب نہیں کر سکتے۔

——— خالدؓ نے شجاعت اور قیادت کا اس قدر شاندار ثبوت دیا کہ جنگی مجلس شبینہ میں اسے بہ اتفاق رائے مسلم فوج کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔ رات کا باقی حصہ اگلے دن کی تجاویز پر صرف کیا جاتا ہے۔ طلوع آفتاب کے وقت خالدؓ میدان جنگ میں فوج کی آراستگی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی فوج تا حدِّ امکان پھیلا دی ہے فوجی دستے اِدھر اُدھر آگے پیچھے حرکت کر رہے ہیں۔ دشمن کے کیمپ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راتوں رات انہیں کمک پہونچ گئی ہے۔ اور یہ کہ اسلامی فوج اب تعداد میں زیادہ ہے۔ فراست حربیہ یونانیوں کی سرگرمیوں کو سرد کرنے کے لئے کامیاب ثابت ہوئی۔ خالدؓ دشمن کی فوج کو پھیلنے کا زیادہ موقع نہیں دیتے اور ایک تند حملہ کر دیتے ہیں اسلامی فوج تین طرفوں سے وسیع صف بندی کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ محاربہ اپنے اندر خطرات ضرور رکھتا ہے لیکن غضبناک خالدؓ کو صرف ایک بے حقیقت مقابلہ کرنا پڑتا ہے یونانی اپنے پیچھے اسلحہ اور سامان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

——— خالدؓ فتح مند فوج کی قیادت میں مال غنیمت لے کر مدینے واپس آتے ہیں۔ اس وقت سے آپ کا لقب "سیف اللہ" مشہور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نے جنگ میں ایک آزمودہ کار فوجی افسر کی سی تجربہ کاری اور شجاعت دکھائی۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ میں آپ کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔ دوسرے سرداروں نے بھی کم ہمت نہیں دکھائی جعفرؓ کے جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے پچاس زخم لگے

——— خالدؓ اپنے پیشرو بہادر جرنیلوں۔ زیدؓ۔ جعفرؓ اور عبداللہؓ کی عزیز نعش ہمراہ لائے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اشکبار ہیں۔ مدینہ اپنے

شجاع فرزندوں کے ماتم میں شریک ہے۔ لوگ جوق در جوق اُن کا مُنہ دیکھنے کو آتے ہیں۔ جنہوں نے تحفظ ناموس اسلام کی خاطر اپنے جسموں پر بیشمار زخم کھائے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مغموم ہیں۔ کیونکہ جعفر اور زید سالہا سال تک آپ کے عزیز ترین اقربا میں سے رہے ہیں آپ جعفر کے ننھے بیٹے کو نرمی کے ساتھ سینہ سے لگاتے ہیں اور اُس کو آنسوؤں سے نہلا دیتے ہیں آپ اپنے غم پر اُس وقت تک قابو نہیں پا سکتے جب تک کہ زید کی بیٹی آپ کے پاس وہیں آ جاتی ہے۔

——— صحابیوں میں سے ایک شخص نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کہا "یا نبی آپ اس طرح کیوں رو رہے ہیں"

——— آپ نے فرمایا "یہ ایک دوست کے آنسو ہیں جو دوست کی موت پر بہائے جا رہے ہیں"

——— اہل شہر بہادر شہداء کی تجہیز و تکفین ان کی قربانیوں کے شایانِ شان طور پر کرتے ہیں۔ جنازے جلوس کی شکل میں شہر کے اندر سے گذرتے ہیں۔ اور ان کے عقب میں مسلمانوں کا وسیع ہجوم ہوتا ہے۔ شہر کے تمام رؤسا موجود ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان نماز جنازہ ادا کرتے ہیں اور جنازوں کو محبوب ہاتھوں سے بنائی ہوئی قبروں میں اتارا جاتا ہے۔

(۶)

——— مدینہ میں امن ہے۔ عرب قبیلہ در قبیلہ اسلام قبول کر رہے ہیں یہودیوں کا سر غرور نیچا ہو گیا ہے۔ یونانی عساکر اور ایرانیوں کے حملہ کا کوئی فوری خطرہ موجود نہیں۔ القدر کا مہینہ بھی آ گیا ہے۔ معاہدہ حدیبیہ کی دفعہ چوتھی کے

ماتحت مسلمان مکہ کا حج کرنے کے حقدار ہیں۔ درختوں پر ماہ مارچ کے غنچے بہار دے رہے ہیں۔ اور سرد ہوا کے جھونکے ابروؤں پر رقص کرتے ہیں۔ ایک بڑی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہولیتی ہے۔ اور اس طرح ساتویں ہجری سال میں پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ "تم یقینی طور پر متبرک مسجد میں بحفاظت داخل ہوگے انشاء اللہ۔ تم میں سے بعض کے سر منڈے ہوئے اور بعض کے بال کٹے ہوئے ہونگے۔ اور تم خوف نہیں کروگے" مومنین اپنے ساتھ تلواروں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں اٹھاتے جن کی کہ معاہدہ کی رُو سے اجازت ہے۔ اور قربانی کے حیوانات کو لے کر مکہ میں داخل ہوتے ہیں

——— مکہ ویران ہے۔ اس کے امیر و غریب باشندوں نے اپنے مکان خالی کر کے تین روز کے لئے نواحی پہاڑیوں میں خیمے نصب کرلئے ہیں۔ وہ وہاں مقام بالادست پر جمع ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرؤں کی حرکات و سکنات کی نگہداشت کرتے ہیں۔ یہ عجیب جذبات کا دلچسپ منظر ہے۔ وہ نیچے کی طرف مجمع میں اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جسے وہ کبھی دیوانہ اور پھر باغی خیال کرتے تھے۔ اور جس کے سر کے لئے انہوں نے انعام مقرر کیا تھا۔ وہ مجمع میں بہت سے دوستوں اور عزیزوں کو شناخت کرتے ہیں اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا (صرف چھ سات سال ہوئے ہیں۔ اور یہ عرصہ مانوس نظاروں کو تصور میں لانے کے لئے کافی قریب ہے) جب کہ انہوں نے گلیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کہتے سنا۔ ان کے گرد پیرؤں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی جو ان کے الفاظ پر سر تسلیم خم کئے ہوئے تھی۔ اور ایک بڑا گروہ آپ کے وعدوں کی تضحیک کرتا تھا۔ اور آپ کی تنبیہات پر ہنستا تھا۔ سات سال کے عرصہ میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں۔ حضرت محمدؐ

مصطفےٰ صلعم اب سرداران عرب میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں۔ آپ کے اذیت رساں جو آپ ہی کی نسل سے ہیں (یعنی قریش) پایۂ عظمت سے گر چکے ہیں۔ ان کی افواج منتشر ہو چکی ہیں۔ ان کے کاروانوں کا سفر مسلمان قبائل کی مہربانی پر منحصر ہے۔ ان کے منتخب ارکان یکے بعد دیگرے اس راستے پر گامزن ہو رہے ہیں جو مدینہ کی طرف جاتا ہے

——— مسلمانوں کے قلوب میں بھی عجیب جذبات موجزن ہیں۔ اکثر اپنے عہد طفلی کا وطن طویل عرصہ کے بعد دوبارہ دیکھ رہے ہیں۔ خدا اور پیغمبر پر ان کا ایمان رائیگاں نہیں گیا بعض گریہ مسرت میں مشغول ہیں۔ بعض مقدس شہر کو پہلی دفعہ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے معبد ابراہیم۔ حجر اسود اور کثیر التعداد بتوں کا ذکر جن سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نفرت کرتے ہیں سن رکھا ہے۔ ان میں سے اکثر اس مسرت آفریں تقریب کو اپنی محنتوں اور محرومیوں کا انتہائی ثمر سمجھتے ہیں۔

——— تمام آنکھیں اُس شخص پر لگی ہوئی ہیں۔ جو منظر کے وسط میں ہے انکی چھوٹی چھوٹی حرکات و سکنات پر بھی دھیان دیا جا رہا ہے ان کے لئے ہر چیز دلچسپ ہے۔ ان کے لئے ہر چیز اہم ہے۔ وہ معبد کی طرف بڑھتے ہیں۔ احترام کے ساتھ سنگ اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ طواف کرتے ہیں۔ صفا اور مروا کی پہاڑیوں میں گھومتے ہیں اور مسجد ابراہیم کے دروازے پر نماز ادا کرتے ہیں۔

——— مسلم زائرین صرف تین روز ٹھہرتے ہیں اور حج کی رسوم ادا کرنے کے بعد شرائط معاہدہ کے مطابق چوتھے روز مکّہ سے نکل جاتے ہیں۔ قریش کے لئے مکّہ خالی کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور اُن کے پیروؤں کے دل میں شہر کے متعلق کوئی منصوبہ موجود نہ تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلعم اپنی جوانی کے دنوں میں "الامین" تھے اگرچہ وقت نے بہت سی تبدیلیاں کر دیں لیکن آپ کے زبانی اور تحریری الفاظ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ آپ اب بھی الامین ہیں۔

(۷)

——— لیکن کیا آپ کے دشمنوں کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔؟ یہودیوں کی غداری کے متعلق پہلے نکتہ چینی کی جا چکی ہے۔ قریش ظاہر کرتے ہیں کہ وہ محتاط ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکہ چھوڑنے کے بعد قریش اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں اور بنو خزاعہ پر جو آنحضرتؐ کا حلیف قبیلہ ہے حملہ کر کے اُس کے آدمی گرفتار کر لیتے ہیں اور ان کے کھیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ معاہدہ حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی ہے جو جانبین کے حلیف قبائل پر مساوی طور پر حاوی ہے۔ جن بدنصیبوں پر قریش نے حملہ کیا ہے وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مسلمان اس معاہدہ کے مطابق جو ان کے اور حکومت مدینہ کے درمیان رابطہ اتحاد قائم کرتا ہے۔ قریش سے انتقام لیا جائے

——— آج کل بلاشبہ ایسے نکتہ چین موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی تنسیخ کا موقع خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کیا۔ کیونکہ معاہدہ مدینہ والوں میں کبھی پسندیدہ نہیں رہا تھا۔ بعض ایک سازش کی تہمت تراشتے ہیں۔ یعنی یہ کہ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سلطنت کے لئے ......اہم......جگہ ہے اور جب تک مکہ فتح نہ ہوگا۔ اسلام کی حیثیت مستحکم نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ دونوں نظریئے بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

نے کبھی مکّہ کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھا ہو یا یہ سمجھا ہو کہ مکّہ عربستان کے اندر آپ کی عظمت میں بحیثیت ایک بادشاہ کے کچھ اضافہ کر دے گا - اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر مقدس شہر کے متعلق منصوبہ ہوتا تو اس سے زیادہ کوئی موافق موقع نہیں ہو سکتا - جب کہ آپ مکّہ کی حدود کے اندر موجود تھے - کیونکہ اس وقت مکّہ خالی اور غیر محفوظ تھا لیکن آپ وہاں سے بالکل اس طرح نکل گئے جس طرح داخل ہوئے تھے اور ایک اینٹ کو بھی اُن سے نقصان نہیں پہونچا - اگر فی الحقیقت مکّہ کے متعلق آپ کے دل میں کوئی منصوبہ ہے تو اس موقع کے لئے خود قریش کو اپنا شکریہ ادا کرنا چاہیئے - انہوں نے ایک معاہدہ کو توڑا ہے - جو بالکل اُن کے حق میں تھا - اور جب معاہدہ ایک دفعہ ٹوٹ چکا ہے تو جانبین لڑنے کے لئے آزاد ہیں -

——— قریش کو بہت دیر بعد احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے ایک بھاری غلطی کا ارتکاب کیا ہے - وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غضب کو ٹالنے کی فکر میں ہیں - اس مقصد کے لئے وہ ابوسفیان کو مدینہ جانے کے لئے مامور کرتے ہیں اور اُسے اختیار دیتے ہیں کہ وہ اطمینان کے لئے جو شرائط چاہے منظور کرلے - ابوسفیان دارالسلطنت میں پہونچ کر اپنی بیٹی کے گھر جاتا ہے - جو حرم نبویؐ میں داخل ہو چکی ہیں اور اُن سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس عظیم الشان انسان کے پاس اس کی سفارش کرے - ابوسفیان رسول اللہؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہتا ہے تو ام حبیبہؓ فرماتی ہیں ضعیف العمر ابوسفیان آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے "ام حبیبہ کیا تم اس بستر کو اپنے باپ پر ترجیح دیتی ہو"

——— حضرت ام حبیبہ کو اپنے باپ کا پورا احترام ہے - لیکن وہ نو مسلمہ کی حیثیت میں اپنے پہلے خاوند کی معیت میں قریش کی اذیتیں برداشت کر چکی

ہیں۔ وہ حبشہ میں جانے والے مہاجرین میں تھیں۔ اس لئے ابوسفیان کو اس جگہ بہت تھوڑی ہمدردی حاصل ہوتی ہے۔ وہ سرد مہری سے جواب دیتی ہیں۔ "یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور میرے عزیز باپ آپ بت پرست ہیں"۔

——— ابوسفیان بڑبڑاتا ہوا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے پاس جاتا ہے یہاں بھی اس کی درخواست کی کامیابی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد وہ براہ راست حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ لیکن آپ اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہتے۔

——— ابوسفیان شکستہ دل ہو کر مکہ کو واپس جاتا ہے۔ اور اپنی لڑکی کی ملاقات۔ حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کے سلوک اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی خاموشی کا حال بیان کرتا ہے۔

——— مدینہ کے اندر خفیہ اجتماع عساکر کے دوران میں حاطب بن ابی بلتعہ کو اس جرم میں حضرت نبی کریمؐ کے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ دشمن کو خبریں پہونچاتا ہے۔ حاطب کی لکھی ہوئی ایک چٹھی پکڑی گئی ہے۔ جس میں لکھا ہے "اہل مکہ خبردار ہو جاؤ! رسول خدا تم پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اپنی حفاظت میں عجلت سے کام لو"۔ مجرم حلفیہ بیان کرتا ہے کہ مکتوب سے اس کی غرض اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت ہے جو کہ مکہ میں ہیں۔ اگر اہل مکہ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا ہے تو وہ اس کے عیال و اطفال سے اچھا سلوک کریں گے۔ حضرت عمرؓ چاہتے ہیں کہ مجرم کا سر فوراً اڑا دیا جائے "یا نبی! حاطب دروغ گو اور مکار ہے وہ جاسوس ہے مجھے اس کا سر قلم کرنے دیجئے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "عمرؓ میرے

رفیق کی جان بخشی کرو۔ حاطب بدر کی جنگ میں ہمارے ساتھ تھا۔" اور مجرم کی طرف مڑ کر ارشاد کرتے ہیں " جاؤ تمہیں معاف کیا "۔

——— اہل مکہ ابھی تک مذبذب ہیں کہ دفعتاً دس ہزار مشعلیں نواحی پہاڑیوں میں روشن ہو کر اسلامی فوج کی رہنمائی کرتی ہیں۔

——— ابوسفیان جانچ پڑتال کے لئے باہر نکلتا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوتی ہے اور پوچھتا ہے کیا عباسؓ ہے "

" بیشک "

" میں آپکے پیچھے کیا دیکھتا ہوں "

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو تمہارے ہاں دس ہزار کی معیت میں تشریف لائے ہیں "

" آپ کی رائے میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے "

" اطاعت قبول کر لو ورنہ تمہارا خاتمہ ہے "

ابوسفیان حضرت عباسؓ کے ساتھ اسلامی کیمپ میں جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ جو کیمپ کے افسر اعلیٰ ہیں بت پرستوں کے سردار کو پہچان لیتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں " الحمد للہ۔ میں کیا دیکھتا ہوں ؟ تم ابوسفیان ہمارے درمیان اور کسی معاہدہ کے بغیر۔" پھر گرج کر فرماتے ہیں " کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ایک خدا کو تسلیم کر لو۔"

——— " مجھے اس میں شبہ نہیں "

——— " اور یہ کہ محمدؐ اس کے رسول ہیں "

——— " میری صاف گوئی معاف کیجیئے۔ اس وقت تک میں نے اس کے

بر عکس سمجھا ہے"! غضبناک عمرؓ فرماتے ہیں " تو پھر میں

——— تمہارے فہم کا ابھی خاتمہ کرتا ہوں"! یہ کہہ چکنے کے بعد ابوسفیان کے سر پر شمشیر آبدار چمکتی ہے۔

——— حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عین وقت پر پہونچ جاتے ہیں۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں" ابو سفیان اب صداقت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو"!

——— اس طرح ابوسفیان عساکر اسلام میں شامل ہو جاتا ہے۔

——— قریش کا سردار اسلامی فوج کی اعلیٰ تنظیم دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے اور جب اسے کیمپ کا گشت کرایا جاتا ہے تو وہ حضرت عباس سے کہتا ہے"! واللہ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت فی الحقیقت بڑی ہو گئی ہے۔ شاید اب کوئی ایسا نہیں جو اس کے مقابلہ میں ٹھہر سکے"!

——— ابو سفیان عجلت کے ساتھ اپنے آدمیوں کی طرف جاتا ہے تاکہ انہیں عربوں کے فاتح کی پر امن اطاعت قبول کرنے کے لئے کہے۔

——— صبح کاذب کے وقت ساعت معین پر اسلامی فوج شہر پر قبضہ کرنے کے لئے حرکت کرتی ہے۔ فوج جنگی ترتیب کے ساتھ بڑھتی ہے اور لڑائی کے لئے تیار ہے۔ زبیر کو حکم ملتا ہے کہ کدا سے آنے والی سڑک کے پاس سے مکہ میں داخل ہوں۔ سعد کو ان نالوں کی نگہداشت پر متعین کیا جاتا ہے۔ جو کدی کو جانے والی سڑک کو کاٹتے ہیں۔ حضرت علیؓ جبل حاجون پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ خالدؓ کو فوج کو لیکر شہر کی دیواروں کی طرف بڑھنے کے لئے حکم ہوتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عقب فوج کو سنبھالتے ہیں۔ اور جہاں آپ کی ضرورت ہو وہیں جانے کے لئے تیار ہیں۔ آپ کے تمام جرنیل

کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ جنگ نہ کریں تاوقتیکہ دشمن حملہ نہ کرے۔ زبیر کسی مدافعت کے بغیر بآسانی شہر کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ لیکن خالدؓ کو مقابلہ پیش آتا ہے قریش کی کئی پلٹنیں ان کا راستہ روکتی ہیں اور بڑھتے ہوئے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرتی ہیں۔ خالدؓ حملہ کا حکم دیتے ہیں۔ اور خود اپنے آدمیوں کے ساتھ قریش کے پیادوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عقب فوج سے اہلِ مدینہ کو لڑتے ہوئے دیکھ کر فرماتے ہیں "اے خدا میں یہ کیا دیکھتا ہوں! کیا میں نے جنگ کی ممانعت نہیں کی تھی" آپ کو بتایا گیا کہ خالدؓ پر حملہ کیا گیا ہے اور جنگ مدافعانہ ہے حضرت نبی کریمؐ اپنے جرنیل کے پاس قاصد بھیجتے ہیں کہ وہ خوں ریزی نہ کرے۔ لیکن جنگ مختصر ہوتی ہے۔ اور غیر مغلوب خالدؓ فتحمندانہ حیثیت میں مکہ کے ایوان تک جا پہونچتے ہیں۔

—— طلوعِ آفتاب کے ساتھ شہر کے تمام دروازے مسلم فوج کے قبضے میں ہیں۔ جو اپنے سالار کے فاتحانہ داخلہ کے لئے بالکل تیار رہے۔ آسمان صاف اور بے ابر ہے آفتاب پہاڑیوں کے اوپر سے بلند ہو کر منظر کو چمکا دیتا ہے دس ہزار برچھیاں بجلی کی شعاعوں کی طرح چمکتی ہیں۔ علم ہوا میں مسرت کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔ بازاروں میں مشتاق عوام الناس کا ہجوم ہے۔ ترانوں کی آواز بلند ہوتی ہے۔ فتح کے نقارے بجتے ہیں۔ اور اس طرح ذرا دیر کے بعد اور ایک طویل جلوس میں آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم جن کے آگے پیچھے سپاہیوں کے پرے ہیں مکہ کے اندر فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں۔ جو آپ کی جائے پیدایش اور قوم کا مقدس مرکز ہے۔ آپ کے جلو میں حضرت علیؓ علم اسلام اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ داہنے طرف حضرت ابوبکرؓ صدیق اور پیچھے ہٹ کر اسامہ بن زید ہیں۔

—— جلوس سیدھا حرم کی طرف جاتا ہے۔ اور جب وہ طویل اور پیچیدہ گلیوں میں سے گذرتا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس پرانے زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ آپ عوام الناس میں تھے آپ کا نہ کوئی دوست تھا۔ نہ جاننے والا۔ بدقسمتی۔ جفاکشی۔ مایوسی اور ناامیدی اب فراموش شدہ ماضی کے خواب معلوم ہوتے ہیں۔ ساعت ظفر میں آپ کو ان محبوب رفقاء کی عدم موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ جو جاں بحق ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ! اگر وہ زندہ ہوتیں تو آج کیا کہتیں۔ زید۔ جعفر اور صدہا ایسے دوست جن کے باعث مایوسی کی ساعات مختصر معلوم ہوتی ہیں اور جن کی قربانیوں نے فتح کا راستہ کھول دیا۔

—— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قدیم کعبہ کے صحن میں پہونچتے ہیں تو ٹھہرنے کا حکم دیتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں سورہ فتح پڑھتے ہیں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیشک ہم نے تم کو دشمنوں پر فتح عطا کی اللہ کے بندے زمین و آسمان کے مہمان ہیں اور اللہ سب سے بہتر جاننے والا ہے اور سب سے عقلمند ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے بہت سی فتوحات کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن کو ابھی تک تم نے حاصل نہیں کیا۔ اللہ نے تم کو دشمنوں پر فتح دی کیونکہ وہ سب چیزوں پر قادر ہے"۔

—— زیارتگاہ کے دروازے پر استادہ پردیں پرنور کے مرکزی انجم جن کے سر پر سیاہ رنگ کا سادہ عمامہ ہے۔ اور شانوں پر سیاہ عبا پڑی ہے اب بھی فاتح عرلبستان کی بجائے اصول مذہب کے ایک واعظ معلوم ہوتے ہیں۔

—— آپ کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ آپ تین سو بتوں کو توڑتے ہیں۔

جنہوں نے معبد کے اندر اللہ کی جگہ لے رکھی ہے۔ اور زیارتگاہ کو نشانات کفر سے پاک کرتے ہیں۔ اب دیواروں پر سے عورتوں کی تصاویر اور ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام کی الواح تشبیہ آثار کر ضائع کر دیتے ہیں۔ ایک ڈنڈا ہاتھ میں تھامے ہوئے آپ ہبل کی طرف بڑھتے ہیں اور اسے ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔ آپ کے رفقاء دوسرے بتوں کو توڑتے ہیں۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حرم کا طواف کرتے ہیں اور تعظیم کے ساتھ سنگ اسود کو مس کرتے ہیں۔ نماز پڑھنے اور اللہ کے رحم کا شکریہ ادا کرنے کے بعد آپ چاہِ زمزم پر جا کر پیاس بجھاتے ہیں

ان متعدد رسوم کے ادا کرنے کے بعد آپ آیات قرآنی سے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہیں "خدا واحد ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کر کے اپنے بندوں کو فتح نصیب کی ہے۔ نیز اس نے دشمنوں کو پریشان کر دیا ہے اور اس کی فوج کو شکست دی ہے۔ اس نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں تمہیں بت پرستی سے باز رکھوں۔ اب تم بے جان خداؤں کی تعظیم نہیں کرو گے۔ اب تم عقائد بے دینی پر عمل پیرا نہیں ہو گے"

زور بازو سے حاصل کی ہوئی فتح کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ مفتوحین پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ ان کی جائداد پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اور اہم قیدیوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ قریش کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رعایت حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ موجود نہیں۔ آپ نے قریش سے فرمایا "اب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں"؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ جو ایک فیاض بھائی کر سکتا ہے۔" آپ نے فرمایا "بہت اچھا میں تمہیں تادیب نہیں کروں گا۔ تم آزاد ہو۔ کیونکہ خدا نے تمہیں

معاف کر دیا ہے۔

——— شام کے وقت خاموشی میں حضرت عمرؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ قریش کے ساتھ کیوں ایسی فیاضی کا سلوک کیا گیا ہے۔ جب کہ انہوں نے اسلام کے خلاف کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ اس لئے کہ ان کے خلاف کوئی توبیخ نہیں اور اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اور اُن کے عیال و اطفال مسلمان ہو جائیں گے۔

——— حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دفعہ فیاضی اور عالی حوصلگی کا اظہار کر چکے ہیں۔ کہ یاد رکھنا مشکل ہے۔ لیکن قریش کو فوری معافی دے دینا تاریخ کا ایک عدیم النظیر واقعہ ہے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عفوِ عام میں ابوسفیان کے گھر کی وہ عورت جس نے حضرت حمزہؓ کا جگر چبا لیا تھا۔ وحشی حبشی جس نے حضرت حمزہؓ کی پیٹھ میں برچھی گھونپ کر آپ کو شہید کر دیا۔ ابوسفیان جس نے اسلام کے خلاف فوج کشی کی تھی۔ عکرمہ ابن ابوجہل جو جنگ احد کے سالاروں میں تھا اور جس نے صبح داخلۂ مکہ کے وقت خالدؓ سے مقابلہ کیا تھا۔ نبی کریمؐ کا محرر عبداللہ جس نے قرآن کریم کے صفحات میں تحریفات کیں۔ قریبہ رقاصہ جس نے اپنے فن کے ذلیل حرکات کے ذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک کی وغیرہ بھی شامل ہیں تو آپ کی فراخ دلی کی وسعت فی الحقیقت حیرت افزا معلوم ہوتی ہے۔

(۸)

فتح مکہ بتاریخ ۲۱ رمضان ۸ھ بروز جمعہ مطابق ۶۳۱ء ظہور میں آئی۔ ڈیڑھ ماہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امورِ دین و سلطنت

کے نظم و نسق کے لئے شہر میں ٹھہرتے ہیں۔ اس عرصہ میں آپنے عثمانؓ کو کعبہ کی چابیاں واپس دے دی ہیں۔ جنہیں چھوڑ کر وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار چچا حضرت عباسؓ کی نگرانی میں وہ متبرک پیالہ دیا جاتا ہے جس سے زائرین چاہ زمزم پر پانی پیتے ہیں اور خود نبی کریمؐ نے جبل صفا پر بیٹھنا معمول بنا لیا ہے۔ جہاں آپ روز بروز ایسا کام کر دکھاتے ہیں جو دنیا نے قبل ازیں نہیں دیکھا۔ اور نہ دوبارہ دیکھے گی۔

—— سادہ لباس میں ملبس اور ایک چٹان پر اپنے جانثاروں اور معتقدین کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے آپ کو خدائے واحد اور صداقت پیغام کی تصدیق معلوم ہوتی ہے ،، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله ،،

—— قبائل اور گروہ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ باری باری سے وہی پیمان کرتے ہیں جو اہل یثرب نے جبل عقبہ پر کیا۔ یعنی یہ کہ وہ خدائے واحد کے سوا سب معبودوں کو ترک کریں گے۔ چوری زنا اور طفل کشی۔ اور دروغ گوئی سے احتراز کریں گے۔

—— یاد رہے کہ روایات کے مطابق حضرت اسمٰعیل جو مکہ میں خدائے واحد کا عقیدہ لائے۔ اور انہوں نے ہی مقدس کعبہ کی عظمت قائم کی۔ عرصہ دراز تک معبد کی تطہیر برقرار رہی لیکن جب معتقدین کعبہ کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ وہ معبد کے اندر سما نہ سکے تو بعض نے زیارت گاہ سے پتھر کے ٹکڑے لیجا کر اپنی آبادیوں میں نصب کر لئے۔ یہ پتھر ابتداً دین اسمٰعیلؑ کی یادگار کے طور پر تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ خود ایک قابل تعظیم چیز بن گئے۔ اور اُن کی اصل غرض فراموش ہو گئی۔ کچھ وقت پا کر ان پتھروں نے انسانی شکلیں اختیار کیں۔ دیوتا اور دیویاں

پیدا ہو گئیں۔ جن کے جسموں کی پرورش کرنے اور جن کی گرسنگی کو مطمئن کرنے کی ضرورت تھی۔ خرابیاں بڑھ گئیں مکہ قبائلی معبودوں کا مرکز بن گیا۔ اور کئی نسلوں تک انہیں نواحی قبائل کی تعظیم ہوتی رہی تاآنکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ عربوں کے مذہبی مرکز کی حیثیت سے مکہ کی عظمت مسلّم تھی۔

—— کعبہ کے بتوں کا خاتمہ کر لینے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربستان کے تمام حصوں میں پیغام بھیجکر لوگوں کو اپنے بتوں کے ساتھ یہی سلوک کرنے کی دعوت دی۔ لیکن قاصدوں پر واضح کیا جاتا ہے کہ ان کا فرض صرف ترغیب دلانے تک محدود ہے۔ اس کو متشددانہ اقدامات تک وسیع نہ کیا جائے انہیں پرامن رہنا چاہیئے۔ جو پیغام انہیں پہنچانا ہے وہ اسلام کا پیغام ہے جس کا مطلب سلامتی ہے۔ ان کا سلام ان کے مقصد کا مظہر ہوگا "السلام علیکم" یعنی سلامتی ہو تم پر۔

—— لیکن قاصدوں میں سے کوئی بھی مخالفین کے لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سی قوت برداشت اور منکرین کے لئے جذبہ رواداری نہیں رکھتا۔ مثلاً خالدؓ کا دل مصالحت کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمانوں سے اُن کی نفرت ایسی ہی نمایاں تھی۔ جیسی اب انہیں جاہلیت سے نفرت ہے خالدؓ کے الفاظ میں کافروں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے وہ بنی حذیمہ کے درمیان ایک ہاتھ میں قرآن کریم اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر وعظ کہتے ہیں۔ بنی حذیمہ ایمان نہیں لاتے۔ اس لئے خالدؓ انہیں جنگ کی دعوت دیتے ہیں جسے وہ قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی قوت جمع کر کے جنگ کرتے ہیں۔ لیکن خالدؓ انہیں آسانی کے ساتھ شکست دے کر بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کر لیتے

ہیں۔ وہ اُن کے سر اڑا دینے کی تجویز کرتے ہیں۔ جب یہ قرار پاتا ہے کہ معاملہ کو نبی کریمؐ کے مشورہ تک ملتوی رکھا جائے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب خالدؓ کے اسلامی جوش کا حال سنتے ہیں تو فوراً حضرت علیؓ کو بھیجتے ہیں کہ وہ بنو جذیمہ کے نقصان جان کی تلافی کریں اور خالدؓ کی غیر رواداری پر افسوس کا اظہار کر کے فرماتے ہیں "اے اللہ میں خالدؓ کے جرم سے بری الذمہ ہوں"۔

(۹)

جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں۔ خدائے واحد اور اس کے رسول محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے قبائل کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اسلام اپنے کمال کو پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسکے سر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت عروج پر پہنچ گئی ہے۔ تمام آنکھیں آپ پر لگی ہوئی ہیں اور اسلام مباحث کا مرکز بن رہا ہے۔

——تاریخ اسلام کے اِس اہم موقعہ پر دین اسلام اور اُس کے پیغمبر پر ایک آخری تبصرہ دلچسپ ہوگا۔ کیا اسلام فی الحقیقت تمام بنی نوع انسان کے لئے سلامتی کا دین ہے؟۔ اس سوال کی تائید میں دلائل موجود ہیں۔

—— اوّل اسلام اس خصوصیت پر فخر کر سکتا ہے کہ ایک اچھا مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم سے پہلے آنے والے ادیان کی صداقت سے انکار کیا جائے۔ قرآن کریم نئے نظریات پیش نہیں کرتا۔ جن سے ذہن انسانی پہلے ہی آشنا ہو۔ اس کا مقصد وحدتِ خداوندی کی حقیقت کو پھیلانا ہے۔ یہ وہ پاک کتاب ہے جس میں تمام صحیفے موجود ہیں۔

—— دوم۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ جو بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے

ایک بچہ اور ایک داتا آدمی دونوں اس کی سادگی سے یکساں خوشی حاصل کرتے ہیں۔ یہ خلاف منطق دلائل اصول سے بوجھل نہیں۔ اس میں تناسخ کے سے نظریئے اور ایسے معجزات موجود نہیں جو سائنس یا عقل عامہ کے خلاف ہوں۔ اس میں دل اور دماغ کو مختلف راستوں پر چلنے کی ضرورت نہیں۔ ہر مسلمان اپنے عقیدہ کا اظہار اپنی فراست کی توہین کے بغیر کر سکتا ہے۔ اسلام کے عام اصول سورہ بقرہ کی ایک آیت میں بیان کئے گئے ہیں جو تعداد میں پانچ ہیں تین صرف عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دو عمل سے۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدائے واحد صداقت قرآن اور سابقہ کتب مقدسہ پر ایمان رکھے عملی پہلو میں مسلم کو نماز پڑھنی چاہیئے اور وسیع حد تک خیرات دینی چاہیئے۔ ایک اچھا مسلمان بننے کیلئے عملی پہلو ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ غیر عملی۔ صرف ایمان لے آنا کافی نہیں۔ قرآن کریم بار بار ان کا ذکر کرتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔

——— سوم۔ رہبانیت یا کسی قوم کے برگزیدہ اور منتخب ہونے کے تصور کو تعلیم اسلام میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ایک عام انسانیت کا اصول خدائے واحد کے عقیدہ کا حامل ہے " اے انسانو۔ ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو جان سکو " "کوئی ایسی قوم نہیں گذری۔ جس میں تنبیہہ کرنے والا پیدا نہ ہوا ہو" نجات اور رحم کسی خاص عقیدہ کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں " مجھے پکارو اور میں تمہیں جواب دوں گا،، " میرا رحم تمام چیزوں پر حاوی ہے،، " ہم قیامت کے دن درست میزان قائم کریں گے تا کہ کسی کو ناانصافی کی ذرہ بھر شکایت نہ رہے،، نسب کا کوئی افتخار نہیں۔ اور نہ رنگ۔ نسل اور زبان بے عزتی کا

باعث ہے۔ بڑائی کا صرف ایک معیار ہے جو سب کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے "یقیناً خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو اپنے فرائض کا زیادہ پابند ہے"۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مواعظ میں واضح کیا ہے۔ کہ "اگر ایک حبشی غلام تم پر حکمران کیا جائے تو اس کی بات سنو اور اس کی متابعت کرو"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آن کے اصحاب کی قایم کردہ مثالوں اور اولی الذکر کی تعلیمات سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا اصول صرف نظریات ہی نہیں بلکہ ان پر حیات روز مرہ کے واقعات میں عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

——— چہارم۔ اسلام تمام مسلمانوں میں اخوت قایم کرتا ہے۔ اس موضوع پر متعدد بار لکھا جا چکا ہے۔ مسلمانوں میں اخوت کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی تھی جب کہ آپ نے فرمایا "تم میں کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں رکھ سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے بھائی کو ایسا ہی نہ چاہے جیسا کہ وہ اپنے آپ کو چاہتا ہے"۔

——— پنجم۔ اسلام سلامتی اور رواداری کا مذہب ہے۔ اس کا اعلیٰ ترین اصول جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سلامتی ہے مسلمان وہ ہے جس نے خدا اور بندے کے ساتھ سلامت روی اختیار کی ہے۔ خدا کے ساتھ سلامت روی کا مطلب اس کی رضا پر مکمل طور پر سر تسلیم خم کرنا اور اس کے قوانین کی متابعت کرنا ہے۔ انسان کے ساتھ سلامت روی اپنے ہم نوع کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا ہے "تم میں سے جو اللہ کی متابعت کرتا ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ اپنا انعام حاصل کرے گا"۔

——— ششم۔ اسلام صرف ایک نظریہ کی تکمیل کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک

عملی علم الاخلاق کا آئین حیات روزمرہ کا راہنما ہے۔ خدا کے فرائض کے ساتھ ساتھ انسان پر اپنے آپ۔ اپنے ہم نوع۔ اور جنس لطیف کے فرائض بھی ہیں۔ ذکواۃ دینا۔ عملی وفاع دینی۔ معاہدوں کی تکمیل۔ سود۔ شراب اور اکل حرام سے پرہیز کرنا۔ عورتوں۔ غلاموں اور یتیموں سے منصفانہ برتاؤ کرنا۔ یہ اسلام کے بعض ضروری فرائض میں سے ہیں۔ یہ حکم کہ تم میں سے شریف ترین وہ ہے جو اپنے فرائض کا پابند ہے۔ اسلام اس صورت میں یکساں طور قابل عمل ہے

——— ہفتم۔ اسلام میں انعام کا انحصار عمل پر ہے۔ نہ کہ صرف عقیدے پر

——— ششم۔ اسلام معاشری نوعیت کے متعدد نقائص رفع کرتا ہے اس طرح ایک غلام کے لئے آزادی حاصل کرنے کا حق پورے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اور وہ نہ صرف آزادی ہی حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک فوج کی قیادت کر سکتا ہے۔ ایک سلطنت کا حکمران ہو سکتا ہے۔ اور سلطنت کے اندر اعلیٰ ترین نسب رکھنے والی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ اسلام میں عورت کو جائیداد اور وراثت کا حق پہنچتا ہے۔ ازدواجی رشتہ میں اسے مردوں کی مساوی سطح پر لایا گیا ہے ظلم اور ناانصافی سے اس کی حفاظت کیگئی ہے بعض حالات میں وہ خلع اور طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اسلام غریبوں کی مدد کے لئے بھی ایک قاعدہ پیش کرتا ہے۔ جو رضا کارانہ بھی ہے اور فرض بھی۔ مقدار کے لحاظ سے بھی اس کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ غریبوں کی پرورش کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ اور آمدنی کے لحاظ سے اتنا کم کہ اس سے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔

——— نہم۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ جو فطرت انسانی کو پہچانتا ہے کہ مرد فطرتاً ایک شادی کرنے پر قانع نہیں۔ نیز یہ کہ مرد اور عورت میں نااتفاقی

جلد ہو سکتی ہے۔ ایک اچھا مسلمان بننے کے لئے ضروری نہیں کہ لذتِ دنیا سے کنارہ کشی کی جائے۔ بھوکوں مرا جائے۔ جسم کو بگاڑا جائے۔ ایسے ازدواجی اتحاد میں وفاداری قایم رکھی جائے جس میں محبت مفقود ہو چکی ہو۔ یا خوراک اور گوشت کی معمولی اشتہا کو روکا جائے۔ اسلام میں زمین کی وراثت کے لئے تحمل مزاجی کی ضرورت نہیں۔ اور نہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے بچہ بننے کی ضرورت ہے۔ تمہارے لئے یہ ضروری نہیں کہ دشمن کے سامنے دوسرا گال پیش کر دو۔ جب کہ تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ جوابی طمانچے کے لئے بیقرار ہے۔ یا نا منصفانہ قوانین کی متابعت کرو۔ اور ظالموں کے ظلم سہو۔

——— دہم۔ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے۔ جو تعلیم و تربیت کو خدا کی عبادت سے مقدّم قرار دیتا ہے لہٰذا اسلام میں مذہب اور سائنس پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ سائنس چونکہ ترقی پذیر ہے اس لئے دینِ اسلام جس طرح تمام نوعِ انسان کے لئے ہے۔ اسی لئے یہ تمام زمانوں کے لئے ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں فطرت کی قوتوں اور کائنات کے پوشیدہ گوشوں کی جستجو نہ صرف مقصدِ انسانی کی خدمت ہے بلکہ جلال خداوندی کی خدمت بھی ہے آپ فرماتے ہیں "جو شخص طلب علم میں گھر سے نکلتا ہے۔ وہ خدا کے راستہ پر چلتا ہے" اور پھر ارشاد ہوتا ہے "ہر مرد و زن پر واجب ہے کہ علم حاصل کرے۔" "صاحب علم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ متبرک ہے" "علم حاصل کرو۔ یہ تمہیں صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل بنا دے گا۔ یہ تمہارے لئے بہشت کا راستہ روشن کرے گا۔ یہ صحرا میں تمہارا دوست ہے تنہائی میں تمہارا رفیق۔ مسرتوں کا رہنما تمہارے دکھ کاٹنے والا۔ دوستوں کے درمیان تمہارا زیور اور دشمنوں میں تمہاری زرہ ہے"

——— اس طرح قرآن کریم اسلامی دنیا میں نہ صرف ایک شاندار ادبی کارنامہ بن گیا ہے بلکہ اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا ایک انتخاب بھی ہے۔ اس کی روح آفرینی ہی ایک معجزہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ یہ حیاتِ انسانی کی بجھتی ہوئی آگ میں خدا کی پھونک ہے۔

——— تمام بڑے بڑے معلمین میں سے جو اس وقت دنیا میں آئے حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسے ہیں جو دعویٰ کر سکتے ہیں کہ آپ کو نہ صرف نظریات کی توضیح کرنے کا ہی موقع ملا۔ بلکہ ان کے نظریات کے عملی امتحان کا موقع بھی ملا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خیرات اور عفو کے متعلق اعلیٰ ترین جذبات کا اظہار کیا اور صلیب پر بھی انہوں نے دشمنوں کو معاف کردیا ”وہ نہیں جانتے وہ کیا کر رہے ہیں“ لیکن ان کی قسمت میں نہ تھا کہ دشمنوں کو اپنے سامنے مغلوب دیکھیں۔ مانی۔ زرتشت اور بدھ کو بھی وہی پیش آتا ہے جو حضرت عیسیٰ کی تقدیر میں تھا۔ اور اُن کی موت تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ لوگوں کی بڑی تعداد ان کی نصیحتوں کو سمجھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام واضح طور پر حضور نبی کریمؐ کی پوری زندگی کے عرصہ میں ابتدا سے انتہا تک پہونچا۔ حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اپنے پیشرو نبیوں میں امتیاز حاصل ہے۔ زندگی کے تمام مراحل سے گذرنا پڑا ہے ” یتیم سے بادشاہ۔ تصور بیں سے دنیا کا بزرگ ترین انسان۔ آپ کی حیرت انگیز “ زندگی نے سب رنگ دیکھے ہیں۔ یعنی بیٹا۔ باپ۔ خاوند۔ ہمسایہ۔ تاجر۔ واعظ ستم رسیدہ۔ مہاجر۔ دوست۔ سپاہی۔ سالار فوج۔ فاتح۔ منصف۔ حاکم قانون ساز۔ سیاست داں۔ اور اب ایک شہنشاہ۔ ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں۔ کہ ہم اپنے اندازہ کو آپ کی تعلیمات کی بلاغت یا جذبات کی رفعت

تک محدود رکھیں۔ ہم آپ کے اوصاف کا اندازہ۔ آپ کے افعال سے کر سکتے ہیں۔ اور آپ کو اعمال کے ترازو میں تول سکتے ہیں

—— جن گروہوں نے جبل الصفا پہ اسلام قبول کیا ہے۔ وہ سب کے سب آپ کی فوجی تنظیم کی عظمت سے متاثر نہیں ہوئے عرب قسمت کی فریب کاری اور ناپائیداری اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے وقتی تبسّم کی وقعت کو پہچانتا ہے۔ یہ لوگ اس آدمی سے بہت متاثر ہوئے ہیں جو ان کے سامنے عام بدوؤں کے لباس میں بیٹھا ہے اور جس نے اپنے اقوال و افعال سے انہیں قائل کر لیا ہے کہ وہ فتح کے نشہ میں سرشار نہیں بلکہ فتح و شکست میں وہ یکساں طور پہ جان نثاری کے ساتھ اپنے خدا کی طرف دھیان کرتا ہے

—— اہل مکہ اپنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف کے دنوں سے جانتے ہیں۔ مدینہ میں اُن کی عظمت کے متعلق انہوں نے صرف سنا ہی تھا۔ لیکن اب جب کہ وہ ان کے درمیان میں انہیں وعظ سناتے ہیں۔ اور سلطنت کا نظم ونسق کرتے ہیں۔ ان سے ملتے جلتے ہیں۔ مختلف قسم کے امور عامہ اور امور خارجہ انجام دیتے ہیں تو وہ اپنے عظیم الشان نبی بادشاہ کو قریب سے دیکھ سکتے ہیں

—— وہ آپ کو کس قسم کا انسان پاتے ہیں؟

—— ایک باحیا انسان۔ کیونکہ جب لوگ اُن کی تعریف میں اشعار پڑھتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے ہیں۔ ایک معاملہ کے صاف انسان۔ وہ سامان خرید تے ہیں۔ اور بازار کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ جب وہ قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ تو خریدنے سے محترز رہتے ہیں۔ اگر وہ ادھار لینے پہ مجبور ہو جائیں تو مطمئن نہیں رہ سکتے جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیں۔ نسلی افتخار اور دنیوی

عظمت ان کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ مزدلفہ جو ایام حج میں قریش کے لئے مخصوص جگہ ہے ہر شخص کے لئے کھول دی گئی ہے۔ اب جو شخص وہاں پہلے پہنچ جائے وہی اس کا حقدار ہے وہ آپ کو ایسا انسان پاتے ہیں جو طاقت اور حیثیت سے مغرور نہیں ہوتا۔ وہ آزاد آدمی اور غلام کی دعوت کو یکساں طور پر قبول کرتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرتے ہیں۔ اگر راستہ میں کہیں جنازہ مل جائے تو اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اپنے آدمیوں میں معمولی آدمی کی طرح جاتے ہیں غمزدوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ ضرورت کے وقت دستگیری کرتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہو مشورہ دیتے ہیں۔ ان کی طرز زندگی اور خوراک سادہ ترین ہے وہ مہمان نوازی کرتے اور قبول کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہیں۔ اونٹ کی سواری جانتے ہیں لیکن پیدل چلنے میں شرم نہیں کرتے وہ خشک مزاج نہیں بلکہ مذاق سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اور جی بھر کر ہنستے ہیں۔ فرصت کے وقت وہ بچوں سے کھیلتے ہیں اور اپنے دوستوں کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ وہ پھولوں کی خوشبو اور عطر کی خوشبو پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کی زندگی سادہ ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی طبع کو زندگی کی اچھی چیزوں کے ترک سے بگاڑ نہیں لیا۔ وہ محبت کے عوض محبت کرتے ہیں وہ ایک خوشدل دوست ایک نرم مزاج خاوند اور ایک منصف طبع مالک ہیں۔ وہ ایک قابل تقلید حاکم ہیں۔ فیاض ہیں مفلس اور بدقسمت انسانوں کے لئے ان کا دل خاص جگہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کی طرح وہ چھوٹے بچوں کو بہت محبت کرتے ہیں۔ ان کا دل وسیع ہے۔ وہ بحث کو پسند کرتے ہیں۔ دوسروں کی اچھی صفات کا اعتراف کرتے ہیں وہ اپنی غلطی یا فروگذاشت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ صحیح

تنبیہہ سے شرمسار نہیں ہوتے ۔ خواہ وہ خدا کی طرف سے ہو یا انسان کی جانب سے ۔ ان کی سب سے زیادہ قابل قدر صفت یہ ہے کہ وہ اپنے اندازہ کے مطابق محض ایک آدمی سے زیادہ کچھ نہیں

ساتواں (۷) باب

"انسان"

اِدھر لوگ قبائل در قبائل مکہ میں آ کر اتحاد و اطاعت کی نذر پیش کرتے ہیں اور نئے دین کے دائرہ میں آ رہے ہیں۔ اُدھر خبر موصول ہوتی ہے کہ ھوازن Hawazan اور ثقیف Thaqif نے مقابلہ کی تیاری کی ہے اور وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجیں جمع کر رہے ہیں ان کا ارادہ ہے کہ مقابلہ کے لئے مسلم فوج کی تیاری سے پہلے مکہ پر دھاوا بول دیا جائے

—— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسرعت باہر نکلنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور جب دشمن ابھی اجتماع عساکر میں ہی مشغول ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار فوج لے کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں دس ہزار وہ ہیں جو مدینہ سے ہمراہ آئے ہیں اور دو ہزار مقامی طور پر بھرتی کئے گئے ہیں۔ یہ ان افواج میں سب سے بڑی ہے جو اب تک عربستان میں کسی ایک سردار کے ماتحت جمع ہو۔ یہ ایسا شاندار منظر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افسروں میں سے ایک یہ بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ "یہ

ناممکن ہے کہ ہماری فوج جیسی اعلیٰ فوج کبھی شکست کھا جائے۔" اس تعلّی کے لئے حضرت نبی کریمؐ اُسے تنبیہ کرتے ہیں۔

—— حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام حنین پر صف آرا ہوتے ہیں۔ یہ مقام مکّہ سے ایک دن راستہ پر وادی میں واقع ہے۔ دونوں کناروں پر بڑی بڑی پہاڑیاں نیلگوں آسمان میں سربلند کئے ہوئے ہیں سامنے اوطاس سے جہاں سے آپ دشمن پر اچانک حملہ کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ لیکن رات وادی گات کے لئے مضر ثابت ہوتی ہے۔ ہوازن کا سردار رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھا کر نصف فوج درّہ کوہ کے سرے پر بھیج دیتا ہے۔ اور باقی نصف کو عقب سے گھیر ڈالنے کے لئے بھیج دیتا ہے صبح کے وقت اسلامی فوج اپنے کو آہنی شکنجہ کے اندر پاتی ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آدمیوں میں سے کچھ ہمت ہار کے نواحی وادیوں میں پناہ لینے کے لئے دوڑتے ہیں۔ باقی بحال نیم رضامندانہ جنگ کرتے ہیں۔ جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیس سال کی محنت ایک ہی دن میں ضائع ہو جائے گی۔

—— مسلم فوج دو محاذوں پر جنگ کرنے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے جنگ طویل اور پر توقع ہے اور کئی انقلابات کے بعد جب کہ کافروں اور مسلمانوں کا پلہ مساوی معلوم ہوتا ہے تو شام کے وقت مسلمان عساکر ایک زبردست دھاوا بولتے ہیں اور دشمن فرار ہوتا نظر آتا ہے۔

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مفرور مالک کا تعاقب طائف تک کرتے ہیں جہاں ہوازن پناہ لیتے ہیں مسلم فوج شہر کا محاصرہ کر لیتی ہے۔ اور زبردست جدوجہد کے بعد شہر اطاعت قبول کر لیتا ہے۔ اس مہم کا مال

غنیمت بے شمار ہوتا ہے۔ چھ ہزار اسیران جنگ بیس ہزار بھیڑ بکریاں چار ہزار اونس چاندی اور چوبیس ہزار اونٹ ہاتھ لگتے ہیں ہوازن مفید شرائط پر صلح کرنے کے لئے عجلت سے کام لیتے ہیں وہ ایک بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیتے ہیں اور اپنے قیدیوں اور مال و اسباب کی واپسی کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔

——— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے سپاہی تمہارا مطالبہ تمام وکمال پورا کرنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ ایک چیز منتخب کر لو!"

——— دس روز کی گفت و شنید کے بعد ہوازن قیدیوں کی رہائی پسند کرتے ہیں۔ اور چھ ہزار مرد۔ عورتیں بچے واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ دشمنوں کے سردار مالک کو نبی کریمؐ اُس کے مسلمان ہونے کے صلہ میں ایک سو اونٹ اپنی طرف سے تحفتاً پیش کرتے ہیں۔ نیز اُس کی ذاتی جائیداد اُس کو دے دیتے ہیں۔ ہوازن کو آپ اظہار خوشنودی کے طور پر مال غنیمت کا پانچواں حصہ واپس کر دیتے ہیں۔ یہ وہ حصہ ہے جو قاعدہ کے مطابق بیت المال میں جمع ہونا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مالک کو اپنا گورنر مقرر کر کے فتح کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے مکہ کو واپس آتے ہیں

——— اس مہم کے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک حادثہ رونما ہوا۔ جس کا تذکرہ ان صفحات میں ضروری ہے تقسیم کے بعد معلوم ہوا۔ کہ انصار کی بہ نسبت نئے مکی مسلمانوں کو زیادہ حصہ ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ اور مکہ کے عساکر کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو تمام فوج کو جمع کر کے ان سے خطاب کیا "اے انصار میں نے سنا کہ تم اپنے حصہ سے غیر مطمئن ہو۔ میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں۔ کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے تھے اور خدا نے تمہیں سیدھے راستہ پر لگایا۔ تم تکلیف میں تھے۔ اور خدا نے تمہیں راحت بخشی۔ تم اپنے ساتھ دشمنی کر رہے تھے

خدا نے تمہارے دلوں کو برادرانہ محبت و الفت سے بھر دیا - کیا یہ ٹھیک نہیں!
- انصار کے سردار نے اپنے آدمیوں کی طرف سے جواب دیا "بیشک - یارسول اللہ آپ درست فرماتے ہیں"

حضور نے فرمایا "نہیں یہ کافی نہیں تم نے مجھے جواب دیا ہوتا اور صحیح جواب دیا ہوتا - جب کہ میرے اپنے آدمیوں نے مجھے جعل ساز کہہ کر مجھ سے انحراف کیا تھا - اور یقین کرو کہ میں ایک بے یار و مددگار رہا جس کی حیثیت میں تمہارے پاس آیا - اور تم نے میری مدد کی - میں ایک غریب اور برادری سے نکالا ہوا شخص تھا تم نے مجھے پناہ دی میں بے چین تھا اور تم نے مجھے آرام بخشا - اے انصار - تم دنیوی چیزوں سے اپنے دلوں کو کیوں مضطرب ہونے دیتے ہو؛ کیا یہ کافی نہیں کہ میں تمہارے پاس ہوں - اور تمہارے ساتھ جاؤں گا - مجھے اس مالک کون و مکاں کی قسم ہے کہ میں کبھی تمہیں نہیں چھوڑوں گا - اے انصار - اگر تمام نوع انسان ایک طرف کو جاتے اور تم دوسری جانب - تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا -

مجمع پر گہرا اثر ہوا اور انہوں نے کہا "اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے ہیں تو ہم مطمئن ہیں - ہم پھر مال غنیمت پر جھگڑا نہ کریں گے"

اس طرح ہجرت کا آٹھواں شاندار سال ختم ہوتا ہے - یہ کئی وجوہ سے شاندار ہے - اس نے مکہ کی فتح، حنین و اوطاس کی فتح اور اسلام کی تکمیل دیکھی ہے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی زندگی کے لئے بھی یہ سال مسرت بخش رہا مقوقس کی فرستادہ قبطی لڑکی کے بطن سے آپ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام ابراہیم رکھا گیا - آپ کے گھر میں اس تقریب پر بہت خوشی منائی گئی ہے - کیونکہ ایک بیٹے کے لئے آپ کی آرزو معلوم ہو چکی ہے حضرت

خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں۔ یہ اس لئے نہ تھیں کہ آپ کو ان کی ضرورت تھی۔ کیونکہ آپ کے گھر میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ جیسی حسین ترین بیویاں موجود تھیں۔ ان شادیوں میں سے بعض سیاسی نزدیات کے پیش نظر کی گئیں۔ مثلاً صفیہ سے ازدواج یہودیوں سے اتحاد قایم کرنے کے لئے۔ میمونہ سے قریش کو۔ اور جویریہ سے بنو مصطلق پر احسان کرنے کے لئے نکاح کیا گیا۔ دوسری شادیاں اپنے پیرووں کی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے تھیں۔ اُن میں اُمِّ حبیبہ۔ سودا۔ اور حفصہ شامل ہیں دریائے نیل کے کنول مصری لونڈی ماریہ قبطیہ کے ساتھ نکاح نہ سیاسی غرض سے تھا اور نہ جذبات محبت کے باعث۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرزند چاہتے تھے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے۔ جس میں ایک عظیم ترین شہنشاہ سے ایک غریب ترین فرد رعیت تک آپ کے شریک ہیں۔ لہذا ابراہیم کی پیدایش نے آپ کو فرحت بخشی ہے اور شاید یہ خوشی فتح مکہ یا بازنطینی افواج کی شکست کے برابر ہے

(۷)

——— دسویں سال کے شروع میں دور دراز کے مقامات۔ مثلاً۔ یمن۔ بحرین اور حدود شام وایران کے شہروں سے نمائندے مدینہ میں آنے لگتے ہیں بعض اسلام قبول کرنا اور بعض اتحاد قایم کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب اسلام نصف النہار پر اور بے ابر آسمان میں بڑی شان کے ساتھ چمک رہا ہے صبح کی دھند اور رات کے شبہات زائل ہو چکے ہیں۔ بربریت۔ انتقام خون۔ رسوم جاہلیت اور مذموم عقاید کی جگہ۔ علم۔ تہذیب۔ مفاہمت اور انسانیت کے عہد

نے لے لی ہے۔ لہذا مدینہ میں شمال جنوب اور مشرق سے اسلام کو اور اس کے پیغمبر کو نذر عقیدت پیش کرنے کے لیئے قاصد آتے ہیں۔

—— بعض ایسی دستاویزات لے کر واپس جاتے ہیں جن میں مسلم حکومت کے اتحادیوں کے طور پر ان کے حقوق و فرائض مرقوم ہیں۔ بعض سردار اسلام کی طرف سے تحفے لے کر جاتے ہیں۔ کئی اپنے ساتھ مبلغین اسلام کو لے کر جاتے ہیں تاکہ موخر الذکر ان کے وطن میں نئے دین کی اشاعت کریں ایک بڑی تعداد اپنے لباس اور عقیدہ کو ترک کر کے راستہ کے لیئے نئی پوشاک اور روح کے لیئے نیا لباس لے کر جاتے ہیں۔

—— ان نمائندوں میں بنو ثقیف کے نمائندے بھی ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے آتے ہیں کہ اگر انہیں نماز معاف کی جائے اور تین سال تک ان کو اپنے بت لات کی پرستش کی اجازت دی جائے تو وہ اسلام قبول کر لیں گے۔

—— حضرت عمرؓ جو اس درخواست کے وقت موجود ہوتے ہیں اپنے غصے کو ضبط نہیں کر سکتے۔ اور کہتے ہیں "خدا تمہیں جہنم کی آگ میں جلائے"

—— بنو ثقیف کا سفیر جواب دیتا ہے "ہم پیغمبرؐ سے کلام کرتے ہیں نہ کہ تم سے"

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں اس تجویز کو نہیں سن سکتا۔ تم اسلام اور لات میں ایک چیز کو منتخب کر لو"

—— ثقفی سفیر پہ بجلی سی گر جاتی ہے۔

—— "کم از کم ہمیں چھ ماہ کی اجازت دیجیئے۔ ہم لات کے لئے صرف چھ ماہ کی اجازت چاہتے ہیں"

—— "نہیں"

—— "ایک ماہ کے لئے"

—— "نہیں ایک گھنٹہ کے لئے بھی نہیں"

— — — سفیر اپنے شہر کو واپس چلے جاتے ہیں۔ اور ان کے ہمراہ مسلم سپاہیوں کا ایک دستہ جا کر لات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

—— اس طرح جب اسلام دور تک پھیل جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب دی جائے۔ بہت سے آدمیوں نے قرآن کریم حفظ کر لیا۔ تاکہ اگر قرآن کریم کا مسودہ ضائع ہو جائے تو قرآن کریم گم نہیں ہو سکتا۔ یہ کارروائی یقین دلا دیتی ہے کہ ہمیشہ کے لئے قرآن کریم اپنی اصلی صحت کے ساتھ برقرار رہے گا۔ اس کی کسی سطر یا علامت وقت میں تغیر و تبدل نہیں ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی کے ابتدائی سالوں ہی سے نبی کریمؐ نے احتیاط کی ہے۔ کہ اس بیش بہا کلام کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ آپ کلام الٰہی کو لکھوا دیتے تھے جب کہ وہ نازل ہوتا تھا۔ اس کا زیادہ حصہ پہلے زید ابن ثابت نے تحریر کیا۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد یہ فرض مختلف اصحاب بجا لاتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ عبداللہ بن سعد اور خالدؓ نے یہ فخر حاصل کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان محررین کو واضح طور پر ہدایت کر دی تھی۔ کہ وہ ان تحریروں میں وہ باتیں درج نہ کریں جو وہ خود فرماتے ہیں۔ تاکہ کلام پاک اور آپ کے شخصی تبصروں میں جو آپ نے کئی موقعوں پر فرمائے گڑبڑ نہ ہو جائے

—— اس طرح اسلامی قانون شریعت کی بنیاد پڑتی ہے۔ جو سب دنیوی قوانین سے زیادہ قابلِ عمل ہے۔ کیونکہ یہ زندگی کے تمام پہلوؤں

کی تنظیم کے لئے ہے۔یعنی خدا۔ہمسایوں۔اور اپنے آپ کے فرائض۔اس لئے شریعت اخلاقی۔مذہبی اور قانون فرائض کا ایک ضابطہ آئین ہے۔یہ نہ صرف مسلم کی نجی زندگی پر حاوی ہے۔بلکہ وراثت۔شادی۔طلاق اور عام قانون تعزیرات کی بعض شاخوں کے متعلق قانون معین کرتا ہے۔اسلامی قانون۔نظریہ اسلام اور عملی امور مذہب کی طرح اولاً خدائی الفاظ پر مبنی ہے۔جو قرآن پاک، میں موجود ہیں اور ثانیاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر۔جو آپ کے ارشادات اور طرز حیات (سنت) پر مشتمل ہے مؤخرالذکر قرآنی احکامات پر قیمتی اضافہ خیال کئے جاتے ہیں۔کیونکہ لوگوں کی نظروں میں نبی کریمؐ اُن پر الہامی پیغمبر کے طور پر حکمران ہیں۔جب کبھی آپ موجود ہوتے ہیں نماز کے وقت امام بنتے ہیں۔آپ منصف ہیں اور حاکم فوجی اور پبلک ادارے بھی آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ہٰذا اسلامی قانون کی نشرو ارتقا میں نبی کریمؐ کی حیثیت منصف کی ہوتی ہے۔جو مدینہ میں عدالت کرتے ہیں۔آپ کو ابتدأ قرآن کریم رہنمائی کرتا ہے اور جس معاملہ میں وہ خاموش ہے۔اس کے متعلق آپ اپنا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔آپ کے نائب جن کے ذمہ عدالتی اور حکومتی اداروں کا چلانا ہے۔پہلے قرآن کریم سے مشورہ لیتے ہیں۔پھر کسی ایسے فیصلہ کو مثال بناتے ہیں جو حضرت رسول کریم صلعم نے اسی قسم کے قضیہ میں صادر کیا ہو۔اگر ان کو واضح ہدایات دستیاب نہ ہوں تو پھر انہیں اختیار ہے کہ اپنی بہترین قابلیت کے مطابق مسئلہ کا فیصلہ کریں۔یہ آخری اختیار نبی کریمؐ کی خاص منظوری سے ہے۔معاذ جب یمن کے حاکم مقرر ہوئے تو حضورؐ نے اُن سے دریافت کیا کہ وہ اپنی رعایا کو کس قانون پر چلائیں گے۔معاذ نے جواب دیا "قرآن کریم کے قانون پر،" آپ نے فرمایا "اگر کتاب مقدس میں

تمہیں کوئی حوالہ نہ ملے؟ معاذ نے جواب دیا ”میں سنت پیغمبرؐ پر عمل کروں گا“
—— لیکن اگر سنت میں بھی کوئی نظیر نہ ملے“
—— پھر میں اپنا فیصلہ صادر کروں گا
—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا کا شکر ہے جو اپنے رسول کے قاصدوں کی رہنمائی اپنی رضا کے مطابق کرتا ہے“

—— یہ واقعہ واضح طور پر تعلیمات قرآنی کے مطابق ہے جہاں دلیل سے کام لینے کی تعریف کئی جگہ کی گئی ہے۔ قرآن کریم مسائل عدلیہ کے متعلق ایک معقول اور عالمانہ نظام کی بنیاد رکھتا ہے اتفاقیہ طور پر یہ بات قابل غور ہے۔ کہ اسلامی قانون کوئی استثنا تسلیم نہیں کرتا۔ یہ اعلیٰ و ادنیٰ تمام مسلمانوں کے لئے یکساں ہے۔

—— جب اسلامی مملکت وسیع ہوتی جاتی ہے۔ نبی کریمؐ کیلئے شخصی طور پر امور سلطنت کا نظم ونسق ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ بعض فرائض با اختیار نمایندوں کے حوالے کئے جائیں۔ جب مملکت اسلام شہر مدینہ تک محدود تھی۔ اس وقت جنگ بدر یا جنگ خیبر جیسے مواقع پر مدینہ کی حکومت ایک نائب کے سپرد کرنی پڑتی تھی۔ اب جب کہ طویل مسافتیں اسلامی سرحدوں کو منقسم کرتی ہیں۔ تو دیوانی حکومتی ادارے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو محصول اور مالیہ کے انتظام کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔ آمدنی کے ذرائع زکواۃ۔ جزیہ۔ خراج اور مال غنیمت کا ⅕ حصہ ہیں۔

—— اسلام کی وسعت کیساتھ اکثر دوسرے فرائض کو منتقل کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے جو اب تک نبی کریمؐ ادا کرتے رہے ہیں لہذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجتماعات نماز (جمعہ) کی امامت ناممکن ہو جاتی

ہے۔ تو آپ کسی شخص کو نامزد کر دیتے ہیں۔ یہ عہدہ بہرحال کسی ایسے مسلمان کے حق پر فائق ہوتا ہے جو مجمع میں سب سے زیادہ واقف قرآت ہو۔ امام نہ صرف نماز پڑھاتا ہے۔ بلکہ خطبہ بھی پڑھتا ہے۔ جو نبی کریمؐ کی ایک حدیث کے مطابق عوام کی سمجھ کے مطابق اور زیادہ طویل نہ ہونا چاہیئے

—— دیوانی ادارے ایسے قانون دان اشخاص کے سپرد کئے گئے ہیں جن کے فیصلوں اور غیر جانبداری پر انحصار کیا جا سکے۔ یہ قاضی کہلاتے ہیں۔ ان کے فرائض نابالغوں کی جایداد کا انتظام اوقاف کا اہتمام۔ اور وصیتوں کی تعمیل پر مشتمل ہیں۔ قاضی انحراف دین۔ مذہبی فرائض سے غفلت۔ عدم ادائے محصول۔ چوری زنا۔ ازالۂ بکارت۔ اور قتل کے مقدمات سننے کے مجاز بھی ہیں۔ وہ معین سزائیں یا ایسی سزائیں جو مقدمات کے خاص حالات کے مطابق ہوں دے سکتے ہیں

(۳)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضعیف العمری جانشین کا مسئلہ سامنے لاتی ہے آپ نے مملکت اسلام اپنے یا اپنے خاندان کے ارکان کے لئے فتح نہیں کی۔ اسلام کی دنیوی حکومت تاریخ کا ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ حضور سرور کائینات صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں مذہبی اور دنیوی سردار ایک ہی شخصیت یعنی نبی کریمؐ کے ذمے رہی ہے۔ آپ کے وصال کے بعد ضروری ہوگا کہ ایک جانشین یا خلیفہ متعین کیا جائے۔ جو امیر المومنین کی حیثیت بھی رکھے گا۔ لیکن یہ امر بالکل واضح نہیں کہ ایسا جانشین خدا کی جانب سے متعین ہوگا یا مسلمانوں کی طرف سے عام جذبات کا رجحان اس طرف ہے کہ چونکہ خلیفہ نبی کریمؐ کی طرح مختار کل ہوگا۔ اس لئے اس کا انتخاب مسلمانوں پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ بہرحال عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین قریش سے ہونا

چاہیئے۔ جس سے خود حضور تعلق رکھتے ہوں

——— جہاں عربستان پر امن مسلط ہے۔ اور اکثر قبائل نے یا تو مسلم حکومت سے اتحاد قائم کرلیا ہے۔ یا اس کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ وہاں ایک بڑا ہولناک خطرہ افق پر دکھائی دے رہا ہے۔ ہرقل فتوح ایران سے سرشار وطن کو واپس ہوا ہے۔ اور آگسٹس کے زمانے کے رومیوں کی طرح عربستان کو ختم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بازنطینی سلطنت کے جاگیردار ناقابل ہلاکت دیووں کی طرح شام کی سرحد پر جمع ہو جاتے ہیں۔

——— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں کی خبر پہونچتی ہے۔ آپ خواہ امن کے کتنے ہی خواہاں کیوں نہ ہوں لیکن اب آرام کا وقت نہیں پاتے۔ ایک خطرناک مصیبت کو نہ صرف ثروت عامہ کے حکمران یا حکام سلطنت بلکہ ہر مسلمان کی سخت جدوجہد کے ذریعہ روکنا چاہیئے۔ بہرحال اس امر کو تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ کہ جو جنگی چالیں عربوں کے خلاف کامیابی کے ساتھ استعمال کی گئی تھیں۔ وہ یونانیوں کی اعلےٰ منظم افواج کے خلاف بے سود ثابت ہوں گی۔ موخرالذکر کے مقابلہ کے لئے تیز نقل و حرکت اور جنگی چالوں سے زیادہ آدمیوں کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی ضروری ہے۔ بڑے معرکے بلاشبہ ضروری ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جرنیل پیش از وقت کام شروع کردیتے ہیں تاکہ یونانی افواج کے مقابلہ میں کافی فوج میدان جنگ کے اندر لاسکیں۔

——— بھرتی کا حکم رجب کے مہینے میں ملتا ہے۔ جو تابستان کے وسط میں پڑتا ہے اور جب کہ عربستان گرم ترین اور دنیا کا سب سے زیادہ تکلیف دہ علاقہ بن جاتا ہے۔ موسم بھرتی کی سرگرمیوں کے خلاف ہے۔ کئی لوگ احتجاج کرتے ہیں اور کئی فرار ہو گئے ہیں۔ جو لوگ گرمی کی شکایت کرتے ہیں۔ انہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہوگی۔ لیکن تمام امور پر غور کرتے ہوئے آپ کے حکم کا نتیجہ شاندار ہوتا ہے اور جو لوگ اپنی تمام چیزیں اسلام کے راہ میں دے دیتے ہیں۔ اُن کی تعداد کم نہیں۔ بعض نئی فتح کی امید کے تصور میں ہیں۔

—— جب سب کچھ تیار ہو جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی حکومت حضرت علیؓ کے سپرد کر کے بیس ہزار پیادہ اور چھ ہزار سوار فوج لے کر شام کی سرحد کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ تمازت آفتاب۔ کثرت غبار۔ اور عذاب تشنگی کے باعث سینکڑوں راستہ میں جان بحق ہو جاتے ہیں۔ صرف ان کے سالار کی مثال جو آگے آگے کسی شکوہ و شکایت کے بغیر بڑھتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ فوج کی ہمت قائم رکھتا ہے اور اس کے پائے ثبات متزلزل نہیں ہونے دیتا

—— مدینہ اور دمشق کے درمیان مقام تبوک پر یہ عظیم الشان فوج ٹھنڈے چشموں سے پیاس بجھانے اور سبز کھجوروں کے نیچے تازہ دم ہونے کے لئے ٹھہرتی ہے۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ سن کر خوشی ہوتی ہے۔ کہ یونانی تیار نہیں یا بہر حال آپ کے ملک پر فوراً دھاوا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے آپ کی افواج اس غرض کے لئے کافی ہیں کہ دمشق اور شام کے ایک حصہ کو مملکت عرب میں شامل کر لیں۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سکندر کی طرح سلطنت کے خواب نہیں دیکھتے۔ آپ بیمار اور ضعیف ہیں۔ خیبر کا زہر آپ کے خون میں سرایت کر چکا ہے آپ کی زندگی کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ آپ کے خواب پورے ہو چکے ہیں آپ عمر بھر لڑے ہیں۔ اب آپ کو امن اور آرام کی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ جب تبوک کے مقام پر یونانیوں کی خاموشی کے متعلق خبر سنتے ہیں۔ تو مراجعت کے خیال سے مسرت محسوس

کرتے ہیں۔

——— بہر حال واپسی سے پہلے سرحد شام کے نواحی شہر کے شیوخ آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اور ایک عیسائی حکمران نذر عقیدت پیش کرتا ہے۔ موخوالذکر نے تبوک پہنچنے پر اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ اور مسلم فوج کو حملہ کرنے کا چیلنج دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو چار سو سواروں کے ساتھ چیلنج منظور کرنے کے لئے مقرر کیا۔ عیسائیوں کو مکمل شکست ہوئی۔ خالدؓ کی فوج نے انہیں جنگی چالوں سے قلعہ سے نکالا۔ اور کمینگاہوں سے حملے کئے خالدؓ فتح کر لینے کے بعد مال غنیمت لے کر تبوک واپس جاتے ہیں۔ جو ایک ہزار اونٹ۔ آٹھ سو گھوڑوں اور چار سو اسیران جنگ پر مشتمل ہے۔ گستاخ حاکم کو بہر حال حضور نبی کریمؐ نے معافی دے دی اور اسے اسکی املاک واپس کر دی۔ شرط یہ قرار پائی کہ وہ وفادار رہے اور خراج ادا کرتا رہے

(۴)

واپسی مدینہ پر سورۃ "برات" کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سورۃ کی چند آیتیں نو یں سال ہجرہ میں جنگ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں تھیں۔ اب اس مکمل سورۃ کی اشاعت ہوتی ہے جس کا تاریخ اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے۔ یہ اسلام اور ان لوگوں میں حدِ فاصل قایم کرتی ہے جنہوں نے اسلام کے ساتھ ہمیشہ غداری کی۔ قرآن مجید کا صرف یہی ایک حصہ ہے جس کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہیں ہوتی ——— سورۃ کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے "یہ حکم اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے کافروں کے نام ہے جن کے ساتھ تم نے عہدنامے کر رکھے ہیں" یہ قابل غور امر ہے کہ کس طرح بار بار عہدنامہ ہائے صلح و آشتی کو ٹھکرا دیا گیا

ہے - قرآن مجید نے اس وقت تک صلح کے لئے نصیحت کی ہے باوجود اس امر کے کہ کافر ہمیشہ غلطی کر کے پشیمانی کا اظہار کر دینے کے عادی ہیں - مگر کیا معاملہ ہمیشہ اسی طرح برداشت کیا جائے گا -؟

—— سورہ برات میں مسلمانوں کے لئے اس معاملہ کے متعلق صاف احکام صادر ہوتے ہیں -

—— " متقدس مہینہ کے آخیر تک انتظار کرو - اس کے بعد خدا اور اس کے رسول کی طرف سے کافروں پر کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی - اے پیغمبر ان سے کہدو - کہ وہ اگر اپنے کئے پر نادم ہوں تو ان کے لئے اچھا ہے - ورنہ وہ خدائے قدوس کے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے - کافروں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے لئے بہت بڑی سزا ہے - سو جب مقدس ماہ ختم ہو جائے تو کافر جہاں ملیں انہیں قتل کرو - ان کو اپنی حراست میں لے لو - انکی بستیوں کو تباہ کردو جہاں کہیں موقعہ ملے ان پر بے خبری کے عالم میں حملہ کردو - تمہارے اور ان کے درمیان کیسے صلح ہو سکتی ہے - جب کہ وہ تم پر اپنی فوقیت ظاہر کرتے ہیں اور کسی صلح نامہ یا عہدنامہ کی پرواہ نہیں کرتے - وہ صرف الفاظ سے آپ کو مطمئن کرتے ہیں جب کہ ان کے دل بے ایمانیوں سے بھرے ہوئے ہیں - ان کے ساتھ جنگ کرو - اللہ تعالےٰ تمہارے ہاتھوں انہیں برباد کرے گا اللہ انہیں مغلوب کرے گا - اور آپ کو فتح و نصرت عطا کرے گا " ان الفاظ میں واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لڑائی ان کافروں کے ساتھ ہو گی جنہوں نے عہدناموں کی پرواہ نہیں کی اس سورۃ میں غیر مسلموں کے داخلہ مساجد کی ممانعت کی گئی ہے - اور اس امر کا اعلان بھی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مساعی یقیناً اسلام کے خلاف ناکام ثابت ہوں گی - اس میں ان کے پادریوں اور مبلغوں کی دنیاداری کا بھی تذکرہ ہے اور

ان لوگوں کے لئے سخت تادیب ہے۔ جنہوں نے جنگ تبوک میں شمولیت سے گریز کیا۔ یا بعد میں بھاگ گئے۔ اور ان لوگوں کے لئے خوشنودی ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کے راہ پر چلے"۔ ان کے لئے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں آرام کریں گے اور سب سے زیادہ مقام مسرت یہ ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں گے"۔ سورۃ کا آخری حصہ مسلمانوں کو اُبھارتا ہے کہ سچائی کو پھیلانے کے لئے پوری کوشش کریں۔ کہ یہی اسلام کا مقصد اولین ہے۔

——— جس وقت حضرت علیؓ کفار کے قبائل تک اسلام کا چیلنج پہونچاتے ہیں تو اُن کا طرز عمل اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے

——— اے علیؓ اپنے بھائی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہدو کہ ہم نے تمام عہدناموں کو پس پشت ڈال دیا ہے ہمارا اور اُن کا کوئی معاہدہ نہیں سوائے اس کے کہ ہم اس نزاع کا فیصلہ بزور شمشیر کریں گے"

——— مگر اس دلیرانہ اعلان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کیونکہ فتح حنین واوطاس نے کفار کی طاقت کو پامال کر دیا ہے۔

(۵)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر اب تریسٹھ ۶۳ برس کی ہے۔ اس سال ہجرت کا دسواں سال ختم ہوتا ہے وہ محسوس کرتے ہیں۔ کہ ان کی مساعی کامیاب ثابت ہوئیں۔ خداوند تعالےٰ نے اپنے وعدوں کو پورا کیا۔ اور انفرادی اور جماعتی زندگی میں ہمیشہ فتح و نصرت عطا فرمائی۔ جیسا کہ اُس کا وعدہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر اور طاقت جسمانی اس امر کے شاہد ہیں کہ پیمانۂ عمر لبریز ہونے

والا ہے۔ سورج غروب ہونے کو ہے۔ تاریکی شب آسمان کو سنہری گلابی اور نیلگوں رنگوں سے منقش کر رہی ہے اور یہ رنگ سلطنت کی کامیابی کے نشانات ظاہر کرتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گرد مختلف قسم کے لوگ پاتے ہیں جن میں بادشاہ۔ شاعر۔ جرنیل اور مختلف قبائل کے لاتعداد لوگ ہیں۔ جو خدائے واحد کے دین میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ جو کبھی آپ کے اور مدینہ والوں کے درمیان ایک راز تھا۔ کسی فرستادہ کو ایام زندگی میں اپنے متبعین سے اتنی عزت حاصل نہیں ہوئی۔ تکالیف و مصائب کی ایک طویل مدت کا بدلہ فتح و کامرانی کے ان دس سالوں نے بہت حد تک ادا کر دیا ہے۔

کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر وقت راضی برضائے الٰہی ہیں۔ اس لئے ان کی قسمت میں ایک بہت بڑا صدمہ لکھا ہے۔ ننھا ابراہیم پیدائش کے بعد اپنے باپ کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کی روشنی ہے۔ وہ سلسلۂ نسب کی ایک جلد ٹوٹنے والی کڑی ہیں ابراہیم وہ بچے ہیں جو خاندان کے لئے باعث افتخار ہوتے ہیں۔ خوبصورت۔ مضبوط۔ گھنگریالے بالوں والے بشاش چہرہ کے ساتھ ہر ایک کو ملتے ہیں۔ ابراہیم اپنی والدہ مریم کی نظر میں محض ایک خوبصورت بچے ہی نہیں۔ بلکہ اپنے والد کی تمام خوبیوں کے حامل۔ ابراہیم اپنے باپ کے ساتھ بے تحاشا محبت پیدا کر لیتے ہیں لوگوں کو آپ سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ ان کے تمام بچے ابراہیم کی مانند پیارے ہوں۔ مگر موت اُن کو عزیز والدین اور چہیتے لوگوں سے جدا کر دیتی ہے۔ مریم شکستہ دل ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس صدمہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اور وہ بلے پتلے ننھے ابراہیم کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ایک کھجور کے درخت کے نیچے سپرد خاک

کر دیتے ہیں۔ چشم پرنم سے آنسوؤں کا تار جاری ہے۔ جب کہ حضور اپنے دست مبارک سے اس چھوٹی سی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں "اس سے غمزدہ دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور پسماندگان کو تسکین نصیب ہوتی ہے۔ حالانکہ اس سے مردہ کو نقصان پہونچتا ہے۔ نہ فائدہ"

—— ابراہیم کی وفات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دنیا میں سامان راحت مفقود کر دیا۔ آپ کی صحت روز بروز گر رہی ہے اور حضور کی شمع حیات جلد گل ہونے والی ہے۔ پیشتر اس کے کہ موت کی آخری ساعت آن پہنچے۔ آپ حج بیت اللہ کے لئے مکّہ روانہ ہونا چاہتے ہیں۔ تاکہ آخری پیغام متبعین تک پہونچا سکیں۔ آپ کے مکّہ تشریف لانے کی خبر تمام وادئ عرب میں شعلہ آتش کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اور لوگ جوق در جوق مکّہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اتنا اجتماع عظیم ہے کہ مکّہ نے شاید ہی دیکھا ہوگا۔ حاجیوں کی صحیح تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک ہے۔ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۹ حج کی چوتھی تاریخ کو پہنچتے ہیں اور حج کی عام رسوم ادا کرتے ہیں۔ حاجیوں میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کہیں سردار قبیلہ ہیں۔ کہیں سپاہی اور کہیں عالم ہیں اور کہیں شاعر کہیں معلم ہیں کہیں تاجر کہیں باشندے ہیں اور کہیں رنج کے ملازم کسی کو کوئی چیز ممیز نہیں کرتی اور یہ تمام ملک کے مسلمانوں کا اجتماع ہے۔ رنگ اخوت چھایا ہوا ہے۔ ہر شخص کا دل محبت اور مودّت سے بھرا ہوا ہے اور یہ اسلام کا خاصہ ہے۔

—— حج سے فارغ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ پر سوار ہو کر اپنے متبعین کو خطبہ دیتے ہیں۔ یہ موقع شان امتیاز رکھتا ہے۔ وادئ منا کی یاد لوگوں کے دلوں میں ایک عرصہ تک تازہ رہے گی۔ جنہوں نے

اس منظر کو دیکھا۔ یہ انسانوں کا جم غفیر تھا۔ جس میں مرد۔ عورتیں بچے سب شامل تھے۔

——— تمازتِ آفتاب سے اکثر لوگ تانبے کی طرح سرخ ہو رہے ہیں۔ ان میں سے بعض حسین اور خوش شکل ہیں۔ سامعین پر سکوت طاری ہے۔ اور شوق مجسم بنے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مہین اور صاف آواز میں خطاب فرماتے ہیں جب ایک جملہ ختم ہوتا ہے تو وہ اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ مجمع کے ایک ایک گوشہ میں اس کی آواز پہونچتی ہے پیغام جو سامعین تک پہونچتا ہے نہایت شاندار ہے اور مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لئے شمع ہدایت۔ اس پیغام نے لوگوں کے دلوں میں نیکی عوام الناس سے شریفانہ برتاؤ اور اخوت اسلام کی زبردست روح پھونک دی ہے اور ایسے اخلاقی قوانین پر آخری مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جس سے بے انصافی اور ظلم کا خاتمہ ہو گیا۔

——— اے لوگو سنو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ شائد یہ میرے آخری الفاظ ہوں "

——— خدائے قدوس کا صریح حکم ہے کہ ہر شخص کو حصہ وراثت ضرور ملے گا۔ کوئی ایسی وصیت یا حکم جو اس کے خلاف ہو نا قابل قبول ہے۔

——— اے لوگو آپ کے حقوق عورتوں پر اور عورتوں کے حقوق آپ پر واجب ہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ اپنے رشتہ مناکحت کا انتہائی احترام کریں۔ اور نہ کوئی ناپاکیزہ حرکت کریں۔ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انہیں سزا دیں مگر شدید نہیں اور اگر آپ کی عورتیں گناہوں سے توبہ کریں تو اُن کی رفاقت اختیار کریں۔ اور ان کے نان و نفقہ کا معقول انتظام کریں۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کی طرف سے یہ امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے۔

——— اپنے غلاموں کو وہی کھانا کھلائیں جو آپ خود کھاتے ہیں۔ اور وہی پہنائیں جو آپ خود پہنتے ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی غلطی کر بیٹھیں جن کو آپ معاف نہیں کرنا چاہتے تو انہیں فروخت کر دیں۔ کیونکہ یہ سب خداوند تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور سزاوار عتاب نہیں۔

——— اے لوگو گوش ہوش سے سنو جو میں نے بتایا اور اپنے قلوب میں ثبت کر لو۔ کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور مساویانہ درجہ میں ہیں سب کے حقوق ایک جیسے ہیں اور تم ایک ہی رشتہ اخوت میں منسلک ہو۔ اور تمہارے لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اپنے بھائیوں کا مال کھاؤ۔ سوائے اس کے جو وہ خود تمہیں خوشی سے دیں

——— پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باآواز بلند فرمایا "اے مالک دو جہاں میں نے تیرا پیغام لوگوں کو پہونچا دیا ہے"

——— میدان میں آوازوں کا طوفان برپا ہو گیا۔ اور ایک لاکھ زبانوں سے یہ متحدہ آواز نکلی "یا رسول اللہ واقعی آپ نے ہم تک پیغام پہونچا دیا ہے"

— حاجیوں کی بے پناہ جمعیت نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام اور وصیت سن کر اپنا اپنا رستہ لیا۔

(۶)

گیارہ سنہ ہجری کے ماہ صفر کا آخر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تکمیل کا پیغام سن لیا "آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی عنایات کی تکمیل کر دی۔ اور تمہارے لئے مذہب اسلام منتخب کیا" اسی حج کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد ہوا۔ اذا جاء نصر اللہ

وا لفتح و رئیت الناس ید خلون فی دین اللہ افواجا - فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا

——— حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار پڑ گئے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی آخری بیماری ہے آپ کی خواہش ہے کہ اسامہ ابن زید کے ماتحت شام پر جو چڑھائی کی گئی ہے اس کے نتیجہ کی خبر حاصل کریں - یونانیوں نے مسلمان قاصد کو قتل کر دیا ہے - اس کی موت کا بدلہ لینے اور ساتھ ہی اپنی قوم کی عزت و آبرو کو برقرار رکھنے کے لئے یہ چڑھائی ضروری ہے -

——— حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضؓ کے گھر بیمار پڑتے ہیں مگر نازک حالت ہونے پر عائشہؓ کے گھر میں منتقل کئے جاتے ہیں - جہاں آپ مہلک بخار میں مبتلا ہیں

——— حضورؐ حضرت عائشہ کی گود میں سر رکھے ہوئے خیبر کے مقام کی زہر کے متعلق شکایت فرماتے ہیں

——— جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں کرتے ہیں - مگر جب ہلنے جلنے کے قابل نہیں رہتے تو حضرت ابوبکرؓ کے ذمے امامت کے فرائض تفویض فرماتے ہیں - آخری بار جب حضورؐ مسجد میں ادائیگی نماز کے لئے جاتے ہیں تو اپنی بیماری کے متعلق حاضرین کو مطلع فرما کر ارشاد فرماتے ہیں - کہ میں پھر یہاں نہ آسکوں گا - اگر کسی شخص نے کوئی قرض مجھ سے لینا ہو تو وہ یہیں مانگ لے - ایک یہودی اٹھتا ہے اور تین درہم کا مطالبہ کرتا ہے جو اسی وقت ادا کر دیئے جاتے ہیں

——— بیماری طول پکڑ رہی ہے - تمام اہل مدینہ اپنے پیغمبر کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں - حضرت فاطمہ رضؓ بستر کے قریب بیٹھی ہوئی زاروقطار رو رہی ہیں - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو تسلی اور تشفی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے فاطمہ

ان آنسوؤں کو بند کرو۔" حضرت فاطمہ نمائشی مسکراہٹ چہرہ پر لاتی ہیں۔ مگر آپ کا غم تسلی دینے سے بھی بڑھ گیا ہے۔

——— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کو باری باری بلا کر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔ آپ محسوس کرتے ہیں گویا سمندر کی طرف بہے جا رہے ہیں۔ مگر حسب معمول بے خوف و خطر ہیں اور اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق اپنے اقرباء سے بحث کرتے ہیں۔

——— متعدد احباب جو آپ کو بہت عزیز ہیں آپ کے بستر کے گرد بیٹھے ہیں اور آپ بہادر لوگوں کو بچوں کی طرح روتا دیکھتے ہیں۔ اور اس سے خود بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک دوست پوچھتا ہے "یا رسول اللہ اگر بدقسمتی سے ہم آپ کو کھو بیٹھے تو آپ کی جگہ ہماری امامت کون کرے گا؟"

——— "میں آپ کو بتانے ہی والا تھا۔ کہ جب آپ میری تجہیز و تکفین اور میری لاش کو تختہ پر ڈال کر کچھ عرصہ کے لئے وہیں رکھ دیں۔ تو جو شخص سب سے پہلے اس کمرہ میں داخل ہو وہی تمہاری امامت کرے گا۔ آپ اور میرے اعزا بہت زیادہ غم نہ کھائیں اور آہ و بکا سے میری روح کو صدمہ نہ پہونچائیں۔"

——— اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری دم تک ایک پیغمبر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ جس کے لئے آپ کو تقریباً ۲۳ سال پہلے منتخب کیا گیا تھا۔ آپ بڑے تحمل کے ساتھ موت کے منتظر ہیں۔ آپ ان انسانی کمزوریوں کا اظہار نہیں کرتے جو موت کے وقت عام انسانوں کا معمول ہے اور نہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اس اخلاق اور اعتماد کی قوت کو ہاتھ سے دیتے ہیں جو آپ کی زندگی کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ آپ اپنے آخری لمحہ حیات میں بھی وہی غیر معمولی انسان میں سے معلوم ہوتے ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل دیتے ہیں۔ اور بنی نوع انسان

کو اپنا مطیع بنا لیتے ہیں۔

——— حضرت عائشہؓ محبت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری میں مصروف ہیں۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے تمام واقعات زندگی آجاتے ہیں آپ تیز رو لمحوں میں اپنے آپ کو یتیم کی حالت میں دیکھتے ہیں جو عبدالمطلبؓ کے دامن میں کھیلتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو ایک تاجر کی حیثیت میں دیکھتے ہیں۔

جو ریگستان پر سے متمول خدیجہؓ کے اونٹ لے جا رہے ہیں۔ آپ اپنے کو شادی شدہ انسان دیکھتے ہیں جس کے نیچے مکان کے ارد گرد دوڑتے پھرتے ہیں۔ آپ خواب دیکھنے والے زمانہ کو یاد کرتے ہیں جب کہ آپ یونانیوں کے عقیدہ۔ یہودیوں کی خود بینی اور نصرانی پادریوں کے تعصب پر غور کر رہے ہیں۔ پندرہ سال کتنی عجلت سے گزرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ عربستان کو خدا اور بندوں کے ساتھ مصروف جنگ دیکھتے ہیں، پہلی بشارت کے ہیبتناک منظر کو یاد کرتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی ہمدردی اور محبت۔ حضرت علیؓ کی گرمجوشی۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام۔ قریش کے درمیان دہشت۔ اعلیٰ عہدوں کی پیش کش۔ ایذا رسانی سبے آئینی۔ اور ہجرت آپ کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں یثرب کے چھ آدمیوں کی اتفاقیہ ملاقات۔ اہل مدینہ کی دعوت۔ جنگ بدر۔ نازک رشتہ جس پر قسمتِ اسلام اس وقت منحصر تھی۔ جنگ احد میں تیر اندازوں کا فرار۔ فتح الاحزاب۔ معاہدہ حدیبیہ اور حضرت عمرؓ کی بے اطمینانی۔ یہودیوں کی غداری۔ بنو قریظہ کی سزائے موت۔ حفصہ اور صفیہ سے آپ کی شادی۔ اسلام کا عروج۔ قبائل اور اہم شخصیتوں کا آپ کے دین میں شامل ہونا۔ فتح مکہ۔ اسلامی حکومت کا عربستان کے چاروں گوشوں میں پھیل جانا۔ ہرقل اور مقوقس کو دعوت نامے۔ ماریہ کا قصہ۔ ابراہیم۔ منے اکا میدان اور وہ مجمعے جس نے آپ کے خطبہ کو سکوت کیساتھ سنا یہ سب واقعات سامنے آجاتے ہیں

——— آپ جب عالم نزع میں ہیں تو لوگ بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں پر نظر دوڑا رہے ہیں۔ انہیں اُن معبودوں کی یاد آجاتی ہے جنہیں وہ پوجتے تھے۔ انہیں یاد آتا ہے کہ کس طرح آپ نے انہیں ایک ایسا سادہ عقیدہ بتادیا ہے جس کے سمجھنے کے لئے معمولی عقل اور فہم کی ضرورت ہے اور جو تمام دنیا کے عقائد سے افضل ہے۔ یعنی تمام کائنات کے خالق خدائے واحد کا تصور ہے۔ وہ قرآن کریم کو یاد کرتے ہیں جو آپ کے ذریعے نازل ہوا وہ اپنی زبان کی تکمیل کا اعتراف کرتے ہیں۔ جواب مکمل۔ رسیلی اور اکثر شاندار تصورات و خیالات اور فطرت کے تذکروں سے پر ہے مثلاً حیوانات کی آوازیں آوارہ موجوں کی سرگوشیاں۔ بادل کی گرج اور ہوا کی آہیں۔ ہتک اور مذمت جو عرصہ تک آپ سے روا رکھی گئی۔ اب عوام الناس کی تعظیم میں تبدیل ہو گئی ہے اور تحفظ دین حق استحکام کا باعث ہے۔ آپ کی شجاعت اور جوانمردی کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب آپ کو ان کے اپنے لوگوں قریش عیسائیوں اور یہودیوں نے مسترد کر دیا۔ تو ہجوم کی غوغہ آرائی اور نفرت آپ کو جادۂ صداقت سے منحرف نہ کرسکی۔ آپ کی قوت اور اک رکاوٹوں پر غالب آنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ آپ تاریخ میں پہلی دفعہ اخوت کا عملی آئین مرتب کر کے قدیم رسوم انتقام کی جگہ مقدس رشتہ اتحاد قائم کرتے ہیں آپ اور آپ کی افواج کے لئے جنگ میں صرف دو ممکن الحصول بدل تھے۔ شہادت یا موت۔ آپ نہ صرف اس سے دنیوی حکومت قائم کرتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں ایک زیادہ زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالتے ہیں آپ خواہ کسی قربانی کے لئے کہیں آپ کے بہادر اور جانثار فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ فطرت انسانی سے گہری واقفیت رکھتے ہوئے آپ نے اپنے اعداد کے ہشیار ترین آدمیوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لیا۔ اور یہی سبب ہے کہ اس تھوڑے سے عرصہ میں مدینہ

کی چھوٹی سی حکومت ایک زبردست حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ ہشیار مبصرین کو ان واقعات میں مشرق کی طوفانی ہوائیں نظر آتی ہیں۔ جنہوں نے عربستان سے اٹھ کر اسلام کو دور دور یعنی ایرانی اور بازنطینی سلطنتوں تک پھیلا دیا۔ خالد چلتے ہوئے ریگستانوں کو عبور کر کے یونانیوں پر ایک ایسی زبردست فتح حاصل کر چکے ہیں جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں دوسرے بھی ہیں۔ جو مصر۔ ایران۔ ہسپانیہ کو فتح کر کے کوہ پیری نیز اور دریائے اٹک تک پہنچانے کے لئے بیقرار ہیں۔ یہ ہے وہ جوش جو حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کر دیا۔

اب سفر کا اختتام ہے۔ آپ ابھی تک جان کنی کی حالت میں ہیں لیکن تکلیف ذرا کم ہے۔ حضرت عائشہ آپ کے سر کو گود میں رکھے ہوئے ہیں۔ آپ پر بیہوشی کا عالم طاری ہے۔ لیکن دفعۃً ہوش میں آ کر آنکھیں کھولتے ہیں اور دروازہ کی طرف نگاہ جماتے ہیں ملک الموت دروازہ میں کھڑا ہے۔ وہ پہلے تامل کرتا ہے۔ پھر آپ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہیں آپ کے منہ سے باہستگی "سبحان اللہ" کے الفاظ نکلتے ہیں۔

حضرت عائشہ جھک کر دیکھتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیائے ابدی میں جا پہنچے ہیں۔

آپ کے وصال کی خبر شہر میں وحشت پھیلا دیتی ہے بعض کی زبان بندی ہو جاتی ہے۔ بعض کا دماغ چکرا جاتا ہے لوگوں کا ایک اژدہام کثیر مسجد میں خبر کا منتظر ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کا یقین نہیں۔ وہ ایسا کہنے والے کو طمانچہ

رسید کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا - یہ ناممکن ہے" حضرت ابوبکرؓ مسجد میں داخل ہوتے ہیں - اور آہستہ سے مجلس تک پہونچتے ہیں - تمام نظریں اُن پر لگی ہوئی ہیں - حضرت عمرؓ مغموم نظروں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہیں - حضرت ابوبکرؓ ایک ہاتھ بلند کرتے ہیں - ہر طرف خاموشی طاری ہو جاتی ہے -

———— حضرت ابوبکرؓ نرم آواز میں ان سے کہتے ہیں "اے مسلمانو نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں اور ایسے پیغمبر ہی ہیں جیسے آپ سے پہلے گذر چکے ہیں - کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ رحلت فرما جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اس عقیدہ کو ترک کر دو جو انہوں نے تمہیں دیا ہے؟ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کی طرف تمام چیزیں لوٹنے والی ہیں - محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون

ختم شد

نگینہ پریس سرکلر روڈ بیرون بھاٹی دروازہ لاہور میں باہتمام محمد حسین چودھری پرنٹر چھپوا کر پبلشر مکتبہ اُردو نئے بیرون موری دروازہ لاہور سے شائع کی۔

ماہنامہ ادبِ لطیف

دنیائے اردو میں ایک مسلسل انقلاب انگیز ادبی کوشش

(۱) آج سے تین سال پیشتر "ادبِ لطیف" نے اپنے لئے موقت الشیوع رسائل کی پامال روش سے بالکل علیحدہ ایک نیا راستہ نکالا تھا اور آجتک اسی ترقی انداز راستے پر چل رہا ہے۔ (۲) "ادبِ لطیف" نہایت پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ آج تک اسکی کوئی اشاعت معرض التوا میں نہیں پڑی۔ (۳) "ادبِ لطیف" میں اردو کے نامور و ممتاز اہلِ قلم کے بلند پایہ مضامین نظم و نثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (۴) "ادبِ لطیف" "اردو" کا ارزاں ترین ادبی مجلہ ہے۔ صرف تین روپے چار آنے میں ایک ضخیم سالنامہ ایک عدیم النظیر افسانہ نمبر اور دس نمبر انکے علاوہ ——

(۵) "ادبِ لطیف" اپنے معنوی محاسن کے علاوہ صوری محاسن میں بھی اردو کا ممتاز ترین ادبی رسالہ ہے۔ سہ رنگا ٹائیٹل پیج، کتابت جاذبِ نظر، طباعت جاذبِ دل، اور کاغذ نہایت عمدہ

(۶) "ادبِ لطیف" میں طلبہ و طالبات کے ذہنی ارتقا کے لئے وافر ذخیرہ مہیا کیا جاتا ہے۔ ماہرین تعلیم کی رائے ہے کہ "اردو" میں تعلیمی نقطۂ نظر سے "ادبِ لطیف" کے مقابلے کا کوئی ادبی پرچہ نہیں ہے

پھر جب یہ حقیقت ہے کہ "ادبِ لطیف" اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ترین ——

اور اسکے ساتھ ارزاں ترین ادبی رسالہ ہے تو آپکو اسکی سرپرستی سے کیوں انکار ہے ؟ ؟ ؟

آج ہی تین روپے چار آنے بذریعہ منی آرڈر دفتر میں بھیجدیں یا مینیجر رسالہ کو پرچہ وی پی کرنے کی اجازت دیں۔ سالانہ چندہ تین روپے چار آنے جسمیں ضخیم سالنامہ عدیم النظیر افسانہ نمبر اور دس عام پرچے ہیں۔ نمونے کا پرچہ مفت

مینیجر "ادبِ لطیف" "مکتبۂ اردو" لاہور